کلیات مصحفی

جلد نہم

قصائد

غلام ہمدانی مصحفی امروہوی، متوفی ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء

بتصحیح

نورالحسن نقوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

کلیات مصحفی

جلد نہم

قصائد

غلام ہمدانی مصحفی امروہوی متوفی 1240ھ / 1825ء

بتصحیح

نورالحسن نقوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	2013
تعداد	:	550
قیمت	:	-/189 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1693

K ulliyat-e-Mushafi Vol- 9
Edited By : Noorul Hasan Naqvi

ISBN :978-81-7587-882-2

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099

شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر: 26109746

فیکس: 26108159 ای میل: ncpulsaleunit@gmail.com

ای میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: بھارت گرافکس، C-83، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-1، نئی دہلی 110020

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کررہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی جہتوں کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان علمی و ادبی کتابوں کی مکرر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور نایاب ہوتی جارہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ ہی نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے اور اس لیے اس سے کماحقہٗ واقفیت نئی نسلوں کے لیے ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت عہدِ قدیم کے شاعروں اور نثر نگاروں سے لے کر عہدِ جدید کے شاعروں اور نثر نگاروں تک تمام اہلِ فکر وفن کی تصنیفات شائع کرنے کی خواہاں ہے تاکہ نہ صرف اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمایے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جاسکے اور زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جاسکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الوسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ کلیاتِ غلام ہمدانی مصحفی جلد نہم اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کررہی ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ متذکرہ مسودہ پروفیسر نورالحسن نقوی کو ترتیب و تدوین کے لیے تفویض کیا

گیا تھا، لیکن اچانک ان کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا اس تعلق سے جناب شمس الرحمن فاروقی کی خدمت حاصل کی گئی، چونکہ ان کے پاس اصل متن موجود تھا۔

اہل علم سے گذارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جاسکے۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
ڈائرکٹر

فہرست

مقدمہ: نورالحسن نقوی		xi
1 حمد باری عزّ اسمہ	قابل حمد و ثنا ہے وہ خداوند کریم	1
2 نعت سید المرسلینؐ	بعضوں کو گماں یہ ہے کہ ہم اہلِ زباں ہیں	5
3 نعت سید المرسلینؐ	جو ہاتھ آتا مرے یکسر گریباں، آستیں، دامن	8
4 نعت سید المرسلینؐ	حنا سے ہے یہ تری سرخ، اے نگار انگشت	15
5 نعت سید المرسلینؐ	پرکار وار دور کئے اس نے یوں ہزار	19
6 منقبت حضرت امیرؑ	طے کر چکی ہے کیا یہ رہ انتظار چشم	21
7 منقبت حضرت امیرؑ	صورت میں آپ چرخ مدوّر بنا گرہ	24
8 منقبت حضرت امیرؑ	ہووے اس شخص سے کیا معنیِ رنگیں کی تلاش	27
9 منقبت حضرت امیرؑ	گرمی سے مستفیض ہوا عکس آفتاب	29
10 منقبت حضرت امیرؑ	ڈہا ہے جب سے کہ میرا یہ قصر ہشیاری	32
11 منقبت حضرت امیرؑ	ہو چکا دور میر اور مرزا	34
12 منقبت حضرت امیرؑ	گر فیضِ سخن ہو چمن آرائے طبیعت	38
13 منقبت حضرت امیرؑ	روز نوروز کرے کیوں نہ دلوں کو صیقل	41
14 قصیدہ در مدح جناب امیرؑ	تیرہ روزی سے مری کیوں کہ نہ ہو شاد آتش	46
15 در مدح حضرت امام حسنؑ	زبس تھی الفت زنار بنداں دل میں پنہانی	49

16	در مدح حضرت امام حسینؑ	خاک چمن نے رنگ نکالا ہے اب کے سال	57
17	در مدح زین العابدینؑ	تھی بس کہ بہر خواب عدم بیقرار چشم	60
18	در مدح علی اکبرؑ	ہے یاں قلم فکر کی جا گیر ہوا پر	63
19	منقبت جناب مرتضویؑ	ہے حشل سلیماں مری تسخیر ہوا پر	66
20	در مدح پیر فخر الدین	ستاروں سے ز بس سقف فلک ساری مجدر ہے	70
21	در مدح صاحب عالم جہاندار شاہ	بر سر خلق خدا ہے تو لطف الٰہ	75
22	در مدح صاحب عالم جہاندار شاہ	آیا ہے کیا چمن میں مگر تاجرِ بہار	78
23	در مدح نواب وزیر آصف الدولہ	ہوا ہوں بس کہ میں دورِ فلک سے سرگرداں	83
24	در مدح نواب وزیر آصف الدولہ	فلک کیوں نہ ہم کو کرے تیر باراں	88
25	در مدح نواب وزیر آصف الدولہ	منہ سے برقعے کو مری جاں تو اگر دیوے کھول	95
26	در مدح نواب وزیر آصف الدولہ	جب سے سرطاں میں ہوا نیر اعظم کا عمل	100
27	در مدح میرزا سیف علی خلف نواب وزیر	ہاتھ ہر سطلے کا پہنچے تا بہ دامان قلم	115
28	در مدح میر نعیم خاں ثابت جنگ	میں ایک دن گیا جو پئے سیر بوستاں	122
29	در مدح میر نعیم خاں ثابت جنگ	ہے بنا چہرہ ترا ایسی کہ تصویرِ فرنگ	125
30	در مدح نواب حسن رضا خاں	ان دنوں کیا جانے ہم سے کیا گنہ سرزد ہوا	128
31	قصیدہ در مدح نواب طاہر الدولہ عرف محمد رضا خاں خلف الرشید نواب حسن رضا خاں	دم میں دم ہے جب تلک لازم ہے ہم کو پیچ و تاب	132
32	قصیدہ در مدح نواب بارگاہ قلی خاں دستور المعظم مرزا جواں بخت جہاں دار شاہ	دل میں ہی اپنے سیر جہاں کر رہے ہیں ہم	135
33	قصیدہ در مدح نواب محبت خاں	الفتِ چسپاں تھی میرے خون کو خنجر کے ساتھ	137
34	قصیدہ در مدح زین العابدین خاں عرف میرزا مینڈو خلف نواب سالار جنگ	گیا اک دن جو میں طرف گلستاں	146
35	قصیدہ در ذکر حسب حال خود و آمدن از دہلی در لکھنؤ و رفتن در مشاعرہ رضا قلی	ہے شکایت مجھے یاروں سے کہ ہیں دشمن جاں	149
36	قصیدہ در مدح سیدی مہدی بہ سفارشِ میرزا قتیل کہ معشوق او بود	جشن نوروز سے ہے بس کہ جہاں روئے نگار	154

37 قصیدہ در مدح میرزا جعفر ہمشیرزادہ نجف خاں	مجھ کو گویائی سے اے یار رہا کیا سروکار	157
38 قصیدہ شہر آشوب دہلی	یہ کوے، یہ میداں، یہ زباں اور یہ بیاں ہے	160
39 در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ	یہ جوش نامیہ اب کے ہوا ہے فصل بہار	163
40 در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ	گر باز معانی کا مرے ہووے ہوا گیر	168
41 در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ	علم کیے ہوئے ہے ترک آسماں شمشیر	173
42 در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ	خورشید نہ ہو جس مہ تاباں کے برابر	176
43 در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ	ہو کے آپس میں چہ روز اور چہ شب ساٹھوایک	181
44 در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ	تلتا میں اس کے پلّے میں ہوتا گرانوری	185
45 در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ	یہ عکس ماہ سے ہے چہرۂ زمیں پرنور	189
46 در مدح اسپ کہ یارو فادار نام داشت	ہم ماہ سریع ہے ترا اسم	194
47 خطاب بہ انشاء اللہ خاں	اے آنکہ معارض ہو مری تیغ زباں سے	196
48 قطعہ بحضور سلیمان شکوہ	اے سلیمان جم شکوہ کہ ہے	198
49 در مدح صاحب عالم	کرے نہ کیوں کہ زمیں رشک گلستاں نوروز	200
50 در مدح سلیمان شکوہ	کون ہوں میں خدایگان سخن	203
51 در مدح صاحب عالم قصیدہ ناتمام	خطائے خصم نہیں کچھ، یہ بخت کا ہے قصور	205
52 قصیدہ در مدح سلیمان شکوہ	قسم بذات خدائے کہ ہے سمیع و بصیر	207
53 در مدح آصف الدولہ	عجب طرح کا زمانے کا ہے یہ لیل و نہار	210
54 در مدح خیالی رام	نگاہ کر کہ بہ وقت غروب بر سر شام	213
55 در مدح خیالی رام	رنگ طرب ہو کیوں نہ رخ گل سے آشکار	215
56 در مدح خیالی رام	ہے لعل اشک کا جو مرے سنگ رنگ ڈھنگ	219
57 در مدح خیالی رام	غمزہ سفاک، فتنہ گر چتون	222
58 قصیدہ در مدح جناب مرتضوی	روز و شب مل کے اگر ہوویں ہم دونوں ایک	226
59 در مدح میرزا علی حسن خلف نواب سالار جنگ	تھا اک دن میں کلبۂ احزاں میں بیقرار	229
60 در مدح نواب آصف الدولہ بطور جلال اسیر گفتہ شدہ	نہ خال کا ہوں میں قیدی نہ زلف کا ہوں اسیر	233

61	درمدح میرزا علی حسن	ڈپٹوں اگر میں رخشِ طبیعت کو وقتِ جنگ	235
62	درمدح لالہ ٹیکا رام	اگرچہ مجھ کو قصیدے سے کچھ رہا نہیں کام	238
63	قصیدہ نسبت بہ چند شخص گفتہ شد	ہے اس زمانے میں ایسا کوئی تو مغوی خام	241
64	درمدح خیالی رام	یہ کس کی چشم سے سیکھ آئی ہے حیا نرگس	245
65	درمدح صفدر علی خاں	بس کہ اس فصل میں ہوتے ہیں ہرے عظم رمیم	250
66	درمدح میرزا محمد تقی ہوس	بس کب تلک تحمل بیدادِ روزگار	254
67	درمدح میرزا محمد تقی ہوس	آدے گلگشتِ گلستاں کو جو وہ تازہ نہال	257
68	درمدح میرزا محمد تقی ہوس	اس سال ہے سردی کہ یہ تاثیر ہوا پر	260
69	دربیان سردی	ہو نفس کشی سے جسے توقیر ہوا پر	263
70	جواب قصیدہ انشاء اللہ	کھل گئے منہ پہ مرے شب جو در خواب کے پٹ	265
71	درمدح اسپان نواب جلال الدولہ بہادر	یمنی ہے لالہ رنگ تو پکھراج ڈہڈہا	275
72	قصیدہ درمدح جشن جلوس نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں بہادر دام اقبالہ (درجواب مرزا رفیع سودا)	شب دوشنبہ رکھی میں نے پلک پر جو پلک	278
73	قصیدہ درمدح کلب علی خاں	لیتے خمیازہ جو اس گل کی گئی چولی چس	293
74	درمدح نواب غازی الدین حیدر	اگر نزاکتِ موئے میاں کروں تحریر	296
75	درمدح کلب علی خاں	برجِ حمل میں نیرِ اعظم کا ہے گزار	301
76	درمدح کلب علی خاں	زبس کہ شوقِ جنوں ہے مرا گریباں گیر	304
77	درمدح کلب علی خاں	ہو نباتات میں جب روحِ نباتی کا عمل	308
78	درمدح نواب معتمد الدولہ بہادر	کیا ہے مجھ پہ یہ جور فلک نے عرصہ تنگ	312
79	مدح نواب روشن الدولہ بہادر	قلمداں زیر کرسی کیوں نہ رکھے فکرِ خاقانی	314
80	درمدح نواب روشن الدولہ بہادر	نسیم مژدہ یہ لائی سحر سوئے حمام	320
81	قصیدہ درمدح ممتاز الدولہ آفرین علی خاں بہادر	میں ایک رات جو تھا غم کے ساتھ ہم بستر	323
82	درمدح نواب ہادی علی خاں	اے خامہ چاہیے کہ تو ہو ابتدائے کار	326

83 درمدح میر فضل علی	یہ چاہتی ہے طبیعت بہ حکم رب قدیر	328
84 درمدح میر فضل علی	جب حوت سے حمل میں ہوا مہر کا گذار	332
85 درمدح میر فضل علی	رکھی ہیں جب سے صنم تم نے بے حجاب قلم	337
86 درمداح نواب معتمد الدولہ	آیا ہے جب سے دیکھ رخ دلبر آفتاب	342
حواشی (اختلاف نسخ)		348
فرہنگ		359

مقدمہ

مصحفی کے آٹھ دواوین مجلس ترقی ادب لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو چکے ہیں۔ زیر نظر دیوان قصائد کے چھپ جانے کے بعد ان کے اردو کلام کی اشاعت کا سلسلہ مکمل ہو جائے گا۔ مصحفی نے جتنے قصیدے کہے ان کو انھوں نے متذکرہ بالا دواوین میں شامل نہیں کیا، الگ رکھتے رہے۔ مقصد یہ رہا ہوگا قصائد کا ایک علاحدہ دیوان ترتیب پا جائے۔ گویا یہ جلد عین ان کی منشا کے مطابق شائع ہو رہی ہے۔

یہ دیوان قصائد مصحفی کے باقی تمام دواوین کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہم ہے۔ اس کے دو اسباب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان قصیدوں سے مصحفی کے عہد و ماحول اور خود ان کے حالات زندگی پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ انھیں اپنی زندگی میں جتنی کامرانیاں میسر آئیں اور جتنی ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا وہ سب اس دیوان کے آئینے میں صاف نظر آتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ کلام مصحفی کا یہ سب سے مکمل اور معتبر مجموعہ ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے مصحفی پر الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے شعر فروخت کرتے تھے۔ اس پر برافروختہ ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اگر یہ بات درست بھی ہے تو اس کی ذمہ داری شاعر پر نہیں۔ قصوروار تو وہ ماحول اور معاشرہ ہے جس نے بڑے بڑے باکمالوں کو آسودہ حالی سے محروم رکھا۔ تنگ دستی اور مسلسل فاقہ کشی نے میر کو نہ جانے کتنے دروازوں پر دستک دینے اور ناکام و شرمسار لوٹنے پر مجبور کیا ("میں گدائی کے لئے اٹھا اور لشکر

شاہی کے ہر سردار کے در پر گیا۔۔۔ نہایت شرمندہ ہوا اور واپس آ گیا۔'' میر کی آپ بیتی/115، 162)۔ غالب کو کہنا پڑا کہ ''وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے وہ میں ہوں۔'' (مکتوب بنام نواب امین الدین احمد خاں، مورخہ 13 فروری 1865)۔ مصحفی پر بھی ایسا ہی وقت پڑا۔ ایسے میں وہ اپنے شعر بیچنے پر مجبور ہو گئے ہوں تو کیا عجب۔

آزاد کے ہر بیان کو داستان طرازی کہہ کے ٹالا نہیں جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے تلاش و تحقیق کا پورا حق ادا نہیں کیا اور جانب داری سے بھی کام لیا لیکن اس حقیقت کو کیسے نظر انداز کر دیا جائے کہ معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ سینہ بہ سینہ ان تک پہنچا تھا۔ کچھ ایسا مواد بھی یقینا ان کے پیش نظر رہا ہوگا جو بعد میں زمانے کے ہاتھوں برباد ہو گیا۔ قدرت اللہ قاسم کا تذکرہ ''مجموعۂ نغز'' دریافت نہ ہو گیا ہوتا تو آزاد بہت سے الزاموں سے بری نہ ہو سکتے۔

دو داخلی شہادتیں بھی آزاد کے بیان کی تاکید کرتی نظر آتی ہیں۔ کلیات مصحفی میں بے حد دلکش اور بہت بلند پایہ شعر بھی موجود ہیں مگر خال خال۔ بیشتر کلام مٹی کا پہاڑ ہے جس میں کہیں کہیں کوئی ہیرا دمک اٹھتا ہے۔ بسیار گوئی اور زود گوئی اس کی اصل ذمہ دار ہے۔ لیکن اس امکان کی طرف بھی ذہن جائے بغیر نہیں رہتا کہ اچھے اچھے شعر خریدار چھانٹ کر لے گئے۔ کچھ بہت اچھے شعر بچ رہے تو اس لیے کہ کسی وجہ سے پارکھوں کی نظر انتخاب سے محفوظ رہ گئے۔

دوسری بات یہ کہ مصحفی اپنے تلامذہ کے کلام کو نکھارنے پر بڑا خون جگر صرف کرتے تھے۔ مسودات گواہ ہیں کہ آتش کا منتخب کلام وہی ہے جسے استاد نے سنوار دیا۔ اس نوعیت کی اصلاح آتش جیسے درویش شاگرد کے کلام پر تو ملتی ہے لیکن یہ مسئلہ ہنوز تحقیق طلب ہے کہ اسی طرح کی اصلاح کتنے متمول تلامذہ کے کلام پر موجود ہے۔ اگر نہیں، تو کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ تنخواہ کے عوض انھیں پوری پوری غزلیں کہہ کے دے دیتے ہوں۔ بہر حال چھان بین کے بعد ہی کوئی نتیجہ برآمد ہوگا۔ سر دست تو عرض صرف یہ کرنا ہے کہ غزلوں کے ساتھ ایسا کچھ ہوا ہو تو ہوا ہو قصیدوں کے ساتھ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ گویا اس صنف میں جو کچھ کہا وہ بجنسہ محفوظ ہے۔ چنانچہ اردو شاعری میں مصحفی کا مقام متعین کرنا ہو تو اس مجموعہ کلام سے معتبر کوئی اور ذریعہ نہیں۔

آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ مصحفی اپنی زندگی اور اپنے زمانے کے بارے میں ان قصائد میں

کیا معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔

ان قصائد میں ایک شہر آشوب بھی شامل ہے جس میں دلّی کی بربادی کا ذکر ہے۔ اس قصیدے کا نمبر 38 ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دلّی کے اطراف میں لٹھ ماروں کا زور ہے۔ شہر میں ڈاکے پڑتے رہتے ہیں۔ رعایا کا حال ابتر ہے اور لوگ فاقوں سے نڈھال ہیں اور ''ہے صاف تو یہ گلشن دہلی میں خزاں ہے'' نتیجہ یہ کہ ''ہر روز نیا قافلہ پورب کو رواں ہے۔'' مصحفی پہلے ہی ایک قافلے کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے تھے۔

خود مصحفی کی اطلاع کے مطابق 1198ھ/1784 میں شاہ عالم، بادشاہ دہلی نے نواب آصف الدولہ اور وارن ہسٹنگز کو خلعت سے نوازنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں غلام علی خاں ابن نواب بھکاری خاں ابن نواب روشن الدولہ کو لکھنؤ بھیجا گیا۔ مصحفی بھی ان کے ہمراہ لکھنؤ پہنچے۔ لکھنؤ پہنچنے کے بعد غلام علی خاں سے مصحفی کا نباہ نہ ہوسکا۔ دہلی لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر مرزا قتیل کے اصرار پر لکھنؤ میں رہنا منظور کرلیا اور محمد حیات بیتاب بلگرامی کے مکان پر قیام کیا۔ اس وقت یہاں کی شعری فضا پر جرأت کی حکمرانی تھی۔ جرأت سے تعلقات کا ذکر تو آگے آتا ہے، لیکن مصحفی کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنؤ کا ماحول ان کے لئے سازگار نہ تھا۔ ایک قطعے میں شکایت کرتے ہیں کہ:

مصحفی لکھنؤ میں دلّی سے آیا طے کرکے راہ دور و دراز
لیکن اس خاک میں بھی اس نے کہیں کچھ نہ دیکھا بجز نشیب و فراز

قصیدہ 35 ''درذکر حسب حال خود'' میں دہلی سے لکھنؤ آنے اور رضا قلی کے مشاعرے میں شریک ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ مطلع ہے:

ہے شکایت مجھے یاروں سے کہ ہیں دشمن جاں
ان کے ہاتھوں سے نہیں ملتی کسی طرح اماں

شکایتوں کی فہرست لمبی ہے۔۔۔ شاعر میرے مضمون چراتے ہیں، مجھ سے ہم چشمی کا دعویٰ کرتے ہیں، میرے کلام میں نقص تلاش کرتے ہیں، میرے شاگرد میرا کلام اپنے نام سے پڑھتے ہیں، روش صرف لکھنؤ والوں کا نہیں دلّی کے میرے شاگرد بھی ایسے ہی عمر و عیار تھے۔ اہل

لکھنؤ پہلے تو حریفانہ مقابلے پر آئے، آخر کار جب خلق میں ذلیل و رسوا ہونے لگے تو صلح پر آمادہ ہوئے۔ بالآخر میرے اشعار اہل لکھنؤ کی زبانوں پر جاری ہو گئے۔ ان واقعات کو محفوظ کرنے کے لیے میں نے یہ قصیدہ لکھا اور ''تیغ براں'' اس کا نام رکھا۔

اس قصیدے میں مصحفی نے اس زمانے کے کئی معروف شاعروں پر در پردہ چوٹ کی ہے۔ سبب صاف ظاہر ہے۔ لکھنؤ میں ان کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں ہوئی۔ ہر بڑے فن کار کو اپنے فن پر ناز اور اپنی عظمت کا احساس ہوتا ہی ہے۔ یہ احساس اسے یقین دلاتا ہے کہ دوسرے باکمال اس کے مقابلے میں فرومایہ ہیں۔ اس خیال کا اظہار بھی کہیں نہ کہیں ہو کے رہتا ہے۔ یہیں سے تصادم کا آغاز ہوتا ہے۔ جو اکثر معرکہ آرائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مصحفی کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی۔ دیوان قصائد میں انھوں نے کئی نامور شاعروں پر طنز کیا ہے۔ ان میں سے تین کا ذکر یہاں ضروری ہے۔ یہ ہیں سوداؔ، جرأتؔ اور انشا۔

سودا: مصحفی 1185ھ/1771ء میں پہلی بار لکھنؤ پہنچے۔ اس وقت یہاں ہر طرف سوداؔ کا نقارہ بج رہا تھا۔ ان کے دل میں بھی اس نامور شاعر کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ایک دن ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تذکرۂ ہندی میں اس ملاقات کا ذکر کرتے ہیں مگر صرف یہ بتاتے ہیں کہ انھیں کتے پالنے کا شوق تھا۔ (تذکرۂ ہندی/126)۔ یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ وہاں سے ناخوش لوٹے کیوں کہ اس بلند رتبہ شاعر نے ایک نو آموز کو توجہ کے قابل نہ سمجھا۔ یہیں سے ایک نوجوان شاعر کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ کہا جا سکتا ہے کہ لکھنؤ سے نامراد لوٹنے میں سودا کی عدم توجہی کو بھی دخل تھا۔

مصحفی دوسری بار 1198ھ/1784ء میں لکھنؤ پہنچے تو سودا کے انتقال کو تین برس ہو چکے تھے۔ مصحفی نے ''عقد ثریا'' کے نام سے شعرائے فارسی کا تذکرہ لکھنا تو سودا کی زندگی میں ہی شروع کر دیا تھا۔ جو ان کی وفات کے چار سال بعد مکمل ہوا۔ اس میں سودا کو 'مردکم علم' بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جاہل واہی ان کے کلام کے قدرداں ہیں (عقد ثریا/33)۔ اس کے تقریباً دس برس بعد تذکرۂ ہندی مکمل ہوا۔ اس میں سودا کو غزل میں صائب اور قصیدے میں خاقانی سے نسبت دی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا دیوان فرنگ و صفاہان تک پہنچا اور انھیں وہ شہرت نصیب

ہوئی جو کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ انھیں اردو میں قصیدے کا نقاش اول بھی تسلیم کیا گیا ہے لیکن دوسروں کے پردے میں سودا کی اغلاط، توارد اور سرقے کی طرف اشارے بھی کیے ہیں (دیکھیے تذکرۂ ہندی/125)۔ مصحفی نے سودا کی وفات کی تاریخ بھی نکالی اور بڑی حسرت کے ساتھ کہا کہ "اب سودا اور اس کا دلفریب کلام کہاں" (سودا کجا و آں سخن دل فریب او)۔ لیکن دل صاف نہیں ہوا۔ دواوین و غزلیات میں جا بجا سودا اور کلام سودا پر چوٹیں نظر آتی ہیں لیکن ہم ان سے قطع نظر کر کے صرف دیوان قصائد پر توجہ کریں گے۔

قصیدہ 38 میں سودا کے بارے میں کہتے ہیں:

سودا کے تئیں کہتے ہیں تھا شاعر مطلق — سو شاعری اس کی بھی بلیغوں پہ عیاں ہے
مضمون و معانی سے نہیں بہرہ کچھ اس کو — سچ پوچھو تو اردو کی فقط صاف زباں ہے
سو اس میں بھی تو غور سے دیکھے تو بہت جا — معنی ستم لفظ سے فریاد کناں ہے

قصیدہ 40 کے چند شعر یہ ہیں ۔

کہتے ہیں کہ سودا نہیں اس عہد میں ہے ہے — یہ حرف بھی کیا محض غلط رکھتا ہے تشہیر
سودا جو نہیں ہے تو نہ ہو میں تو ہوں بیٹھا — سودا کی جگہ مسند معنی پہ بہ توقیر
سودا سے قصیدہ میں کہا نغز یہی نہ — کچھ اس کے سوا اور تو میری نہیں تقصیر
آویں نہ کریں مجھ سے فن شعر میں پنجہ — سودا نہیں بیٹھے تو ہیں سودا کی جگہ میر

ان کے علاوہ دوسرے چند قصیدوں میں بھی سودا کا ذکر ملتا ہے

سودا تو یہاں کھیت رہا آدھی ہی رہ میں (قصیدہ 12)

مرزا ہی اڑے اور نہ یہاں میر ہوا پر (قصیدہ 19)

تلتا میں اس کے پلے میں ہوتا گرانوری
مرزا و میر سے مجھے کیا ہے برابری (قصیدہ 44)

ہو چکا دور میر اور مرزا
اب زمانے میں ہے مرا دورا (قصیدہ 11)

سودا کے شاگردوں کو یہ ناگوار گزرا اور ان کی طرف سے ناگواری کا اظہار ہونے لگا۔ مفسدوں کو شرارت کا موقع ہاتھ آیا اور بقول مصحفی کسی فریب کار نے سودا کی ہجو کہہ کر مصحفی کے نام سے منسوب کردی۔ مصحفی نے ایک قصیدے میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا:

ہے اس زمانے میں ایسا کوئی تو مغوی خام — کہ کہہ کے ذم کے سخن ضم کرے ہے میرے نام
سو نسبت ان کی جو ہیں سلسلے میں سودا کے — غریب و خانہ نشین و مہذب الاقلام
بس اتنے واسطے تا ہو کے وہ بر آشفتہ — جو جی میں آوے مرے حق میں کچھ کریں ارقام
غرض یہ طرفہ تماشا ہے آپ ہو روپوش — بخار دل سے نکالے ہے یوں وہ نافرجام
ولے میں ان کی بھی فہمید کا ہوں دیوانہ — اگر وہ سمجھیں بھلا ہے مری یہ طرز کلام

(قصیدہ63)

اسی قصیدے میں آگے چل کر فرماتے ہیں ''میں تو برسوں سے گوشہ گیر ہوں لیکن میرا شاگرد گرم کبھی اس طرف جاتا ہے تو شاہ کمال یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ سودا کے شاگرد تمھاری ہجو لکھ رہے ہیں مگر ابھی تک تو کسی نے مجھے کوئی پرزہ بھیجا نہیں۔ ملاحظہ ہوں یہ اشعار ؎

میں گوشہ گیر ہوں مدت سے پر یہ قہر سنو — کہ جب گیا ہے کبھی گرم اس طرف ناکام
لکھیں ہیں ہجو میاں مصحفی بہم یہ لوگ — دیا ہے بس یہی شاہ کمال نے پیغام
پر اب تلک تو نہ بھیجا کسی نے اک پرزہ — مری بلا سے لکھا یوں اگر قصیدہ تمام

لیکن یہ محض دھمکی نہیں تھی۔ سودا کے تلامذہ واقعی مصحفی کی ہجو لکھنے میں مصروف تھے اور اس میں جن اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے وہ مصحفی کے اس دیوان میں موجود ہیں۔ مصحفی کے الزام کے مطابق کسی مفسد نے سودا کے خلاف ہجو یہ اشعار کہہ کے مصحفی کے نام سے منسوب کیے ہوتے تو اس کے کسی اعتراض کا اس ہجو یہ قصیدہ میں ذکر ہوتا۔ اس ہجو یہ قصیدے کا مصنف سودا کا کوئی شاگرد ہے۔ قاضی عبدالودود کا ارشاد ہے کہ یہ شاگرد مرزا احسن ہو سکتے ہیں مگر وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پیش خدمت ہیں اس قصیدے کے چند اشعار:

کیا حضرت سودا نے کی اے مصحفی تقصیر — کرتا ہے جو ہجو اس کی تو ہر صفحے میں تحریر
سودا کے تئیں کہتے ہیں تھا شاعرِ مغلق — کیا مصرع بے ربط کیا تو نے یہ تحریر
سودا کو کوئی شاعرِ مغلق نہیں کہتا — مذکور جہاں آئے ہے سودا کا بہ تذکیر
اے مصحفی جانے ہے تو اپنا جسے دیواں — نفرینِ خلائق کی ہے گویا کہ وہ جاگیر
مضمون و معانی سے نہیں بہرہ کچھ اس کو — کٹیو وہ زباں جس سے تو کرتا ہے یہ تقریر
سودا کی جگہ پر تو زباں اپنی سے کیسا — جا بیٹھا، وہ گویا ترے بابا کی تھی جاگیر

سودا مصحفی کے ہم عصر تھے، نہ ہم رتبہ۔ دونوں کی عمروں میں کم سے کم پینتالیس سال کا تفاوت تھا۔ اقلیم سخن ایک مدت سے سودا کے زیر نگیں تھی۔ ان کے نخوت نے ایک نومشق کو خاطر میں لانا گوارا نہ کیا۔ ادھر یہ نوعمر شاعر اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ اور بے پناہ صلاحیتوں سے بہر مند تھا۔ اسی کا ایک شعر ہے:

نخوت سے جو کوئی پیش آیا
کج اپنی کلاہ ہم نے کر لی

اس کی کلاہ ساری زندگی کج ہی رہی مگر یہ سودا مہنگا پڑا۔

جرأت: مصحفی جب دوسری بار لکھنؤ پہنچے تو احد علی یکتا کے بیان کے مطابق وہاں جرأت کا دور دورہ تھا اور تمام اہل لکھنؤ ان کے طرز کے دلدادہ تھے۔ مصحفی نے دیکھا کہ کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو جرأت اور ان کے تلامذہ کی فوج کے تن تنہا مقابل آئے۔ آخر کار ان سے زیادہ شاگردوں کی فوج ان کے گرد جمع ہوگئی۔ بیس سال اسی نزاع و مخاصمت کے ساتھ لکھنؤ میں گزارے اور ان سے زیادہ شہرت و ناموری حاصل کی۔ (دستور الفصاحت/94)

مصحفی کے قصیدے ''تیغ برّاں''(35) کا ذکر اوپر گزرا ہے۔ اس قصیدے کے کئی شعروں میں جرأت اور دیگر ہم عصروں پر در پردہ چوٹ کی گئی ہے۔ اس کے دو شعر یہ ہیں:

بعضے کچھ سوچ کے آ کر ہوئے میرے ہمدم — بعضے بھٹکے رہے پھر ہاتھ میں لے تیر و کماں
بعضے بے خبری سے خاطر میں نہ لائے مجھ کو — جی ہی جی میں گئے بعضے سمجھ انداز بیاں

لکھنؤ پہلے تو حریفانہ مقابلے پر آئے، آخر کار جب خلق میں ذلیل و رسوا ہونے لگے تو صلح پر آمادہ ہوئے۔ بالآخر میرے اشعار اہلِ لکھنؤ کی زبانوں پر جاری ہو گئے۔ ان واقعات کو محفوظ کرنے کے لیے میں نے یہ قصیدہ لکھا اور ''تیغ بزاں'' اس کا نام رکھا۔

اس قصیدے میں مصحفی نے اس زمانے کے کئی معروف شاعروں پر در پردہ چوٹ کی ہے۔ سبب صاف ظاہر ہے۔ لکھنؤ میں ان کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں ہوئی۔ ہر بڑے فن کار کو اپنے فن پر ناز اور اپنی عظمت کا احساس ہوتا ہی ہے۔ یہ احساس اسے یقین دلاتا ہے کہ دوسرے باکمال اس کے مقابلے میں فرومایہ ہیں۔ اس خیال کا اظہار بھی کہیں نہ کہیں ہو کے رہتا ہے۔ یہیں سے تصادم کا آغاز ہوتا ہے۔ جو اکثر معرکہ آرائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مصحفی کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی۔ دیوان قصائد میں انھوں نے کئی نامور شاعروں پر طنز کیا ہے۔ ان میں سے تین کا ذکر یہاں ضروری ہے۔ یہ ہیں سوداؔ، جرأتؔ اور انشا۔

سودا: مصحفی 1185ھ/1771ء میں پہلی بار لکھنؤ پہنچے۔ اس وقت یہاں ہر طرف سوداؔ کا نقارہ بج رہا تھا۔ ان کے دل میں بھی اس نامور شاعر کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ایک دن ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تذکرۂ ہندی میں اس ملاقات کا ذکر کرتے ہیں مگر صرف یہ بتاتے ہیں کہ انھیں کتے پالنے کا شوق تھا۔ (تذکرۂ ہندی/126)۔ یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ وہاں سے ناخوش لوٹے کیوں کہ اس بلند رتبہ شاعر نے ایک نوآموز کو توجہ کے قابل نہ سمجھا۔ یہیں سے ایک نوجوان شاعر کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ کہا جا سکتا ہے کہ لکھنؤ سے نامراد لوٹنے میں سودا کی عدم توجہی کو بھی دخل تھا۔

مصحفی دوسری بار 1198ھ/1784ء میں لکھنؤ پہنچے تو سودا کے انتقال کو تین برس ہو چکے تھے۔ مصحفی نے ''عقد ثریا'' کے نام سے شعرائے فارسی کا تذکرہ لکھنا تو سودا کی زندگی میں ہی شروع کر دیا تھا۔ جو ان کی وفات کے چار سال بعد مکمل ہوا۔ اس میں سودا کو ''مردِ کم علم'' بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جاہل و امی ان کے کلام کے قدردان ہیں (عقد ثریا/33)۔ اس کے تقریباً دس برس بعد تذکرۂ ہندی مکمل ہوا۔ اس میں سودا کو غزل میں صائب اور قصیدے میں خاقانی سے نسبت دی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا دیوان فرنگ و صفاہان تک پہنچا اور انھیں وہ شہرت نصیب

ہوئی جو کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ انھیں اردو میں قصیدے کا نقاش اول بھی تسلیم کیا گیا ہے لیکن دوسروں کے پردے میں سودا کی اغلاط، توارد اور سرقے کی طرف اشارے بھی کیے ہیں (دیکھیے تذکرۂ ہندی/125)۔ مصحفی نے سودا کی وفات کی تاریخ بھی نکالی اور بڑی حسرت کے ساتھ کہا کہ "اب سودا اور اس کا دلفریب کلام کہاں" (سودا کجا و آں سخن دل فریب او)۔ لیکن دل صاف نہیں ہوا۔ دواوین و غزلیات میں جا بجا سودا اور کلام سودا پر چوٹیں نظر آتی ہیں لیکن ہم ان سے قطع نظر کر کے صرف دیوان قصائد پر توجہ کریں گے۔

قصیدہ 38 میں سودا کے بارے میں کہتے ہیں:

سودا کے تئیں کہتے ہیں تھا شاعر مغلق — سو شاعری اس کی بھی بلیغوں پہ عیاں ہے
مضمون و معانی سے نہیں بہرہ کچھ اس کو — سچ پوچھو تو اردو کی فقط صاف زباں ہے
سو اس میں بھی تو غور سے دیکھے تو بہت جا — معنی ستم لفظ سے فریاد کناں ہے

قصیدہ 40 کے چند شعر یہ ہیں۔

کہتے ہیں کہ سودا نہیں اس عہد میں ہے ہے — یہ حرف بھی کیا محض غلط رکھتا ہے تشہیر
سودا جو نہیں ہے تو نہ ہو میں تو ہوں بیٹھا — سودا کی جگہ مسند معنی پہ بہ توقیر
سودا سے قصیدہ میں کہا نغز یہی نہ — کچھ اس کے سوا اور تو میری نہیں تقصیر
آویں نہ کریں مجھ سے فن شعر میں پنجہ — سودا نہیں بیٹھے تو ہیں سودا کی جگہ میر

ان کے علاوہ دوسرے چند قصیدوں میں بھی سودا کا ذکر ملتا ہے

سودا تو یہاں کھیت رہا آدھی ہی رہ میں (قصیدہ 12)
مرزا ہی اڑے اور نہ یہاں میر ہوا پر (قصیدہ 19)
تلتا میں اس کے پلے میں ہوتا گرانوری
مرزا و میر سے مجھے کیا ہے برابری (قصیدہ 44)
ہو چکا دور میر او ر مرزا
اب زمانے میں ہے مرادورا (قصیدہ 11)

سودا کے شاگردوں کو یہ ناگوار گزرا اور ان کی طرف سے ناگواری کا اظہار ہونے لگا۔ مفسدوں کو شرارت کا موقع ہاتھ آیا اور بقول مصحفی کسی فریب کار نے سودا کی ہجو کہہ کر مصحفی کے نام سے منسوب کر دی۔ مصحفی نے ایک قصیدے میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا:

ہے اس زمانے میں ایسا کوئی تو مغوی خام — کہ کہہ کے ذم کے سخن ضم کرے ہے میرے نام
سو نسبت ان کی جو ہیں سلسلے میں سودا کے — غریب و خانہ نشین و مہذب الاقلام
بس اتنے واسطے تا ہو کے وہ بر آشفتہ — جو جی میں آوے مرے حق میں کچھ کریں ارقام
غرض یہ طرفہ تماشا ہے آپ ہو روپوش — بخار دل سے نکالے ہے یوں وہ نافرجام
ولے میں ان کی بھی فہمید کا ہوں دیوانہ — اگر وہ سمجھیں بھلا ہے مری یہ طرز کلام

(قصیدہ 63)

اسی قصیدے میں آگے چل کر فرماتے ہیں "میں تو برسوں سے گوشہ گیر ہوں لیکن میرا شاگرد گرم کبھی اس طرف جاتا ہے تو شاہ کمال یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ سودا کے شاگرد تمھاری ہجو لکھ رہے ہیں مگر ابھی تک تو کسی نے مجھے کوئی پرزہ بھیجا نہیں۔ ملاحظہ ہوں یہ اشعار ـــ

میں گوشہ گیر ہوں مدت سے پر یہ قہر سنو — کہ جب گیا ہے کبھی گرم اس طرف ناکام
لکھیں ہیں ہجو میاں مصحفی بہم یہ لوگ — دیا ہے بس یہی شاہ کمال نے پیغام
پر اب تلک تو نہ بھیجا کسی نے اک پرزہ — مری بلا سے لکھا یوں اگر قصیدہ تمام

لیکن یہ محض دھمکی نہیں تھی۔ سودا کے تلامذہ واقعی مصحفی کی ہجو لکھنے میں مصروف تھے اور اس میں جن اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے وہ مصحفی کے اس دیوان میں موجود ہیں۔ مصحفی کے الزام کے مطابق کسی مفسد نے سودا کے خلاف ہجویہ اشعار کہہ کے مصحفی کے نام سے منسوب کیے ہوتے تو اس کے کسی اعتراض کا اس ہجویہ قصیدہ میں ذکر ہوتا۔ اس ہجویہ قصیدے کا مصنف سودا کا کوئی شاگرد ہے۔ قاضی عبدالودود کا ارشاد ہے کہ یہ شاگرد مرزا احسن ہو سکتے ہیں مگر وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پیش خدمت ہیں اس قصیدے کے چند اشعار:

کیا حضرت سودا نے کی اے مصحفی تقصیر کرتا ہے جو ہجو اس کی تو ہر صفحے میں تحریر
سودا کے تئیں کہتے ہیں تھا شاعر مغلق کیا مصرع بے ربط کیا تو نے یہ تحریر
سودا کو کوئی شاعر مغلق نہیں کہتا مذکور جہاں آئے ہے سودا کا بہ تذکیر
اے مصحفی جانے ہے تو اپنا جسے دیواں نفرینِ خلائق کی ہے گویا کہ وہ جاگیر
مضمون و معانی سے نہیں بہرہ کچھ اس کو کٹیو وہ زباں جس سے تو کرتا ہے یہ تقریر
سودا کی جگہ پر تو زباں اپنی سے کیسا جا بیٹھا، وہ گویا ترے بابا کی تھی جاگیر

سودا مصحفی کے ہم عصر تھے، نہ ہم رتبہ۔ دونوں کی عمروں میں کم سے کم پینتالیس سال کا تفاوت تھا۔ اقلیم سخن ایک مدت سے سودا کے زیر نگیں تھی۔ ان کے نخوت نے ایک نومشق کو خاطر میں لانا گوارا نہ کیا۔ ادھر یہ نوعمر شاعر اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ اور بے پناہ صلاحیتوں سے بہرہ مند تھا۔ اسی کا ایک شعر ہے:

نخوت سے جو کوئی پیش آیا
کج اپنی کلاہ ہم نے کر لی

اس کی کلاہ ساری زندگی کج ہی رہی مگر یہ سودا مہنگا پڑا۔

جرأت: مصحفی جب دوسری بار لکھنؤ پہنچے تو احد علی یکتا کے بیان کے مطابق وہاں جرأت کا دور دورہ تھا اور تمام اہل لکھنؤ ان کے طرز کے دلدادہ تھے۔ مصحفی نے دیکھا کہ کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو جرأت اور ان کے تلامذہ کی فوج کے تن تنہا مقابل آئے۔ آخرکار ان سے زیادہ شاگردوں کی فوج ان کے گرد جمع ہوگئی۔ بیس سال اسی نزاع و مخاصمت کے ساتھ لکھنؤ میں گزارے اور ان سے زیادہ شہرت و ناموری حاصل کی۔ (دستور الفصاحت/94)

مصحفی کے قصیدے ''تیغ برّاں'' (35) کا ذکر اوپر گزرا ہے۔ اس قصیدے کے کئی شعروں میں جرأت اور دیگر ہم عصروں پر در پردہ چوٹ کی گئی ہے۔ اس کے دو شعر یہ ہیں:

بعضے کچھ سوچ کے آکر ہوئے میرے ہمدم بعضے بھٹکے رہے پھر ہاتھ میں لے تیر و کماں
بعضے بے خبری سے خاطر میں نہ لائے مجھ کو جی ہی جی میں گئے بعضے سمجھ انداز بیاں

نسخۂ رامپور میں پہلے شعر کے مصرع اول میں بعضے کے نیچے ''کنایہ بہ میر حسن'' مصرع ثانی میں بعضے کے نیچے ''کنایہ بہ جرأت'' اور دوسرے شعر کے مصرع اول میں بعضے کے نیچے ''کنایہ بہ اہل دول'' مصرع ثانی میں بعضے کے نیچے ''کنایہ جرأت'' لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہے یہ الفاظ مصحفی کے نہ ہوں اور کاتب نے از خود لکھ دیے ہوں مگر اتنا واضح ہو جاتا ہے کہ جرأت سے چشمک کا قصہ ہر طرف عام تھا۔ اسی قصیدے میں چند شعر اور ہیں جن میں در پردہ جرأت پر طنز کیا گیا ہے۔ تیسرے دیوان کی ایک غزل کا شعر ہے:

گر چو چلا بھی ہو تو میاں سوز کا سا ہو
کس کام کی وگرنہ چھنالے کی شاعری

یہاں جرأت کا نام تو نہیں لیا گیا لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ ''چھنالے کی شاعری'' کہہ کر جرأت کی معاملہ بندی پر چوٹ کی گئی ہے۔

مصحفی کے بیان کے مطابق ایک اور ایسا واقعہ پیش آیا جس نے انھیں جرأت سے بدظن کر دیا۔ امام بخش کشمیری کے دل میں شاعروں کا ایک تذکرہ ترتیب دینے کا خیال پیدا ہوا۔ اس وقت مصحفی کا تذکرۂ ہندی زیر ترتیب تھا۔ امام بخش نے اس کا مسودہ مستعار مانگا اور مصحفی نے دے دیا۔ انھوں نے چپ چاپ حقیقت سے اسے نقل کرا لیا۔ مصحفی کو پتہ چلا تو ان دونوں کے علاوہ جرأت سے بھی خفا ہو گئے اور ان کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا کہ یہ اندھا میری ہمسری کی فکر میں مرا جاتا ہے اور اپنے دل میں ہمیشہ کینے کا بیج بوتا رہتا ہے۔ (تذکرۂ ہندی/86)
جرأت کا قصور صرف اتنا تھا کہ امام بخش کو اپنے بچوں کے لئے ایک اتالیق اور تذکرے کے لئے نقل نویس کی ضرورت تھی۔ انھوں نے حقیقت کو اس خدمت کے لیے پیش کر دیا۔

مصحفی نے تذکرۂ ہندی میں ایک ایسا واقعہ بیان کیا ہے۔ جس سے جرأت و مصحفی کی دوستی و یگانگت کا ثبوت ملتا ہے۔ مصحفی کے شاگرد علی اکبر ایک دن اپنا کلام اصلاح کے لیے لائے۔ ان دنوں مصحفی شاعری اور اصلاح سخن دونوں سے بیزار تھے۔ انھوں نے جرأت سے اصلاح لینے کی صلاح دی۔ جرأت نے کہا میری اور مصحفی کی دوستی ہے۔ ان کا رقعہ لے کر آؤ گے تب شاگردی میں قبول کروں گا۔ مصحفی نے رقعہ لکھ دیا۔ (تذکرۂ ہندی/25)

انشا و مصحفی میں پہلی بگاڑ کے بعد صلح جرأت اور اختر نے ہی کرائی تھی۔ اسی دیوان کے ایک قصیدے میں جرأت کے کلام کو سراہا گیا ہے اور ان کا ایسی محبت و یگانگت سے ذکر کیا گیا ہے گویا دونوں یک جان دو قالب ہیں۔ دیکھیے:-

مصحفی کو کوئی جرأت سے جدا مت جانو　ہیں فن شعر میں البتہ یہ ہم دونوں ایک
اور طبیعت کی بھی آپس میں یہ سنجش ہے صریح　جیسے پلڑے ہوں ترازو کے بہم دونوں ایک
اونچ نیچ ان میں اگر ہو تو تفاوت نہ سمجھ　قاعدہ ان کا ہے یوں رہتے ہیں کم دونوں ایک
شعر کی قدر پہ موقوف ہے بیشی و کمی　ورنہ معنی میں ہیں یہ اہل قلم دونوں ایک
ان کی شہرت کا ہے پامال حسد اک عالم　اہل کاوش سے اٹھاتے ہیں ستم دونوں ایک

(قصیدہ 58)

جرأت کا انتقال ہوا تو مصحفی نے قطعۂ تاریخ وفات کہا جو چھٹے دیوان میں شامل ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک دل پوری طرح صاف ہو چکا تھا اور سارے گلے شکوے جاتے رہے تھے۔ قطعہ یہ ہے:

جب قلندر بخش جرأت مر گیا　ریختے کے خوں نے کھایا دل میں جوش
ہوگئی تختہ دکانِ نظمِ شعر　اٹھ گیا بازار سے گوہر فروش
سالِ رحلت اس کے بعد از یک دو ماہ　مصحفی سے کہہ گیا پھر یوں سروش
سو وہ ہے یہ مصرع بے بیش و کم　ہوگئی کیا بلبلِ نالاں خموش

یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ دونوں کے تعلقات کس زمانے میں اچھے رہے اور کس زمانے میں خراب۔ مصحفی کی نثر و نظم کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دھوپ چھاؤں کی سی کیفیت رہی۔ کبھی خوش ہیں کبھی ناخوش۔ ایک خاص بات اور۔ جرأت کے قلم سے مصحفی کے خلاف کبھی ایک حرف بھی نہیں نکلا۔ زبانی کبھی کچھ کہہ گزرتے ہوں تو اس کا پتا نہیں۔ دراصل لکھنؤ کے عیش پرستانہ ماحول نے مذاقِ شاعری کو حد درجہ پست کر دیا تھا۔ جرأت ادنیٰ درجے کی معاملہ بندی کے شاعر تھے۔ ان کے کلام کو میر ''چوما چاٹی کی شاعری'' اور مصحفی ''چھنالے کی شاعری'' کہتے تھے۔ مگر کیا کیا جائے لکھنؤ کے ماحول میں اسی کی قدر تھی۔ جرأت کا کلام مشاعرے لوٹ لیتا تھا اور عوام و

خواص انھیں کے شعروں کے گرویدہ تھے۔ جرأت کے ہم عصروں کو ان کی یہ مقبولیت گراں گزرتی ہوگی۔ کوئی بات تو تھی کہ مصحفی جرأت کے رنگِ سخن سے بیزار ہونے کے باوجود ان کے رنگ میں رنگتے چلے گئے۔ جرأت کے خلاف انھوں نے جو کچھ کہا ممکن ہے اس کی تہہ میں رقابت کا جذبہ کارفرما ہو۔

انشا: مرزا سلیمان شکوہ، بادشاہ دہلی، شاہ عالم کے فرزند تھے۔ 1205ھ/1791ء میں دہلی سے لکھنؤ پہنچے۔ ایک چھوٹا سا دربار آراستہ ہوگیا۔ مشاعروں کی محفلیں آراستہ ہونے لگیں۔ پہلے انشاء پھر ان کی تحریک پر مصحفی اس سرکار سے وابستہ ہوگئے۔ ایک مشاعرے میں مصحفی نے عرضِ ہنر کے طور پر ایک مشکل زمین میں غزل پڑھی ''سر مشک کا تیرا ہے تو کافور کی گردن'' انشا نے بھی جواب میں غزل کہی جس کا ایک شعر تھا:

آئینے کی گر سیر کرے شیخ تو دیکھے
سر خرس کا، منہ خوک کا، لنگور کی گردن

شیخ و محتسب ہمیشہ شعرا کے طنز و تعریض کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ شاید انشا نے بھی روایتی انداز میں شیخ کو ہجو کا نشانہ بنایا ہے۔ لیکن مفسدوں نے مشہور کر دیا کہ اشارہ مصحفی کی طرف ہے۔ پھر انشا نے ایک قطعے میں مصحفی کی غزل پر اعتراضات کیے۔ انھوں نے ایک غزل میں مدلل جواب دیے اور دعویٰ کیا کہ:

ٹوٹے ہوئے نیچے کی طرح میرے قلم سے
جاتی ہے پچک شاعر مغرور کی گردن

اور شہزادے سے انصاف کی درخواست کی:

انصاف کیا اس کا میں اب شہ کے حوالے
جھکتی ہے جہاں مار کی اور مور کی گردن

اور یہ کہہ کر غزل کو ختم کر دیا کہ ''اے مصحفی، خامش یہ سخن طول نہ کھینچ جائے''۔ لیکن بات طول پکڑ چکی تھی۔ شہزادے سے انصاف کی توقع عبث تھی۔ وہ خود اس معرکے میں دلچسپی لے رہے تھے اور اسی زمین میں ایک غزل کہہ چکے تھے۔ ظاہر ہے وہ اپنے استاد انشا کے طرفدار

تھے۔ سعادت خاں ناصر نے تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا میں لکھا ہے کہ آخر کار خود انشا نے صلح کا پیغام بھیجا۔ اس کی تصدیق ''منتظر'' شاگردِ مصحفی بھی کرتے ہیں:

بے فائدہ کرتا ہے تو اب صلح کا پیغام ایسا ہے کیا منتظرِ زار نے بدنام
جس سے کہ تری عقل ہی بولا گئی بھڑ دے

اندازہ ہوتا ہے کہ بات بڑھ چکی تھی اور دونوں کے شاگرد بھی میدان میں اتر آئے تھے۔ آخر جرأت اور اکبر علی اختر نے بیچ میں پڑ کر صلح صفائی کرادی۔

مصحفی کی غزل پر انشا کے اعتراضات نہ تو بر بنائے عداوت تھے نہ اس کے پیچھے رشک و رقابت کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ دراصل شوخی، شرارت، چھیڑ چھاڑ انشا کا مزاج تھا۔ اس زمانے کے تذکرہ نگار سرور اور قاسم بھی اسی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ مصحفی جتنے سنجیدہ مزاج تھے، انشا اتنے ہی شوخ طبع واقع ہوئے تھے (انشا: میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع، میرا تیرا میل نہیں) واقعی دونوں کا نباہ دشوار تھا۔

کچھ دنوں بعد مصحفی نے ایک اور غزل پڑھی:

زہرہ کی جب آئی کفِ ہاروت میں انگلی
کی اشک نے جا دیدۂ ماروت میں انگلی

انشا شرارت سے باز آنے والے کب تھے۔ انھوں نے وہیں منہ پھیر کے مطلع کو الٹ دیا:

زہرہ کی گئی کب کفِ ہاروت میں انگلی
کب اشک نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی

مصحفی کا مقطع تھا:

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ
تھی اس کی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

انشا نے اسے یوں بدل دیا:

تھا مصحفی کانا کہ چھپانے کو پس از مرگ
تھی اس کی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

انشا نے اسی ردیف و قافیے میں کئی رکیک شعر بھی کہے۔ بس پھر کیا تھا دونوں طرف سے پے در پے وار ہونے لگے۔ بقول آزاد مصحفی کے جلوس کے جواب میں اور ناصر کی اطلاع کے مطابق بطورِ خود انشا نے اپنے حامیوں کی مدد سے شہر میں ایک زبردست جلوس نکالا جس میں ہاتھی بھی شامل تھے۔ ہاتھی سواروں کے ہاتھوں میں گڈے گڑیاں تھے۔ انھیں لڑاتے اور یہ شعر پڑھتے چلے جاتے تھے۔

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخِ کہن   لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن

جلوس مصحفی کے مکان کے نزدیک پہنچا تو ان کے شاگرد مرنے مارنے پر آمادہ ہوئے۔ استاد نے سمجھایا کہ اس وقت نواب آصف الدولہ لکھنؤ میں موجود نہیں ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں فساد برپا کرنے کا الزام ہمارے سر آئے گا۔ لیکن جلوس کے بعد مصحفی نے شدید تر جوابی حملہ کرنا چاہا اور انشا کے جلوس سے بڑا جلوس ترتیب دینے کا ارادہ کیا جسے شہزادے کے اشارے پر کوتوال نے روک دیا۔ مصحفی نے سرِ محفل جوابی ہجو پڑھنی چاہی تو حریفوں کو یہ بھی گوارہ نہ ہوا۔ ایک شعر میں اس کی شکایت کی ہے:

اگر جواب دہی کا ادھر سے ساماں ہو
تو یہ ڈرائے کہ ہے شاہزادے کا دربار

رؤسائے شہر اور خاص طور پر شہزادے کی جانب داری سے مصحفی بہت دل برداشتہ ہوئے۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ انشا کو اربابِ اختیار کی ایسی سرپرستی حاصل ہے کہ وہ جو چاہیں کریں لیکن ان کے خلاف کچھ کرنا آسان نہیں۔ اس کے بعد کی روداد اس دیوان قصائد سے معلوم ہو جاتی ہے۔ مجبور ہو کر انھوں نے شہزادے کو منانے کی کوشش کی۔ قصیدہ 48 کے آخر میں فرماتے ہیں:

مصحفی اب یہ عرض کرتا ہے ؎

مصحفی اب یہ عرض کرتا ہے   بوسہ دے کر بر آستانِ حضور
یعنی وہ ماجرا کہ ہو گزرا   شہر میں اس کا اب ہے یہ مذکور
شاعری مصحفی کی ان روزوں   گر گئی بلکہ از نگاہِ حضور

اس سے میرے بھی دل کو ہے یہ ملال   کہ کروں کیوں کہ اپنی خفت دور
فکر درہم ، حواس مختل ہیں   نظم معنی میں آگیا ہے قصور
ہاں مگر لطف شہ جو چاہے تو پھر   اک نگہ میں مجھے کرے مسرور

مگر شہزادے کی ناراضی دور نہ ہوئی اور انھوں نے مصحفی کی درخواست پر قطعاً توجہ نہ کی۔ قصیدہ میں نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کرتے ہیں:

خطائے خصم نہیں کچھ، یہ بخت کا ہے قصور
کہ مجھ سے طورِ نختیں نہیں مزاجِ حضور

قصیدہ 52 میں قسمیں کھا کھا کر اپنی بے گناہی کا یقین دلاتے ہیں:

قسم بذاتِ خدا ے کہ ہے سمیع و بصیر
کہ مجھ سے خدمتِ شہ میں ہوئی نہیں تقصیر

اس قصیدے میں شکایت کرتے ہیں کہ شہر میں گلی گلی مری رسوائی ہوئی۔ آپ ایسے سادہ مزاج واقع ہوئے ہیں کہ جس نے جو کہہ دیا اس پر یقین کرلیا۔ اور ''یہ افترا ہے بنایا ہوا سب انشا کا'' مجھ پر سوانگ کا الزام بے بنیاد ہے۔ اگر ثابت ہوجائے کہ میں اس کا بانی ہوں تو مجھے بد ترین سزا دیجیے۔ میں فاقہ کش اس کی استطاعت کہاں رکھتا ہوں۔ آخر میں دھمکی بھی دیتے ہیں کہ:

گر اس پہ صلح کی ٹھہری زہے تو صلح سہی
اگر ہو پھیر شرارت، بشر ہوں میں بھی شریر

اس پر بھی سنوائی نہ ہوئی تو مصحفی نے بددل ہو کر لکھنؤ چھوڑنے کا ارادہ کرلیا۔ ایک مسدس کا بند ہے ؎

جاتا ہوں ترے در سے کہ توقیر نہیں یاں   کچھ اس کے سوا اب مری تدبیر نہیں یاں
کوچے سے نکل کر میں ترے نالہ کروں گا   معلوم ہوا اب مجھے تاثیر نہیں یاں
اے مصحفی بےلطف ہے اس شہر میں رہنا
سچ ہے کہ کچھ انسان کی توقیر نہیں یاں

شہزادے تو لکھنؤ میں نواب وزیر کے مہمان تھے۔ وہاں اصل حیثیت تو اودھ کے حکمران یعنی نواب آصف الدولہ کی تھی۔ معرکہ آرائی کے وقت وہ لکھنؤ میں موجود نہیں تھے۔ واپس آئے تو مصحفی نے ان سے فریاد کی اور ایک مخمس میں سارا مقدمہ نواب کے روبرو پیش کر دیا۔ پہلا بند یہ ہے:

اول تو مدح گوئے پیمبر ہے مصحفی　　پھر نغمہ سنج مدحتِ حیدر ہے مصحفی
مسکیں فقیر ہے ، نہ تونگر ہے مصحفی　　ملکِ سخن کا صاحب افسر ہے مصحفی
سب جانتے ہیں اس کو کہ بے شر ہے مصحفی

اس میں کہا ہے کہ میں نے شہزادے کی ہجو نہیں کی۔ یہ مجھ غریب پر انشا کا افترا ہے۔ اگر اس شہر میں یہی سب کچھ ہوتا رہا تو ''اہل کمال کا ہے کو کوئی رہے گا یاں''۔ نواب نے کس طرح مقدمے کی چھان بین کی، یہ نہیں معلوم مگر انھوں نے انشا کو لکھنؤ چھوڑنے کا حکم دیا۔ یہ کوئی معمولی سزا نہ تھی۔ انھیں لکھنؤ میں عیش وعشرت کی زندگی میسر تھی۔ یوں بھی لکھنؤ کی زندگی فارغ البالی کی زندگی تھی۔ انشا اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکے۔ ان کے کلیات میں بحر طویل میں کہے گئے دو فارسی شعر موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انشا کو لکھنؤ چھوڑنے کی کتنی تکلیف تھی۔ ان شعروں میں کہا گیا ہے کہ خدا کی قسم یہ ساری شرارت مصحفی کی ہے جس نے میرے خلاف ہجو گوئی کا آغاز کیا اور مجھ نجیب الطرفین سید زادے کو دشنام کا نشانہ بنایا۔ پھر اس تکلیف کا ذکر ہے جو ان کے دل کو پہنچی اور آخر میں دشنام طرازیاں۔

خلاصہ اس معرکے کا یہ ہے کہ آغاز انشا نے کیا۔۔۔ کسی بغض و حسد کے سبب نہیں بلکہ اپنے ظریفانہ مزاج سے مجبور ہو کر اور محض تفریح طبع کے لئے۔ مصحفی اور ان کے شاگردوں نے سخت تر جوابی حملہ کیا۔ مصحفی کے شاگرد منتظر اور گرم بہت طرار اور بقول آزاد چلتے طمنچے تھے۔ ان کی ہجویں زیادہ دھاردار ہیں۔ رہی بات انشا کے سوانگ کی تو اس کی حیثیت ایک کھیل تماشے سے زیادہ نہ تھی۔ لکھنؤ کے بےفکروں کی بھیڑ اس میں اکٹھا ہوئی تو ایسے ہی جیسے میلوں ٹھیلوں میں ہوتی ہے۔ اس میں جو شعر پڑھا گیا (سوانگ نیا لایا ہے۔۔۔) اس میں شاعری تو درکنار، سلیقے کی ہجو بھی نظر نہیں آتی اور بقول غالب دشنام کو بھی سلیقہ درکار ہے۔ غرض میدان مصحفی کے ہاتھ رہا۔

ایک شعر میں خود مصحفی نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

ہوا مصحفی سے فروسر عدو کا
سنبھالی نہ فربہ نے لاغر کی ٹکر

مصحفی مکرو ریا سے خالی صاف دل رکھتے تھے، ان کا ایک شعر ہے:

کسی سے رکھتا نہیں مصحفی میں دل میں غبار
کہ مثلِ آئینہ عالم ہے یاں صفائی کا

انشا اس دنیا میں نہ رہے تو انھیں کس محبت سے یاد کیا:

مصحفی کس زندگانی پر بھلا میں شاد ہوں
یاد ہے مرگِ قتیل و مردنِ انشا مجھے

اور یہاں ہمیں یہ بات یاد آتی ہے کہ انشا ایسے غیر سنجیدہ اور مصحفی اتنے نازک مزاج نہ ہوتے تو اردو شاعری کی تاریخ میں عہد انشا مصحفی کی کچھ اور ہی شان ہوتی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اس دیوان قصائد میں حیات مصحفی سے متعلق کیسی اہم معلومات محفوظ ہیں اور عہد مصحفی کی کتنی جیتی جاگتی تصویریں اس دیوان کے آئینہ خانے میں نظر آتی ہیں۔ اور اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان قصائد کے فن پر بھی مختصر سی گفتگو کر لی جائے۔

قصائدِ مصحفی کا فنی مطالعہ:

مصحفی کو اپنی قصیدہ نگاری پر بہت ناز ہے۔ وہ خود کو انوری کا ہم پلہ ٹھہراتے ہیں (تلتا میں اس کے پلے میں ہوتا گر انوری) اور اپنی شاعری کے مقابل سودا کے بازار کو سرد جانتے ہیں (سودا کا تو سرد ہو چکا ہے بازار۔۔۔اب بزمِ سخن ہے مرے دم سے گلزار) تعلی میں مبالغہ آرائی تو ہوتی ہی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ مصحفی ایک کامیاب قصیدہ نگار ہیں۔ انھوں نے بڑی تعداد میں قصیدے کہے اور ان میں سے کئی ایسے ہیں جو قصائد سودا کے ہم پلہ ہیں۔

اس دیوان کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ اس میدان میں وہ ہمہ رنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور مختلف اسالیب سے کام لیتے ہیں۔ کہیں زبان سادہ سہل اور ایسی رواں ہے کہ آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ کہیں فارسی کا غلبہ ہے تو کہیں فارسی و ہندی گھل مل گئی ہیں۔ کہیں اس زمانے

کی ریت کے مطابق بحریں طویل، زمینیں مشکل اور قافیہ و ردیف سنگلاخ اختیار کئے گئے ہیں، کہیں چھوٹی، بحریں اور سہل قافیے ہیں اور کچھ قصیدے تو غیر مردف بھی ہیں۔ مندرجہ ذیل فہرست سے اس رنگارنگی کا اندازہ ہوگا:

جو ہاتھ آتا ہے مرے یکسر گریباں، آستیں، دامن (قصیدہ 3)
ہو کے آپس میں میں چہ روز اور چہ شب چاروں ایک (قصیدہ 43)
ہے لعل اشک کا جو مرے سنگ، رنگ، ڈھنگ (قصیدہ 56)
کرے نہ کیوں کہ زمیں رشک گلستاں نوروز (قصیدہ 49)
ہو چکا دور میر اور مرزا (قصیدہ 11)
کون ہوں میں خدائگان سخن (قصیدہ 50)

ہر قصیدے سے ان کی قادرالکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ زمین مشکل ہو کہ آسان ان کا قلم ہر جگہ یکساں مہارت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ فارسی زبان و ادب کی تعلیم انھوں نے بڑی تندہی سے حاصل کی تھی۔ اساتذہ کے کلام کا بہت توجہ سے مطالعہ کیا تھا اور شعر گوئی کی مشق بہت تسلسل کے ساتھ کی تھی۔ اس لیے اظہار پر مکمل قدرت حاصل ہو گئی تھی۔ ان کے شعری کارنامے کا ابھی تک پوری طرح اعتراف نہیں کیا جا سکا کیوں کہ ان کا پورا کلام دستیاب نہیں تھا۔ کلیات مصحفی کی اشاعت کے بعد اس کی راہ ہموار ہو جائے گی اور وہ بھی اس وقت جب ان کی وفات پر تقریباً پون صدی کا عرصہ گذر چکا ہے۔

آیئے اب یہ دیکھیں کہ مصحفی نے قصیدے کے اجزائے ترکیبی کے ساتھ کس حد تک انصاف کیا ہے۔

تشبیب: تشبیب یا بہ الفاظ دیگر قصیدے کی تمہید ہی اس صنف کا وہ جزو ہے جس سے قصیدہ نگار کا عیب و ہنر پہلے ہی شعر یعنی مطلع میں ہی کھل جاتا ہے۔ قصیدے کا مرکزی حصہ تو مدح ہے اور قصیدے کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔ اس حصے میں تو لامحالہ ممدوح کی تعریف ہی کرنی پڑتی ہے اس لیے وہاں موضوع میں تنوع کی گنجائش کم ہی ہوتی ہے۔ لیکن تشبیب میں ہزار طرح کے مضامین ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ عربی، فارسی قصیدوں کے نمونے موجود ہیں۔ اردو قصیدہ

نگاروں نے اس معاملے میں فارسی قصیدے سے خاص طور پر فیض اٹھایا ہے۔ مصحفی نے بلاتشبیب خطابیہ قصیدے بھی کہے اور ایسے بھی جن میں تشبیب کے اشعار کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثلاً ایک قصیدے (26 میں تو یہ تعداد 58 اشعار تک پہنچ گئی ہے۔

وہ تشبیب کے لیے موقع محل کی مناسبت سے طرح طرح کے موضوعات منتخب کرتے ہیں۔ زیادہ تر بہار کو موضوع بناتے ہیں اور بہار کا نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔ ان کا دوسرا پسندیدہ موضوع ہے اپنی مدح سرائی اور خودستائی۔۔۔ بعض قصیدوں میں اپنی عسرت و تنگ دستی کا ذکر بھی کیا ہے۔ محبوب کا حسن و جمال، اس کی بے رخی و بے نیازی، نیرنگی زمانہ جیسے مضامین بھی اکثر نظر آتے ہیں۔

قصیدہ 16 حضرت امام حسین کی شان میں ہے۔ اس کی بہاریہ تشبیب بہت دلکش ہے اور موضوع سے خاص مناسبت رکھتی ہے۔ تشبیب و گریز کے چار شعر مثال کے طور پر یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

خاکِ چمن نے رنگ نکالا ہے اب کے سال — پھولوں کی ڈالیاں نظر آتی ہیں لال لال
لشکر کشِ بہار کا یوں حکم ہے کہ ہو — چہرہ ہر ایک گل کا نئے سر سے پھر بحال
خاکِ چمن سے کیوں نہ اگیں پھول لالہ رنگ — یہ خاک اس ذبیح کے خوں سے ہوئی ہے لال
رنگیں کفن شہیدِ بیابانِ کربلا — یعنی حسین جس کا نہ پیدا ہوا مثال

قصیدہ 59 در مدح میرزا علی حسن کی تشبیب میں اشارۃً اپنی غربت و تنگ دستی کا بیان کیا ہے:

تھا ایک دن میں کلبۂ احزاں میں بے قرار — جور و جفائے چرخ سے شاکی روزگار
تھے قطرہ ہائے خوں مری آنکھوں میں منجمد — بے مہریِ زمانہ سے جوں دانۂ انار
تھا ایک تو یہ تنگ میں اپنے ہی حال سے — دیتا تھا تس پہ دل کو غمِ مفلسی فشار
جوں دام دیدہ باز تھا شب تا سحر کہ ہو — عنقائے مطلب آکے مرے دام میں شکار
لیکن کمند فکر کو کوتاہ دیکھ کر — کرتا نہ تھا میں آرزوئے نیل گوں حصار

قصیدہ 50 سلیمان شکوہ کی مدح میں ہے۔ اس میں خودستائی کا مضمون بہت سادگی مگر

بڑی فن کاری کے ساتھ ادا ہوا ہے۔ دیکھیے:

کون ہوں میں خدائے گان سخن ہے مرے حکم میں جہانِ سخن
آفتابِ زمیں ہوں میں لیکن مجھ سے روشن ہے آسمانِ سخن
سخت کش ہوں میں وہ کہ سحباں سے نہیں کھنچتی مری کمانِ سخن
طائرِ فکر میرا رکھتا ہے شاخِ سدرہ پہ آشیانِ سخن
ہے مرے ناخنوں میں نبضِ قلم نہیں مجھ سا مزاج دانِ سخن
میرے خامے نے پیش قدمی کی رہ گئے پیچھے ہمرہانِ سخن
ہے غزل میری گرچہ سحرِ حلال پر قصیدے سے دیکھ شانِ سخن
کیوں کہ ہیں اس مقام میں بہ سجود اہلِ معنی بر آستانِ سخن
دیکھ کر رتبۂ سخن کو مرے سجدہ کرتے ہیں سرکشانِ سخن
گر نہ برسے سحابِ خامہ مرا باغِ معنی میں ہو خزانِ سخن
میرے نامے بکا ہے سواد و بیاض زلف و رخسار مہوشانِ سخن

اوپر تشبیب کے تین نمونے پیش کیے گئے جن میں سے آخری خاصا طویل ہے لیکن مصحفی کے فن کو سمجھنے کے لیے ان نمونوں پر نظر ڈالنا ضروری تھا۔ اصلاً تشبیب میں حسن وشباب کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ آگے چل کر موضوعات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا لیکن انداز بیان میں معمولی رود بدل کے باوجود نزاکت ونفاست برقرار رہی۔ استعارہ وتشبیہ کی طرف زیادہ توجہ رہی۔ درج بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فن کار نے یہاں ان شعری وسائل کے استعمال میں مہارت اور سلیقے کا ثبوت دیا ہے۔

گریز: گریز قصیدے کا دوسرا اہم جزو ہے۔ ابن رشیق کے نزدیک گریز کا مقصد یہ ہے کہ ''تشبیب سے مدح کی طرف بہترین حیلے سے نکل جاؤ۔'' گویا گریز قصیدے کا وہ جزو ہے جو تشبیب کو مدح سے اس طرح پیوست کردیتا ہے کہ جوڑ نظر نہیں آتا۔ مطلب یہ کہ گریز دھاگے کے مانند دوسروں کو دکھائی نہ دینے والی گرہ ہے۔ قصیدہ نگار کی فن کاری اس میں ہے کہ یہ قطعاً غیر محسوس ہو۔ ایسا لگے کہ بات میں سے بات نکل آئی ہے اور پتا ہی نہ چلے کہ تشبیب کہاں ختم ہوگئی اور مدح

کا آغاز کہاں سے ہو گیا۔ گریز میں بھی مصحفی کمال فن کاری کا ثبوت دیتے ہیں۔ قصیدہ 11 میں اپنے فن کی ستائش کے بعد اس طرح مدح کی طرف آتے ہیں:

بطن مادر میں مجھ کو لکھتا تھا　امراء القیس افصح الفصحا
کیوں کہ میں طفل ناکشودہ زباں　تھا امامِ زماں کا مدح سرا

یہی صورت قصیدہ 44 میں ہے۔ اپنی مدح سرائی کے بعد کہتے ہیں ؎

لیکن میں اس میں کچھ نہیں کرتا مفاخرت
گر فخر ہے تو در کی سلیماں کی چاکری

قصیدہ 26 در مدح نواب وزیر آصف الدولہ کی تشبیب میں برسات کا سماں بیان ہوا ہے۔ مطلع ہے:

جب سے سرطاں میں ہوا نیرِ اعظم کا عمل
جس طرف دیکھیے پانی سے بھرے ہیں جل تھل

اس قصیدے کی گریز خاص توجہ پاتی ہے۔ اٹھاون شعروں میں برسات کا نقشہ کھینچنے اور موسلا دھار بارش کا ذکر کرنے کے بعد اس طرح مدح کی طرف رخ کرتے ہیں:

خاص ممدوح فلک رتبہ مرا جس کے لیے　تانے رہتی ہے سدا کالی گھٹا دل بادل
آصف الدولہ کہ بارانِ سخا سے جس کے　دشت تا دشت تر و تازہ ہیں صحرا و جبل

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ "دل بادل" آصف الدولہ کے شامیانے کا نام تھا۔

مدح: مدح کو قصیدے کے اجزائے ترکیبی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بے شک تشبیب و گریز قصیدہ نگار کے فن کو پرکھنے کی کسوٹی ہیں لیکن قصیدے کی غرض و غایت مدح سرائی ہی ہے لیکن یہ ہے بڑا نازک مقام کیوں کہ شاعر کو ان اوصاف کا بیان کرنا پڑتا ہے جو ضروری نہیں کہ ممدوح کی ذات میں موجود بھی ہوں۔ یہ مشکل شاعر کا تخیل ہی آسان کرتا ہے اور وہ ممدوح کی شخصیت کے مرتبہ و منصب کے مطابق ان اوصاف کا انتخاب کر لیتا ہے جو لازمۂ انسانیت ہیں۔

مدح ہی قصیدے کا وہ جزو ہے جس کی مولانا حالی نے مقدمۂ شعر و شاعری میں بڑی شد و مد سے مذمت کی ہے کیوں کہ جھوٹ اور خوشامد کا تعلق قصیدے کے اسی جزو سے ہے۔ جھوٹی

مدح سرائی سے قصیدے میں جو عیب پیدا ہوتے ہیں وہ مصحفی کے یہاں بھی نظر آتے ہیں لیکن قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مصحفی کے قصیدوں میں مبالغہ آرائی نسبتاً کم ہے۔ جہاں آصف الدولہ کی داد و دہش کا ذکر ہے وہاں مبالغہ ہے ضرور لیکن فیاضی ان کی ذات میں داخل تھی اس لیے یہ مدح ناگوار نہیں گزرتی۔ دیکھیے دو مثالیں:

جس جگہ نام کی ہے اہلِ کرم کے فہرست — ہے لکھا نام کو واں سب سے اسی کے اول
دیوے نعمت جو کسی کو تو کسی کو حشمت — بخشے خلعت جو کسی کو تو کسی کو کوتل
اس کی دُر بخشی سے یوں دستِ طمع ہے معمور — ہاتھ جاتا ہے پھپھولوں میں کسی کا جوں پھل
تس پہ پھر عدل بھی اتنا ہے کہ اب دنیا میں — نظر آتا نہیں ہرگز کوئی ایسا اعدل

(قصیدہ 26 در مدح آصف الدولہ)

اور:

وزیرِ اعظم نواب آصف الدولہ — سپہرِ رفعت و دریا نوال و کوہِ وقار
کرے وہ کوہ کو رائی تو رائی سے پربت — کرے وہ مہر کو ذرہ تو روز کو شب تار
جو آوے سامنے اس کے فقیر ہووے غنی — جو پہنچے در تلک اس کے پیادہ ہووے سوار
کرے وہ ذرہ ناچیز کی حمایت اگر — تو آفتاب سے وہ ہمسری کو ہو تیار

(قصیدہ 53 در مدح آصف الدولہ)

عرض مدعا بھی قصیدے کا ایک اہم جزو ہے۔ مدح کے بعد قصیدہ نگار دستِ طلب دراز کرتا ہے اور مدح کا صلہ چاہتا ہے۔ ضروری نہیں کہ طلب مالی منفعت ہی کی ہو۔ نعتیہ قصیدے میں سرورِ کائناتؐ سے شفاعت کی درخواست کی جاسکتی ہے۔ اربابِ اختیار سے عرضِ مدعا کی تین صورتیں ممکن ہیں۔ پہلی تو یہ کہ کچھ طلب ہی نہ کیا جائے۔ سوالی کا سوال اس کے دل میں ہے تو ممدوح بھی اس سے بے خبر نہیں۔ دوسری یہ کہ اشارے کنایے میں سوال کیا جائے اور تیسری یہ کہ واضح الفاظ میں کچھ مانگا جائے۔ مصحفی کے قصیدوں میں تینوں صورتیں نظر آتی ہیں۔ قصیدہ 54 میں خیالی رام کی مدح کے بعد صرف ایک شعر میں یہ اشارہ کرتے ہیں کہ اس در سے ساری مرادیں پوری ہو کے رہیں گی۔ بس اب ممدوح کو دعا دے:

تمام یاں سے مقاصد تیرے برآویں گے
دعائے دولت وحشمت پہ کر قصیدہ تمام

قصیدہ 37 میں میرزا جعفر سے نہایت نازک اور شاعرانہ انداز میں عرض مدعا کرتے ہیں:

غرض اس بات سے یہ ہے کہ تو اے ابر کرم
برس اس طرح کہ دھوڈالوں میں خاطر سے غبار

لیکن قصیدہ 84 در مدح میر فضل علی میں وضاحت کے ساتھ مدعا بیان کیا ہے:

گر احتمال آز نہ ہو اس فقیر پر
تو اپنے مدعا کو یہ لاوے بروے کار
ہے عرض یہ کہ ایسی توجہ بلیغ ہو
تا جس سے ہو یہ شاہد مطلب سے ہمکنار
معمول کے سوا بھی تو کچھ اس کو ہو عطا
یعنی مشاہرے کا ہے عاصی امیدوار
جاوے نہ اور در پہ برائے حصول ناں
مانند نقش پا اسی در پر رکھے قرار
دریا کا آب کم نہیں ہوتا کسی طرح
ہر چند تشنہ جاوے چڑھا خم کے خم ہزار

دعا قصیدے کا آخری جزو ہے اور اسی پر قصیدے کا اختتام ہوتا ہے۔ مبالغے کے بغیر دعا کا تصور ممکن ہی نہیں۔ قصیدہ تو سراسر مبالغہ آرائی ہے، شاعری بھی اس کے بغیر وجود میں نہیں آتی لیکن نثر میں بلکہ بول چال کی زبان میں دعا دی جاتی ہے تو بھی مبالغے کا سہارا لیا جاتا ہے۔ نوح کی عمر اور سکندر کے مقدر کی دعا آج بھی عام ہے۔ غالب کی دعا (تم سلامت رہو ہزار برس۔ ہر برس کے ہو دن پچاس ہزار) بارگاہ خداوندی میں ہنوز نامقبول سہی، عام وخواص میں بے حد مقبول ہے۔ مصحفی کی دعائیں خاص طور پر دلکش ہیں۔ دعا کے دم تحریر مصحفی قصیدے کی تشبیب اور قصیدے کی مجموعی فضا کو ذہن میں رکھتے ہیں۔ ممدوح اور اس کے دوستوں کو دعا دینے کے ساتھ دشمنوں کو بد دعا دینے کا دستور رہا ہے۔ مصحفی اس کا بطور خاص اہتمام کرتے ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال پیش کی جارہی ہے:

خموش مصحفی اتنا نہ دے کلام کو طول
ادب کی جا ہے میاں بادشاہوں کا دربار
زباں کو بند کر اب اور دعا میں ہاتھ اٹھا
رجوع دل سے بہ درگاہ داور دوار

کیا۔ انشا، پھر 1793 میں مصحفی اوران کے بعد جرأت وسوز اس دربار سے وابستہ ہوئے۔ مصحفی اور انشا کا معرکہ اسی دربار میں ہوا۔

نواب آصف الدولہ۔ نواب سعادت علی خاں والیان اودھ۔ عہد حکومت بالترتیب 1775 تا 1797 اور 1798 تا 1814۔

مرزا مینڈو سرسبز ـــ نام مرزا زین العابدین خاں، مرزا مینڈو کے نام سے مشہور ہوئے۔ نواب سالار جنگ کے بیٹے تھے۔ شاعری کا شوق تھا۔ سرسبز تخلص کرتے تھے۔ 1789 کے قریب مصحفی ان سے وابستہ ہوئے۔

نواب محبت خاں ـــ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے بیٹے۔ 1752 میں بریلی میں پیدا ہوئے والد کی وفات کے بعد 1774 میں لکھنؤ آ گئے تھے۔ انگریزوں کی مقرر کی ہوئی پنشن پر گزر بسر تھی۔ 1793 میں سلیمان شکوہ کی ملازمت میں داخل ہوئے شاعروں کے قدردان تھے۔ 30 مارچ 1809 کو لکھنؤ میں وفات پائی۔

میر نعیم خاں ـــ لکھنؤ کے ایک امیر۔ مصحفی لکھنؤ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے انھیں سے وابستہ ہوئے۔ مگر تنگ دست رہے کیوں کہ تنخواہ مشکل سے ملتی تھی۔

مرزا محمد تقی خاں ہوس ـــ خلف مرزا علی خاں، آصف الدولہ کے ماموں زاد بھائی۔ سعادت علی خاں کے دربار میں کرسی نشین تھے۔ لکھنؤ کے سربرآوردہ امرا میں شمار تھا۔ شاعر تھے۔ پہلے میر حسن پھر مصحفی کے شاگرد۔ 1802 کے قریب مصحفی کی پریشان حالی کا علم ہوا تو ان کے اخراجات کے کفیل ہو گئے۔

معتمد الدولہ سید محمد خاں بہادر ـــ وزیر اودھ۔ ولادت 1771 لکھنؤ میں۔ وفات 1832 بنارس میں ہوئی۔

فخرالدین احمد خاں عرف مرزا جعفر ـــ قمرالدین احمد خاں عرف مرزا حاجی کے والد تھے۔ 1814 میں انتقال ہوا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی فرماتے ہیں کہ تقریباً یہی زمانہ ہے کہ جب مصحفی ان کی ملازمت میں داخل تھے۔

دیگر ممدوحین میں نواب طاہر الدولہ پسر نواب حسن خاں، مرزا علی حسن پسر سالار جنگ،

مرزا سیف علی پسر نواب وزیر، ممتاز الدولہ آفرین علی خاں، نواب کلب علی خاں، صفدر علی خاں، نواب حسن رضا خاں، میر فضل علی، لالہ ٹیکا رام اور خیالی رام شامل ہیں۔

دیوان قصائد کے خطی نسخے:

مصحفی کے دیوان قصائد کے جتنے نسخے ہمارے علم میں ہیں ان میں سب سے اہم وہ نسخہ ہے جو ایوان غالب نئی دہلی کی ملکیت ہے۔ اس کی کتابت مصحفی کی زندگی میں ان کی وفات سے صرف ایک سال قبل 26 جمادی الاول 1239 ہجری کو مکمل ہوئی (عیسوی سنہ 1823 لکھا ہے جب کہ تقویم کے حساب سے 29 جنوری 1824 ہوتا ہے) اسے امید علی نے آغا اصغر علی خاں کے لئے لکھا ہے۔ ترقیمہ اس جلد کے آخر میں بجنسہ نقل کر دیا گیا ہے۔ عبارت کا کچھ حصہ سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ اسی کاتب کی تحریر ہے یا بعد کا اضافہ ہے۔ دیوان میں تخلص شنگرفی حرفوں میں لکھا گیا ہے۔ اکثر ہندی الفاظ پر اسی روشنائی سے لکیر کھینچی گئی ہے، جس سے بہت سے لفظوں کو پڑھنے میں مدد ملی۔ اس خطی نسخے میں باقی تمام نسخوں سے زیادہ یعنی 86 قصائد شامل ہیں۔ اہمیت کے پیش نظر اسی نسخے کو متن کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ درمیان سے ایک ورق غائب ہے۔

اب سے تیس برس پہلے جناب عاصم کاظمی امروہوی اس کے مالک تھے۔ انھوں نے اس قیمتی نسخے کی زیارت کرائی اور نامور محقق جناب امتیاز علی خاں عرشی کا ایک خط دکھایا جس میں اس مخطوطے کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ میرے ایک عزیز جناب ظل عباس عباسی نے اسے خرید کر مجھے مستعار دے دیا۔ دو سال تک یہ نسخہ میرے پاس رہا مگر میری بد قسمتی کہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ ملازمت کے علاوہ پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کی تیاری، مجلس ترقی ادب لاہور کے لیے مصحفی کے ابتدائی دواوین کی ترتیب۔ غرض وہ زمانہ بے حد مصروفیت کا تھا۔ آٹھ دواوین کی ترتیب کے بعد دیوان قصائد کی باری آئی تو پتا چلا کہ اب یہ قیمتی نسخہ ایوان غالب نئی دہلی کے کتب خانے میں ہے۔ فارسی کے عالم اور شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق صدر پروفیسر نذیر احمد اس ادارے کے سیکرٹری تھے۔ ان کی عنایت سے اس نسخے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ اس کرم کے لیے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

الٰہی جب تئیں ہے رسم عید نو روزی الٰہی جب تئیں ہے باغ دہر کی گلزار
خدا کرے کہ رہے بزم تیری رشک چمن شگوفے میوے کی ڈالی کیا کریں تیار
جو خیر خواہ ہیں اس آستانِ دولت کے غمِ زمانہ نہ دیوے دلوں کو ان کے فشار
خصوص یہ جو ترا خانہ زاد خاں ہے غلام رہے ہمیشہ مدار المہام اور مختار
جنھوں کا نوع دگر ہے خیال، ان کا رہے
بہ رنگِ گل چمنِ زندگی میں سینہ فگار

ہجو گوئی کو مصحفی عیب اور شاعری کے دامن پر داغ خیال کرتے ہیں۔ انھیں اپنی مدح گوئی پر فخر اور اس پر اطمینان ہے کہ انھوں نے اپنے قلم کو ہجو سے آلودہ نہیں کیا۔ فرماتے ہیں:

میں ہجو کروں اپنی تو کچھ غم نہیں اس کا پر مجھ سے کبھی ہجو نہ کہوائے طبیعت
کس واسطے، یہ شیوہ ہے مذموم اکابر ہوتا ہے سخن موجبِ ایذائے طبیعت

اور:

اک ہجو کے کہنے میں زباں میری ہے قاصر ورنہ جو قصیدہ ہے مرا کوہ گراں ہے
کچھ اتنا بڑا کام نہیں ہجو کا کہنا لیکن کوئی ہو اس کے بھی قابل، سو کہاں ہے

ایسا تو نہیں کہ انھوں نے کسی کی ہجو کہی ہی نہیں۔ سودا، میر، میر حسن، انشا، جرات، حسرت بہت سے شاعروں کے خلاف ان کے قلم سے ہجویہ کلمات نکلے اور ان میں سے کچھ اس دیوان میں بھی موجود ہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ مستقل ہجویہ قصائد اور ہجویہ نظمیں ان کے دواوین میں نہیں ملتیں۔ انشا سے تکرار کی نوبت آ ہی پہنچی تو انھوں نے بھی قلم اٹھایا لیکن جہاں تک ممکن ہوا متانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اکثر وہ اپنی صفائی دیتے اور اعتراضات کے جواب میں اساتذہ کی اسناد پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انشا سے دوبدو اور گالی گلوچ کرنے بلکہ بقول مصحفی ان کی ''کلہ شکنی'' کو گرم اور منتظر موجود تھے جو بیہودہ گوئی میں شرافت کی حدیں پار کر سکتے تھے اور کرتے رہے۔

مصحفی کی زبان خاص طور پر توجہ کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ اس زمانے کے شاعر ہیں جب

ہماری زبان تشکیل کے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھے۔ اصول و ضوابط اس وقت تک متعین نہیں ہوئے تھے۔ ان کے یہاں بہت سے لفظ مذکر یا مؤنث استعمال ہوئے ہیں اب اس کے برعکس استعمال ہوتے ہیں۔ متروک الفاظ بھی بہ کثرت نظر آتے ہیں۔ فارسی الفاظ و تراکیب کے پہلو بہ پہلو ہندی الفاظ بھی خوب استعمال ہوئے ہیں۔ فارسی اور ہندی الفاظ کو ملا کر ترکیبیں وضع کی گئی ہیں جیسے چرن بردار، جھاڑو کش۔ مختلف فنون اور پیشوں سے متعلق بہت سی ایسی اصطلاحیں استعمال ہوئی جن کے معنی لغات میں نہیں ملتے۔ قیاس کی مدد سے کہیں کہیں معنی کا تعین ہو جاتا ہے مگر دل پوری طرح مطمئن نہیں ہوتا۔ بہت سے نام استعمال ہوئے ہیں۔ کچھ معروف، کچھ غیر معروف۔ بعض ایسے شاعروں کے نام ہیں جن کا سراغ آج نہیں ملتا۔ ضروری ہے کہ اس سلسلے میں تلاش و تحقیق جاری رہے۔ میر، سودا اور مصحفی کی فرہنگ تیار کرنے کی خاص طور پر ضرورت ہے۔

مصحفی کے اہم ممدوحین: ان کے بارے میں ضروری معلومات اختصار کے ساتھ یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

مولانا فخر الدین دہلوی — سلسلۂ چشتیہ کے اہم بزرگ، آپ کا آستانہ مرجع خلائق تھا۔ مریدین و معتقدین کی تعداد ہزاروں تک پہنچی تھی۔ مصحفی بھی ان سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ جب تک دہلی میں رہے پابندی سے حاضر ہو کر اکتسابِ فیض کرتے رہے لکھنؤ میں ان سے اور وفات کے بعد ان کے مرقد سے دوری شاق گزرتی تھی۔ مولانا کی ولادت اورنگ آباد میں 22 مارچ 1714 کو ہوئی۔ دہلی میں 8 مئی 1785 کو واصل بحق ہوئے۔

میرزا جہاندار شاہ جواں بخت۔ پسر شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی۔ سال ولادت 1749۔ رفقا کے ساتھ 1784 میں لکھنؤ پہنچے اور دربار آراستہ کیا۔ نواب شمس الدولہ اور ان کے والد شہزادے کے مختارِ کل تھے ان کی تحریک پر عید کے دن مصحفی تہنیتی قصیدہ کہہ کر گئے مگر اتنا ہجوم تھا کہ قصیدہ نہ پڑھ سکے۔ نواب کے توسط سے ایک تہنیتی قطعہ پیش کیا۔ بنارس میں 31 مئی 1788 کو شہزادے نے وفات پائی۔

مرزا سلیمان شکوہ — شاہ عالم کے فرزند۔ 1791 میں دہلی سے لکھنؤ پہنچے اور دربار آراستہ

کیا۔ انشا، پھر 1793 میں مصحفی اوران کے بعد جرأت وسوز اس دربار سے وابستہ ہوئے۔ مصحفی اورانشا کامعرکہ اسی دربار میں ہوا۔

نواب آصف الدولہ ۔ نواب سعادت علی خاں والیان اودھ۔ عہد حکومت بالترتیب 1775 تا 1797 اور 1798 تا 1814۔

مرزا مینڈو سر سبز ۔ نام مرزا زین العابدین خاں، مرزا مینڈو کے نام سے مشہور ہوئے۔ نواب سالار جنگ کے بیٹے تھے۔ شاعری کا شوق تھا۔ سرسبز تخلص کرتے تھے۔ 1789 کے قریب مصحفی ان سے وابستہ ہوئے۔

نواب محبت خاں ۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے بیٹے۔ 1752 میں بریلی میں پیدا ہوئے والد کی وفات کے بعد 1774 میں لکھنؤ آ گئے تھے۔ انگریزوں کی مقرر کی ہوئی پنشن پر گزربسر تھی۔ 1793 میں سلیمان شکوہ کی ملازمت میں داخل ہوئے شاعروں کے قدردان تھے۔ 30 مارچ 1809 کو لکھنؤ میں وفات پائی۔

میر نعیم خاں ۔ لکھنؤ کے ایک امیر۔ مصحفی لکھنؤ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے انھیں سے وابستہ ہوئے۔ مگر تنگ دست رہے کیوں کہ تنخواہ مشکل سے ملتی تھی۔

مرزا محمد تقی خاں ہوس ۔ خلف مرزا علی خاں، آصف الدولہ کے ماموں زاد بھائی۔ سعادت علی خاں کے دربار میں کرسی نشین تھے۔ لکھنؤ کے سربرآوردہ امرا میں شمار تھا۔ شاعر تھے۔ پہلے میر حسن پھر مصحفی کے شاگرد۔ 1802 کے قریب مصحفی کی پریشان حالی کا علم ہوا تو ان کے اخراجات کے کفیل ہو گئے۔

معتمد الدولہ سید محمد خاں بہادر ۔ وزیر اودھ۔ ولادت 1771 لکھنؤ میں۔ وفات 1832 بنارس میں ہوئی۔

فخرالدین احمد خاں عرف مرزا جعفر ۔ قمرالدین احمد خاں عرف مرزا حاجی کے والد تھے۔ 1814 میں انتقال ہوا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی فرماتے ہیں کہ تقریباً یہی زمانہ ہے کہ جب مصحفی ان کی ملازمت میں داخل تھے۔

دیگر ممدوحین میں نواب طاہر الدولہ پسر نواب حسن خاں، مرزا علی حسن پسر سالار جنگ،

مرزا سیف علی پسر نواب وزیر، ممتاز الدولہ آفرین علی خاں، نواب کلب علی خاں، صفدر علی خاں، نواب حسن رضا خاں، میر فضل علی، لالہ ٹیکا رام اور خیالی رام شامل ہیں۔

دیوان قصائد کے خطی نسخے:

مصحفی کے دیوان قصائد کے جتنے نسخے ہمارے علم میں ہیں ان میں سب سے اہم وہ نسخہ ہے جو ایوان غالب نئی دہلی کی ملکیت ہے۔ اس کی کتابت مصحفی کی زندگی میں ان کی وفات سے صرف ایک سال قبل 26 جمادی الاول 1239 ہجری کو مکمل ہوئی (عیسوی سنہ 1823 لکھا ہے جب کہ تقویم کے حساب سے 29 جنوری 1824 ہوتا ہے) اسے امید علی نے آغا اصغر علی خاں کے لئے لکھا ہے۔ ترقیمہ اس جلد کے آخر میں بجنسہ نقل کر دیا گیا ہے۔ عبارت کا کچھ حصہ سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ اسی کاتب کی تحریر ہے یا بعد کا اضافہ ہے۔ دیوان میں تخلص شنگرفی حرفوں میں لکھا گیا ہے۔ اکثر ہندی الفاظ پر اسی روشنائی سے لکیر کھینچی گئی ہے، جس سے بہت سے لفظوں کو پڑھنے میں مدد ملی۔ اس خطی نسخے میں باقی تمام نسخوں سے زیادہ یعنی 86 قصائد شامل ہیں۔ اہمیت کے پیش نظر اسی نسخے کو متن کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ درمیان سے ایک ورق غائب ہے۔

اب سے تیس برس پہلے جناب عاصم کاظمی امروہوی اس کے مالک تھے۔ انھوں نے اس قیمتی نسخے کی زیارت کرائی اور نامور محقق جناب امتیاز علی خاں عرشی کا ایک خط دکھایا جس میں اس مخطوطے کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ میرے ایک عزیز جناب ظل عباس عباسی نے اسے خرید کر مجھے مستعار دے دیا۔ دو سال تک یہ نسخہ میرے پاس رہا مگر میری بدقسمتی کہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ ملازمت کے علاوہ پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کی تیاری، مجلس ترقی ادب لاہور کے لیے مصحفی کے ابتدائی دواوین کی ترتیب۔ غرض وہ زمانہ بے حد مصروفیت کا تھا۔ آٹھ دواوین کی ترتیب کے بعد دیوان قصائد کی باری آئی تو پتا چلا کہ اب یہ قیمتی نسخہ ایوان غالب نئی دہلی کے کتب خانے میں ہے۔ فارسی کے عالم اور شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق صدر پروفیسر نذیر احمد اس ادارے کے سیکرٹری تھے۔ ان کی عنایت سے اس نسخے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ اس کرم کے لیے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

دیوان قصائد کے دو نسخے رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہیں۔ ان کی نقلیں کچھ عرصہ قبل حاصل کر لی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک پر دیوان چہارم تحریر ہے۔ دیوان اول و دوم کی طرح کئی دواوین کے اوراق جوڑ کر یہ نسخہ تیار کیا گیا۔ دوسرے دیوان میں انہتر ((69 قصیدے ہیں۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں بھی دیوان قصائد کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اس کا عکس پروفیسر نورالحسن خاں لائبریرین مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعاون سے حاصل ہوا جس کے لئے ان کا احسان مند ہوں۔ مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ نسخۂ رام پور کی نقل ہے اور اس نقل کو بیس تیس سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا۔ نسخۂ رام پور و نسخۂ پٹنہ میں 69 قصیدے ہیں۔

رام پور اور پٹنہ کے نسخوں میں جو سترہ قصیدے موجود نہیں، وہ ہیں قصیدہ نمبر 5، 18، 19، 68، 69، 74 تا 80 اور 82 تا 86۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ایک خطی نسخہ محفوظ ہے جس میں دیوان قصائد بھی شامل ہے۔ مرتب نے اس نسخے کو دیکھا ضرور لیکن مقابلہ نہیں کر سکا۔ اس میں چوراسی قصیدے ہیں۔ قاضی عبدالودود کی اطلاع کے مطابق ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی لائبریری میں بھی دیوان قصائد کا ایک نسخہ موجود ہے لیکن اس سے استفادہ نہیں کیا جا سکا۔ ایوان غالب کا نسخہ اس متن کی اساس ہے۔ نسخۂ رام پور و پٹنہ دراصل ایک ہی ہیں۔ ان سے مقابلہ کر کے اختلافات کو بطور ضمیمہ کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ مشکل اور نامانوس الفاظ و محاورات کی فرہنگ بھی آخر میں شامل کر دی گئی ہے۔ جو چند الفاظ ٹھیک طرح سے پڑھے نہ جا سکے یا جن کا مطلب و مفہوم واضح نہ ہو سکا ان پر سوالیہ نشان لگا دیا گیا ہے۔

اس دیوان میں جو اشعار چیستاں بنے ہوئے تھے ان میں سے بہت سے ڈاکٹر حنیف نقوی (شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی) کی مدد سے سلجھائے جا سکے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری (ڈپٹی لائبریرین مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) نے فرہنگ کی تیاری میں بہت تعاون کیا۔ میں ان دونوں کا بے حد ممنون ہوں۔

مجلس کے مرحوم ناظم جناب سید امتیاز علی تاج کی تحریک پر کلیات مصحفی کی ترتیب و

اشاعت کا آغاز ہوا تھا۔ افسوس وہ اس کام کی تکمیل کے وقت ہمارے درمیان موجود نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انھیں بے حساب نعمتوں سے نوازے۔ (آمین)

مجلس کے موجودہ ناظم جناب احمد ندیم قاسمی اتنی دلچسپی نہ لیتے اور میری ہمت نہ بندھاتے رہتے تو عجب نہ تھا کہ کام تشنۂ تکمیل رہ جاتا۔ ان کا اور ان کے رفیق کار احمد رضا صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں۔

نور الحسن نقوی

نوٹ:

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ''کلیات مصحفی'' کی یہ جلد نہم اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے زیر اہتمام بھی شائع ہو رہی ہے۔ اس ایڈیشن کے لیے تصحیح اور فرہنگ کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ افسوس کہ پروفیسر نور الحسن نقوی اس جلد کی اشاعت کو دیکھنے کے لیے ہم میں موجود نہیں ہیں۔ ہم ان کی ترقی درجات کے لیے دعا گو ہیں۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

ڈائرکٹر

1۔ حمد باری عز اسمہ[1]

قابلِ حمد و ثنا ہے وہ خداوندِ کریم
جس نے انساں کے تئیں طرزِ سخن کی تعلیم

مدرکہ کہنہ کو کیا ذات کی اس کو پاوے
یہ براہین و دلائل جو نہ ہووے تفہیم

عقلِ اول ہے یہاں سر بہ گریبانِ سکوت
جس کو ہے خلقتِ آدم پہ مقدم تقدیم

درک میں جس کے ہیں حیران نفوسِ فلکی
فکر میں جس کی ہیں مبہوت خیالاتِ حکیم

مرتبہ اس کا ہے اجرام و عناصر سے پرے
صولت اس کی ہے جگر خوں کنِ اذہانِ فہیم

دخل صورت نہ ہیولیٰ نے کچھ اس میں پایا
طرفہ تر یہ کہ وہ پھر تس پہ کہاتا ہے قدیم

گرچہ ہے فرد ولیکن وہ نہیں جوہرِ فرد
کیوں کہ نزد حکما لکھتے[2] ہیں اس کو تقسیم

اس کی وحدت سے ہے ہر چند کہ پیدا کثرت
لیکن اعداد کی واجب نہیں اس کو تکریم

ذات اگر اس کی نہ ہو علتِ ایجادِ جہاں
رہے یہ مسئلۂ علت و معلول سقیم

علم حکمت کا کیا اس نے عطا آدم کو
جس نے افہامِ بنی نوع پہ پائی تقسیم

منطقی کوئی ہوا فہم رسا کا مالک
اور طبیعی کا رکھا سر پہ کسی کے دیہیم

پھر الٰہی کا رکھا نام جو علم الاعلیٰ
ہوگیا بڑھ کے طبیعی کوئی اس پر بھی علیم

ایک کو عشق ریاضی میں کیا سرگرداں
محور و دائرہ و خط کی دکھا کر تقویم

بحر کو عنبر و لُولُو دیے، تس پہ مرجاں — کوہ کو لعل و زمرد دیے، تس پہ زر وسیم
حرکت قسری افلاک ارادی نہ سمجھ — گو کہ انساں (نے) کبیر ان کو کیا ہے ترقیم
گل بازی کی طرح دست ملائک سے فلک — گرنے پاتا نہیں، اللہ رے ترا حکمِ قویم
عقل فعال کے حصے میں سماء الدنیا — جب سے آیا ہے وہ ہے مرتہن لطفِ عمیم
خدمتِ کارگہ عالم ایجاد تمام — رزق اور موت سے سب کی ہے اسی کو تسلیم
حکم میں اس کے عناصر کے کرے ہیں چاروں — بل موالید تلک اس کا ہے فیضان جسیم
حادثہ اس کی قدامت میں نہیں پاتا راہ — گرچہ حادث ہے جہاں لیک ہے اس پر بھی قدیم
طرفہ عالم ہے کہ دو ضد یہ ہوئیں کیوں کر جمع — طرفہ صورت ہے کہ ہے جس سے ہیولٰی یہ دو نیم
عقل ہر گاہ کہ ہو صنع میں اس کی عاجز — پاسکے اس کو کہاں مدرکہ و فہم فہیم
عرشے تک لگتی ہے اس بحر میں بلی بچ ہے — آگے بس تھاہ نہیں سمجھے سو کیا ذہنِ سلیم
نہ تو وہ عین ہے ماہیتِ اشیا کا نہ غیر — بحر و امواج کا یاں مسئلہ کر لے تفہیم
بے بصر کس کی یہ طاقت ہے کہ ہووے وہ بصیر — بے ذہن کس کی یہ قدرت ہے کہ ہووے وہ کلیم
اس سوا اور اگر سوچے تو مدرکہ کو — سرِ ہر مو سے یہاں پہنچے ہے اک رنج عظیم [3]
نہ محل ہے نہ وہ حال اور نہ وہ جوہرِ عرض — نہ وہ صورت نہ وہ ہیولٰی نہ وہ جزو تقسیم
سب سے مافوق ہے اور سب سے قوی الجثہ — زیب دیتا ہے مجازاً جو کہوں عرش عظیم
لیکن اجسام بسیطہ میں پھر آجاتی [4] ہے بحث — کیوں کہ ہے عرش بھی دوش و سرِ کرسی پہ مقیم
عظمت اس کی جہاں عرش ہے واں اک خردل — وسعت اس کی ہے جہاں کرسی وہاں نقطۂ جیم
امر سے اس کے کرے روح جلائے اوطان — مجتمع حکم سے ہوں اس کے پھر اعظامِ رمیم
گر وہ نقصان سے بری ساع مسلم چاہے — نہ کبھی کسر سے پھر ہووے اصم جذر صمیم
بے پدر جس نے کہ آدم کو کیا ہو پیدا — وہ اگر چاہے تو بے شوئی ہو زائندہ عقیم
منطقی کیوں کہ نہ ہو درک میں اس کے حیراں — جس کو خارج میں نہ تخصیص ہو بعد از تعمیم

صاحب ہندسہ ہی کچھ نہ یہاں دم ماریں ۔۔۔ اور نہ کچھ بول سکیں اپنی بھی اہل تنجیم
وہ ہی گر مومن و کافر میں نہ رکھتا کچھ فرق ۔۔۔ ہم پہ کھلتے نہ کبھی معنی رحمان و رحیم
جب ملائک سے بھی ہو رتبۂ آدم مافوق ۔۔۔ کیوں نہ پھر عصمی انساں کرے شیطان رجیم
آپ ہی آپ ہے وہ مظہرِ اسمائے ذوات ۔۔۔ نہ عدیل اس کا ہے نہ اعداد میں شامل نہ سہیم
جب نسیم کرم اس کی ہو وزاں، کیونکہ نہ ہو ۔۔۔ جنت العالیہ آتش کدۂ ابراہیم
ہے قوی العمل اس کے جو کرم کا نیساں ۔۔۔ اس سے ہر قطرۂ ناچیز بنا دُرِّ یتیم
قطرۂ بحر کرم[5] اس کا جو سیلان میں آئے ۔۔۔ ہووے اک موج میں طوفان فگن نار جحیم
بھیجے قہر اس کا اگر پیکرِ خاکی پہ عذاب ۔۔۔ زخم ناخوردہ وہ ہو غوطہ زن لجۂ ریم
باد لطف اس کی سے ہو عین میاہ الابرد ۔۔۔ تشنہ کامان تمنا کے لیے ماء حمیم[6]
اس کی بخشش میں کمی کچھ نہیں ہے بندہ نواز ۔۔۔ آپ لاتی ہے بلا تجھ پہ تری طبع لئیم
مدرکہ سر بہ گریبانِ تفکر ہے ہنوز ۔۔۔ ہے جو تنزیہہ کے عالم میں مثال اس کی عدیم
مَلِک العرش ہے وہ کارکن ہر دو جہاں ۔۔۔ نہ کوئی اس کا وزیر اور نہ کوئی اس کا ندیم
اس سے لیوے نہ اجازت تو کبھی فصل بہار ۔۔۔ آتشِ گل پہ نہ مارے سرِ دامانِ نسیم
نہ کرے خون جگر کو جو تری قدرت مشک ۔۔۔ ناف آہو میں نہ ہو نافہ سزاوار شمیم
ہے طرف تیری ہی سر ہائے ثوابت کا سجود ۔۔۔ شکل محراب ہیں شش دائرۂ ہفت حریم
مصحفی اب یہ دعا مانگے ہے تجھ سے یارب ۔۔۔ اے کہ ہے ذات تری سب پہ رؤف اور رحیم
ابر بخشش کو اشارہ ہو کہ یکسر دھووے ۔۔۔ ایک بارش میں مرا نامۂ اعمال ذمیم
عطشِ نزع جو غالب ہو تو اس گرما میں ۔۔۔ خنکی بخش جگر کرد و سہ موج تسنیم
شاہد روح جو خلوت سے بدن کی نکلے ۔۔۔ ہو خراماں بہ تماشا گہِ جنات نعیم
اور جب تک یہ رہے زیست کی مسند پہ جلیس ۔۔۔ اس کے محکوم رہیں بادشہِ ہفت اقلیم
یہ جو دیوان مجھیوں اس کے ہیں مانند سہیل ۔۔۔ بزمِ شاہاں میں لباس ان کا رہے جلد ادیم

اس کی عقبیٰ میں سدا دوست رہے حورِ بہشت   اس کی دنیا میں سدا گذرے بہ عز و تکریم
عتبہ بوسی کو نہ جاوے یہ کبھی شاہاں کی   بلکہ شاہانِ جہاں اس کی کریں خود تکریم [7]
نیزہ بردار علم اس کے رہیں رستم و سام   تیر بردار قلم اس کے رہیں ارجن و بھیم
اور تقرب ہو تری ذات سے یاں تک اس کو   کہ سخن تجھ سے کرے آپ وہ مانند کلیم
مہر کو چک کی طرح اس کے رہے پہلو میں   دل ہے اس کا جو ترے داغ محبت کا ویم

حکم کر اس کو کہ رہتا ہے یہ دل تنگ بہت
کچھ زیادہ اسے دے رزق مقدر کا، قسیم!

✿✿✿

2۔ نعت سید المرسلینؐ 1

بعضوں کو گماں ہے یہ کہ ہم اہل زباں ہیں — دلی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں
پھر تس پہ یہ ستم اور یہ دیکھو کہ عروضی — کہتے ہیں سدا آپ کو اور لاف کناں ہیں
سیفی کے رسالے پہ بنا ان کی ہے ساری — سو اس کو بھی گھر بیٹھے وہ آپ ہی نگراں ہیں
اک ڈیڑھ ورق پڑھ کے وہ جامی کا رسالہ — کرتے ہیں گھمنڈ اتنا کہ ہم قافیہ داں ہیں
نہ حرف جو وہ قافیے کے لگتے ہیں گننے — دانا جو انھیں سنتے ہیں یہ کہتے ہیں ہاں ہیں
تعقید سے واقف نہ تنافر سے ہیں آگاہ — نہ حرف روی قافیے کے ورد زباں ہیں
کرتے ہیں کبھی ذکر وہ ایطائے خفی کا — ایطائے جلی سے کبھی پھر حرف زناں ہیں
اول تو ہے کیا شعر میں ان باتوں سے حاصل — بالفرض جو کچھ ہو بھی تو یہ سب پہ عیاں ہے
حاصل ہے زمانے میں جنھیں نظم طبیعی — نظم ان کی کے اشعار بہ از آب رواں ہیں
پرواہ انھیں کب ہے ردیف اور روی کی — کب قافیے کی قید میں آتش نفساں ہیں
مجھ کو بھی عروض آتی ہے نے قافیہ چنداں — اک شعر سے گرویدہ مرے پیر و جواں ہیں
سو کیوں نہ ہو، ہوں بھی تو ایسے کا ثنا خواں — جس کے لیے مخلوق یہ سب کون و مکاں ہیں
ماہِ عرب ، اُمی لقب ، اعنی کہ محمد — نت جس کی طرف دیدۂ انجم نگراں ہیں

اَمر اس کے سے ہے کوہ کی پانی پہ عَماری
حکم اس کے سے ہے بختیٔ افلاک رواں ہیں

جس دن سے دیکھا ہے وہ قد تیر سا اس کا
اس دن سے فلک صورتِ آغوش کماں ہیں

ان پتھروں پہ کرتے ہیں [2]شہاں اب تئیں سجدے
جن پتھروں پہ اس پائے مبارک کے نشاں ہیں

ہے افسرِ خورشیدِ فلک خاک در اس کی
جس خاک کے ذرات بہ از جوہر جاں ہیں

آوازۂ عدل اس کا گیا جب سے بہ اطراف
سکانِ زمیں تب سے پُر از امن و اماں ہیں

یاں تک کہ اگر دیکھیے اب گرد رمے کے
خود گرگ لیے لکڑی کھڑے جیسے شباں ہیں

ان بندوں پہ بھیجے ہے خدا تحفۂ صلوٰۃ
قبر اس کی پہ اخلاص سے جو فاتحہ خواں ہیں

کرتے ہیں بہم نام محمدؐ ہی کی تسبیح
ہر صبح جو مرغان چمن گرم فغاں ہیں

شوق اس کے سے گل کر کے ہوئے سنگ بھی پانی
یاں تک کہ ہر اک کوہ سے دریا ہی رواں ہیں

گر چشمۂ فیض اس کا نہ جاری ہو تو یہ جان
دریا سبھی جوں ماہی بے آب تپاں ہیں

خسرو نے اگر چاک کیا نامے کو اس کے
تو خسروی کے اس کے بھی آثار کہاں ہیں

یہ محض غلط فہمی تھی جو زعم میں اپنے
سمجھا کہ اولوالعزم سلاطین کیاں ہیں

ذہن اس کے میں یہ بات نہ آئی کہ فرشتے
جوں برق دماں صاحب شمشیر و سناں ہیں

اور خاص وہ جو رکھتے ہیں دعوائے شجاعت
دن جنگ کے آشفتہ تر از شیر ژیاں ہیں

ہے ایک تو شمشیر غلاف ان کی برہنہ
پھر تس پہ وہ تیغی کیے شمشیر زباں ہیں

ہنگام رجز خوانی جو کوئی انھیں دیکھے
سمجھے یہ فصاحت سے کہ سحبانِ زماں ہیں

سرخیل انھوں کا جو انھوں میں ہے محمدؐ
اس قوت بازو پہ یہ سجدے میں واں ہیں

پیغمبری پر اس کی ہے اقرار سبھی کو
ہر چند کہ در کشمکش سود و زیاں ہیں

وہ تاجور خطبۂ لولاک ہے بیشک
بیعت کے لیے اس کی طرف نامے رواں ہیں

شور اس کی شجاعت کا زمانے میں پڑا ہے
خائف ہے[3] دم تیغ اس کی سے شاہان جہاں ہیں

جو خصم ہیں، باد دم شمشیر سے اس کی
پیدا ہے کہ شوریدہ تر از برگ خزاں ہیں

تلواریں جو انصار کے ہاتھوں میں ہیں ننگی   دن جنگ کے دیکھو تو بہ از برق دماں ہیں
گسترده ہے یہ نطع شب و روز اسی سے   جس نطع کے قرص مہ و خورشید دو ناں ہیں
کیا اس کی کہوں میں شب معراج کا عالم   اس شب کے جو منکر ہیں وہ آویں نہ کہاں ہیں
تا ان کو دکھاؤں کہ افلاک پہ مرسل   صف باندھے جلو اس کے میں کس طرح رواں ہیں
ہے محوِ تماشا زبس عالمِ علوی   انجم نہیں یہ دیدۂ نظارگیاں ہیں
مرغان اولی الاجنحۂ عرش معلیٰ   سیر اس کی سے افتادۂ اوج طیراں ہیں
کیا ڈر ہے انھیں جن کے جگر [4] سرد ہیں ایسے   دوزخ کے دم گرم اگر شعلہ فشاں ہیں
قائل [5] ہیں بہ عجز اس کے یہود اور نصاریٰ   ادیان و ملل جتنے ہیں منسوخ یہاں ہیں
بت سازوں نے بھی بت شکنی دیکھی ہے اس کی   پر حیف وہ اس پر بھی پرستار بتاں ہیں
اس بات سے واقف نہیں کیا قدر بتوں کی   یاں سیکڑوں آثار خدائی کے عیاں ہیں
نام اس کے کو کرتے ہیں سدا دور سے سجدے   آفاق میں جو خسرو آفاق ستاں ہیں
اوصاف کمال اس کے میں حیراں ہے مری عقل   از بس کہ وہ پُر دور تر از وہم و گماں ہیں
ہشیاری سے رکھ پاؤں ولا مدح میں اس کی   وہ بحر ہے یہ جس میں ملک غوطہ [6] زناں ہیں
اے مصحفی ظاہر ہوئے جو معجزے اس سے   وہ معجزے کب درخور تقریر و بیاں ہیں
اب آ نہ مری جان تو سرگرم دعا ہو   نم دیدہ تہ بار قلم تیرے بُناں ہیں
یارب ہے فلک جب تئیں تاروں سے چراغاں   اور اہل زمیں دور سے نظارہ کناں ہیں
دن حشر کے روزی ہو انھیں سایۂ طوبیٰ   جو سایۂ اعلام محمدؐ میں رواں ہیں

اور جن کو ہے شق القمر اس کے میں تامل
جوں ماہ ہو شق سینہ انھوں کا وہ جہاں ہیں

✿✿✿

3۔ نعت سید المرسلینؐ[1]

جو ہاتھ آتا مرے یکسر گریباں، آستیں، دامن
تو تھا سوچا کہ درخور گریباں، آستیں، دامن
یہ دیوانوں کی مجلس ہے تو اٹھ جا یاں سے اے ناصح
کہ یاں چنگل میں ہیں اکثر گریباں، آستیں، دامن
جنوں تو دیکھ آکر[2] اپنے ہاتھوں دھجیاں کر کے
دیا رکھ میں نے آتش پر گریباں، آستیں، دامن
گئے کھا زخم اس کے اس گلی سے سیکڑوں لیکن
ہوا یوں خوں میں کس کا تر گریباں، آستیں، دامن
ترے شوریدہ سر جو ہیں انھوں نے شکل دریا کی
کیا ہے چاک سر تا سر گریباں، آستیں، دامن
مرے اشکوں کے موتی ٹانک ان پر میں ترے صدقے
کہ ہو ٹکموں سے زیب آور گریباں، آستیں، دامن

صفا سینے کی یا ساعد کی یا ساقِ بلوریں کی
لکھوں ہے جس سے پر خوشتر گریباں، آستیں، دامن

اٹھاوے ہے، چڑھاوے ہے، سیے ہے اور دکھاوے ہے
ہمیشہ وہ بت کافر گریباں، آستیں، دامن

کرو گے کیا جو میں کل پھینک دوں گا دھجیاں کر کے
بہ پیش داور محشر گریباں، آستیں، دامن

زبس میں نوچ نوچ ان کو کیا ہے تار تار اب کے
بنا ہے صورت مسطر گریباں، آستیں، دامن

یہی جامہ بچھا کر اپنا سو رہتے ہیں ہم شب کو
ہے اک مدت سے یاں بستر گریباں، آستیں، دامن

خدا جانے کدھر کو اٹھ گئے صحرا سے دیوانے
جو لڑکوں کے ہیں بن پتھر گریباں، آستیں، دامن

ہم اس عطار والے پر لگا بیٹھے ہیں جی جامہ
گرو ہے یاں مثلث پر گریباں، آستیں، دامن

وہ دیوانہ ہوں میں جس نے کیا ہے ملک مجنوں میں
سر ہر خار کا افسر گریباں، آستیں، دامن

میں یاں تک مارے بیتابی کے لوٹا ہوں مغیلاں پر
کہ ہے کانٹوں سے پر نشتر گریباں، آستیں، دامن

سر و پا و کمر لپٹے ہیں زُنارِ محبت میں
یہی اپنا تو ہیں لنگر[3] گریباں، آستیں، دامن

جدائی میں تری وہ ہو رہے تھے بس کہ سو ٹکڑے
کیے[4] میں وصل مر مر کر گریباں، آستیں، دامن

وہ چنواتا ہے جب جامہ پہنے ہے حق میں عاشق کے
چھری، تلوار او خنجر گریباں، آستیں، دامن

اگر پتھر تلے ہوتا نہ میرا ہاتھ ، یاروں کو
دکھاتا پرزے پرزے کر گریباں، آستیں، دامن

زبس زخم آئے ہیں گہرے مرے اس ناتواں تن پر[5]
بنا ہے شکل چاک در گریباں، آستیں، دامن

لیے بار گنہ از بس کہ میں دنیا سے جاتا ہوں
کفن کا میرے ہے بجز گریباں، آستیں، دامن

نہ پہنے خرقہ گر زاہد کرے کیا اس کو مشکل ہے
پڑا ہے آن کر سر پر گریباں، آستیں، دامن

مرے ہاتھوں سے فریادی ہیں تینوں کیا عجب اس کا
لکھیں دعوے کا گر محضر گریباں، آستیں، دامن

کیا ہے تیر باراں کس کی مژگاں نے مجھے، جب سے
بنا ہے صورت مجمر گریباں ، آستیں ، دامن

زبس جم جم گئے داغ ان پہ ہم خوں رونے والوں کے
ہوئے طاؤس کے سے پر گریباں، آستیں، دامن

خفا ہوں اک تو نام ونگ کی[6] میں تنگ گیری سے
گلے کا ہار ہے تس پر گریباں ، آستیں ، دامن

ابھی تو خوں کو میرے لذت آغوش لینے دے

ذرا دھلوائیو رہ کر گریباں ، آستیں ، دامن

کبھی کانٹوں کے شاکی ہو کبھی ہاتھوں کی کاوش سے
سیا کرتے ہیں ہم دن بھر گریباں، آستیں، دامن

بزرگی جبہ پوشی پر نہیں موقوف عالم میں 7
رکھیں ہیں یوں تو لاکھوں خر گریباں، آستیں، دامن

اگر پرزوں کو ان کے جمع کرکے دیکھیے تو ہے
پریشانی کا اک دفتر گریباں، آستیں، دامن

جلا کر زخم دل میں اپنے اس کی خاک بھرنے کو
کیا ہے ہم نے خاکستر گریباں، آستیں، دامن

نہ ہو آوارہ وہ کیوں کر کہ طفلِ اشک کا میرے
بہ سوے خاک ہے رہبر گریباں، آستیں، دامن

کیا ہے ذرہ ذرہ ضد کے مارے بس کہ میں ان کو
بنے ہیں تیغ کے جوہر گریباں، آستیں، دامن

کہاں اب سام اور رستم چھڑا سکتا نہیں ہرگز
اجل سے کوئی زور آور گریباں، آستیں، دامن

نہیں اتنی بھی اب طاقت کہ عریانی کے جامے کا
اٹھاوے یہ تنِ لاغر گریباں، آستیں، دامن

تری تلوار کے زخمی کو سرتاپا عروسی ہے
رکھے ہے خون کا زیور گریباں، آستیں، دامن

ہمیں آخر تو پھر اک پل میں ان کو چاک کرنا تھا
بہت پچھتائے ہم سی کر گریباں، آستیں، دامن

جنوں کے ہاتھ سے اس میں دیے ہیں چاک میں یاں تک
کہ ہے ہر چاک کا ششدر گریباں، آستیں، دامن
رفو ناصح سے کب ہو چاک پیراہن کا عاشق کے
مگر سلوائیں آں سروؐ گریباں، آستیں، دامن
محمدؐ باعث ایجادِ عالم جس کے جامے کا
ہے ادریسؑ پیغمبر گریباں، آستیں، دامن
زہے شق القمر کا معجزہ جس کے اشارے سے
ہوا چاہے مہ انور گریباں، آستیں، دامن
اگر اس معجزے کو شرح دے کر میں لگوں لکھنے
قلم کا چاک ہو یکسر گریباں، آستیں، دامن
نہ دیتا وہ اگر خلعت زمیں کو مہربانی کا
نہ پاتے کوہ و بحر و برگریباں، آستیں، دامن
سمائے ہیں موالیدِ ثلاثہ اس میں ازبس ہے
قبا[8] کا اس کی پہناور گریباں، آستیں، دامن
جو رُووے شوق میں اس کے عجب کیا ہے کہ ہو اس کا
بہ رنگ شمع پُر گوہر گریباں، آستیں، دامن
نہ دیتا گر لباسِ ظاہری وہ جسم انساں کو
نہ پاتے خاک کے پیکر گریباں، آستیں، دامن
نسیم لطف گر اس کی چلے اس پر تو گل ہوکر
نکالے غنچۂ اخگر گریباں، آستیں، دامن
اگر مہتاب سے مانگے وہ جامہ دوں ہی بن بیٹھے

بنے مہتاب کی چادر گریباں، آستیں، دامن

جہاں ابرِ سخاوت اس کا برساواں سے موتی ہی
لے آئے گنج وشل بھر بھر گریباں، آستیں، دامن

جہاں میں پیشتر خلقت سے اس کی جو سلاتے تھے
فلاطوں اور اسکندر گریباں، آستیں، دامن

انھوں کا مدعا یہ تھا کہ جب ہو خلق پیغمبرؐ
کریں جُود اس کی سے پُرزر گریباں، آستیں، دامن

بدن سے اس کے گر جامہ جدا ہووے تو پھر اس شب
کرے سو ٹکڑے ہر اختر گریباں، آستیں، دامن

اگر درکار ہو اس کو قبا تو بن کہے اس کے
بنے جبریلؑ کا شہپر گریباں، آستیں، دامن

سیا ہے قدسیوں نے نور کے حُلّوں کو لے لے کر
برائے آں تن اطہر گریباں، آستیں، دامن

اگر تن پر نہ اس کے راست ہوتا خلعتِ ہستی
نہ ہوتا اس کا زیب آور گریباں، آستیں، دامن

جو یاں آل اس کی پر روتا ہے واں اس کا دھلادیں گے
بہ آبِ چشمۂ کوثر گریباں، آستیں، دامن

مئے عصیاں سے میں آلودہ ہوں یاں تک کہ ہے میرا
صراحی و خُم و ساغر گریباں، آستیں، دامن

تمھارا ابرِ رحمت محمدؐ مجھ پہ گر برسے
تو ہو پاکیزہ و اطہر گریباں، آستیں، دامن

وگر نہ مصحفی تو وہ سیہ رو ہے کہ کالا ہو
بدن سے جس کے چھو جا کر گریباں، آستیں، دامن
زمیں مشکل ہے یہ آتا ہے یوں جی میں کہ آجاؤں
بہ سوے خاتمہ تہ کر گریباں، آستیں، دامن
دعا میری سو ہے یہ جب تلک ہستی کے جامے کا
سے خیاط بے یاور گریباں، آستیں، دامن
الٰہی وہ جو منکر ہیں شبِ معراج کے تیری
نہ ہو وصل ان کا ہرگز گریباں، آستیں، دامن
سوا ان کے جو تیرے ذیل میں ہیں جوں گلِ نرگس
رہے ان کا سدا پُر زر گریباں، آستیں، دامن

✿✿✿

4۔ نعت سید المرسلین[1]

حنا سے ہے یہ تری سرخ اے نگار انگشت
کہ ہو نہ پنجۂ مرجاں کی زینہار انگشت

ضعیف اتنا ہوا ہوں کہ میرے ہاتھوں میں
تہی ہیں پنجۂ طاقت سے بہلہ دار انگشت

ہلال و بدر ہوں یکجا عرق فشانی کو
رکھے جبیں پہ جو تو کر کے تابدار انگشت

فراق موکمراں سے میں یہ ہوا باریک
کہ ہوگئیں مری سوزن صفت نزار انگشت

زبس کہ زشت ہے دنیا میں ہاتھ پھیلانا
رکھے ہے سٹی ہوئی اپنی پشت خار انگشت

وہ جب لگائے ہے فندق تو دیکھ دیکھ مجھے
رکھے ہے منہ میں تاسف کی روزگار انگشت

شمار داغ سے کب اتنی مجھ کو فرصت ہے
کہ رکھ سکوں بہ سرِ چشم اشکبار انگشت

کشیدہ وضع نہ ہمسائے کا ہو منت کش
حنائے گل سے نگاریں کرے نہ خار انگشت

رکھی ہے آگ بزرگوں کی میں چلم پہ بہت
عجب نہیں جو مری ہوویں داغدار انگشت

نہ لکھ پڑھ کہ زمانہ ہے عیب جوئی میں
رکھے ہے حرف پہ یاں سب کے روزگار انگشت

کسی کی عقدہ کشائی نہ ہوسکے تو کیا
برنگ شانہ ہوئیں گو تری ہزار انگشت

گیا جو کام سے اس کا نہ کر تفحصِ حال
رکھے نہ نبض پہ مردے کی ہوشیار انگشت

نہ آگے موذی کے کچھ پڑھ سے[2] کہ عیب جوئی کو　　وہ بن رہا ہے سراپا بہ رنگ مار انگشت
سقیمِ عشق کی گر نبض مَس کرے تو وو نہی　　ہوں مثل برق مسیحا کی بیقرار انگشت
کفن میں ہاتھ مرے بندھ گئے ہیں اس پر ہیں[3]　　ہنوز شوق گریباں میں بیقرار انگشت
اگر رکھوں لبِ آتش فشاں پہ میں اپنے　　تو پھلجھڑی کی طرح ہووے شعلہ بار انگشت
وہ گن رہا ہے وہاں بال اپنی زلفوں کے　　کرے ہے تار گریباں کا یاں شمار انگشت
اگر تو خواب میں بے پردہ اس کے آئے صنم　　تراشے یوسفِ مصری ترنج وار انگشت
کروں ہوں قصد جو میں اس کے پاس جانے کا　　ہلائے ہے وہ اشارے سے بار بار انگشت
تو روئے دست نہ کھا صید پیشگاں کا بہ لحم　　زغن کو کرتی ہے صیاد کی شکار انگشت
نہ فکر قتل مرا کر کہ جوں محی الدین　　میں ایک کاٹوں تو ہوں سیکڑوں فگار انگشت
ہو اس کے بام سے لغزش نہ کیوں کہ مجھ کو واں　　ہوئیں نہ گوہ کے پنجوں کی استوار انگشت
یہ کس کی خاک پہ تو نے پڑھی تھی "انزلنا"　　جو آج ہے تری اے شوخ پر غبار انگشت
کبھی نکالے ہے بانبی سے جیسے ارقم[4] سر　　ہے چاک پردہ سے یوں اس کی آشکار انگشت
جو راہِ حق میں کوئی کشتہ ہووے جوں حلاج[5]　　اٹھادے کیوں نہ زیارت کو اس کی دار انگشت
یہ تیر آہ کے کس کی لگے ہیں گردوں پر　　کہ کہکشاں کی ہوئی اتنی رخنہ دار انگشت
بیاں ضرور ہے اب دست و تیغ کا اس کے　　نکل گئی سپر مہ سے جس کی پار انگشت
محمدؐ عربی معجزوں کا جس کے کبھی　　نہ کر سکے فلکِ پیر کی شمار انگشت
چمن میں اس کی رسالت کا جب کچھ آئے ہے ذکر　　علَم کرے ہے شہادت کی شاخسار انگشت
وظیفہ جس کا پڑھے ہے یہ دانۂ شبنم　　دعا میں جس کی ہے کھولے ہوئے چنار انگشت
اگر ہو مہرۂ گہوارہ سنگ فرش اس کا　　نہ چوسے اپنی کبھی طفل شیر خوار انگشت
اٹھا دے گر کفِ افسوس ملنے کی وہ رسم　　نہ ہووے پھر کبھی انگشت سے دوچار انگشت

کرے ہے دست قضا جب کسی کا عقدہ وا　　اسی کے ہاتھ سے مانگے ہے مستعار انگشت
دو چار دست زد اس کے جو ہووے بعد از مرگ　　رکھے نہ اس کے کوئی برسر مزار انگشت
کرے جو وصف اس تاج الانبیاء کی رقم　　قلم کی جوں نئے نرگس ہو تاجدار انگشت
جو دست و تیغ کو اس کی ہو میل سنگ بری　　رکھے قبول کی آنکھوں پہ آبشار انگشت
برائے قتل عدو حرب گاہِ شیراں میں　　جب اس کی تیغ کے قبضے کو دیں فشار انگشت
اور اس کے سامنے افراسیاب روئیں تن　　سپر کی گدی میں کر جست اپنی چار انگشت
مقابل آوے تو لگتے ہی کردے صاف قلم　　سپر کو کاٹ کے وہ تیغ آبدار انگشت
جو اس پہ کر کے وہ معجزے سے حرف اقتل دم　　پھر آوے اپنی ذرا وقت کارزار انگشت
ہزار کاسۂ سر صاف ووں ہی اڑ جاویں　　کرے اشارے میں تیغ [6] دوسر کا کار انگشت
جو رکھ کے وہ لب سوفار زہ پہ روز نبرد　　کشش میں اپنی بنا لیوے غنچہ دار انگشت
نشانہ ہووے جو کف الخضیب کی خنصر　　کرے سب اس کی وہ ابہام تک فگار انگشت
سمندِ تیز رو اپنے کو وہ اگر سرپٹ　　فضائے دہر میں پھینکے عدو کے مار انگشت
وہ اتنا جلد پھرے کر کے طے اسے کہ ہنوز　　شمار گام نہ پہنچا ہو تا بہ چار انگشت
زمین خشک پہ بالفرض اگر بہ موسم دے　　ہو اس کے دست سخاوت کی دانہ کار انگشت
اس اک دانے میں پھوٹیں جو سینکڑوں سوئیاں　　بنیں وہ عقدہ کشائی کو خود ہزار انگشت
برنگ نخلِ املتاس پھر بڑھے [7] تو وہ نخل　　درم کی جس کی ہوں پوریں وہ لاوے بار انگشت
بیان مدح شجاعت میں تیرے اب تک تو　　نئے قلم سے نہیں میری شرمسار انگشت
رقم کروں جو میں پنجے کی تیرے ہیبت کو　　تو کیا عجب کہ ہوں ضیغم کی رعشہ دار انگشت
خمیر سا وہ نکل جائے ان کے فرجہ سے　　جو دیویں گوے فلک کو تری فشار انگشت
تو مصحفی نہیں عابد مُسبعات العشر　　پڑھا نہ کر کہ بنیں تیرے مشت وار انگشت

ملے جو شعر سے فرصت تجھے تو بعد نماز اٹھا کے دست دعا کھول چوں چنار انگشت

ہے جب تلک کہ یہ خورشید پنجے کی صورت اور اس کی خطِ شعاعی سے ہیں ہزار انگشت

یہ عرض ہے کہ شفیعِ امم بہ روز جزا نہ نامہ خوانی میں ہوں میری رعشہ دار انگشت

جو دوست ہیں وہ رہیں سایۂ ید اللہ میں
تنِ عدو پہ کرے کارِ ذوالفقار انگشت

❁❁❁

5۔ نعت سید المرسلینؐ [1]

پرکار وار دور کیے اس نے یوں ہزار — اپنی مراد پر نہ پھرا چرخ ہرزہ کار
زینت سے کام رکھتی ہے کب ہمت بلند — محتاج کب حنا کا ہوا پنجۂ چنار
ساعد جو بار زر سے جھکے جانب زمیں — بھوکے کے واسطے ہے وہی شاخ میوہ دار
غافل تو جا کے گور غریباں کی سیر کر — ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں جہاں سیکڑوں مزار
اس واسطے کہ سمجھے تو اپنے مآل کو — ہوں استخواں سے مردوں کے آنکھیں تری دوچار
فکرِ معاش سے تو کرے اپنا دل تہی — رخصت طلب ہو تجھ سے تمنائے روزگار
تیری سی لاکھ شکل ہیں بر صفحۂ زمیں — کچھ اس میں بےنوا ہیں تو کچھ اس میں مالدار
ہوتی بسر ہے سب کی بہ یک نیم پارہ ناں — حرص و ہوا کو چاہیے تو دے جتنا اختیار
مجبور اپنا اپنی ہی فہمید سے ہے تو — گر چشمِ عقل ہووے تری ٹک بھی سرمہ دار
سب بعد مرگ کی سی کھلے تجھ پہ ماہیت — واعظ کے قول پر نہ رکھے چشم انتظار
قرآں سمجھ تو اپنا شب تار میں چراغ — ہمدم سمجھ تو اپنی یہ چشمِ ستارہ بار
کچھ غم نہیں جو نامۂ اعمال ہے سیاہ — دھووے گا اس کو ابر کرم اس کا ایک بار
یعنی محمدِ عربی شمس و الضحیٰ — واللیل جس کے گیسوؤں پہ ہوگئی نثار

کیا اس کے معجزوں کا بیاں مجھ سے ہوسکے　　منہ میں مرے ہے ایک زباں معجزے ہزار

اصحاب اس کے چار ستوں قصر دیں کے ہیں　　بارہ دری ہے جن سے امامت کی استوار

نے اہل رفض سے ہے مجھے رفض اس قدر　　نے شیعیانِ دیں سے میں رکھتا ہوں ننگ و عار

آزاد ہوں مناظرۂ روز و شب سے میں　　ہوں سب کا دوست رکھتا ہوں اک سب میں اعتبار

گر سنّی کوئی سمجھے مجھے اس کا غم نہیں　　کس واسطے کہ سنّی تھے میرے بزرگوار

میں شیعہ اک ہوا تو ہوئی کیا مفاخرت　　ہونا پڑے ہے یوں بھی تو معطون روزگار

القصہ اس سے کام ہے کیا، ہوں محمدی　　آگے جو کچھ کہ چاہے کرے لطفِ کردگار

خواہی مجھے روانۂ دوزخ کرے بہ قہر　　خواہی ارم کو بھیجے بصد عزت و وقار

آیا نہ تھا میں آپ سے اس کارگاہ میں　　نے مجھ کو یاں سے جانے میں کچھ اپنا اختیار

مالک ہے وہ، قدیر ہے وہ، چاہے سو کرے　　موت و حیات میں ہوں اسی سے امیدوار

رُمحِ نبی کی وصف کو چاہے ہے اب قلم　　ہو ہوگئی ہے درع فلک جس سے رخنہ دار

آئینہ پوش کی وہ اگر ناف پر لگے　　نوک اس کی جاکے پشت کے فلک سے نکلے پار

برش یہ تیغ میں ہے کہ گر بختی فلک　　چورنگ ہووے اس کا زمیں سے کرے گذار

حفظِ خدا سپر تھا وہاں کچھ سپر نہ تھی　　کرتا بیان کس کا یہ کلکِ رقم شعار

ناقے کی وصف اس کے مجھے فرض عین ہے　　یعنی کبھی ہوا جو وہ ماہ عرب سوار

تو دشمنوں کی آنکھ میں وہ یوں نظر پڑا　　ہے آفتاب حشر سرِ نیزہ آشکار

وہ روز جنگ ان کو شب تار ہوگیا　　گھبرا کے کرگئے سرِ میدان سے فرار

کن کن لڑائیوں کا کرے ذکر مصحفی　　اس پاس خامہ کوتہ و کاغذ ہے فرد وار

جو ہوگئے شکار انھیں بحری شکار جان　　ہر چند تھے تو قافیے اس بحر کے ہزار

آکے دماغ میں نہ رہے تا بہ فکر تیز
اک جلسے میں دیا میں قصیدے کو اقتصار

6۔ منقبت حضرت امیرؑ[1]

طے کر چکی ہے کیا یہ رہِ انتظار چشم پھڑکے ہے میری آج جو بے اختیار چشم
آوے سو کیوں کہ بسترِ راحت پہ مجھ کو خواب رکھتی ہے رنگ گل کا مری خار خار چشم
ہر چند بے بصر ہوں پہ جوں شمع تیرہ روز روشن ہیں مجھ سے کتنوں کی شبہائے تار چشم
گریے کا رنگ دیکھیے میرے کہ اس گھڑی دامن ہے تختۂ گل و ابرِ بہار چشم
مانند اشک جامۂ آبی ہو رخت خلق گر دامنِ مژہ کو مری دیں فشار چشم
کیا شمع کیا سحاب ترشح کی بزم میں حاشا کہ ہوں کسی سے مری شرمسار چشم
مشتاق دیکھنے کا نہیں میں ہی اک ترے انجم سے آسماں بھی رکھے ہے ہزار چشم
ازبس گھٹا ہوں میں غمِ مژگانِ یار سے سوزن کی طرح ہے مری زار و نزار چشم
جز دل کا سنگ[2] حادثہ نے اس کو دی شکست کس کی کھلی ہیں پھوٹ کے بادام وار چشم
ہو نرگسِ سیہ کا تری ذکر جس جگہ شہلا کی واں کبھی نہ رکھیں اعتبار چشم
صاحب نظر وطن میں مسافر ہوں اس لیے ہیں خانہ ہائے چشم میں نت بیقرار چشم
طالب کو گرمِ شوق کرے ہے مراقبہ سیتے ہیں جیسے باز کی بہرِ شکار چشم

مانند جام بادۂ گل رنگ نت مرے [3]
رکھتی ہے خون دل سے معاش و مدار چشم

دولت سے اس کے عشق کی ہرگز تہ فلک [4]
رہتی نہیں کبھی مری بے کاروبار چشم

پیارے نگاہِ گرم سے مت دیکھ آئینہ
ایسا نہ ہو کہ تیری کر آویں بخار چشم

ہیں خون دل کے کھانے کو شب خیزیاں مری
کھولے ہے جیسے وقت سحر روزہ دار چشم

کیا جانے حال رات کے [6] جاگے ہووں کا تو
تیری تو صبح ہوتے کھلیں غنچہ وار چشم

مداح چشم یار ہوں بادام کی جگہ
لائق ہے مجھ پہ گر کریں مردم نثار چشم

آنکھیں لڑائے اس سے کوئی کیا مجال ہے
دیکھی ہوں جس نے تیری شہِ ذوالفقار چشم

جو کوئی تجھ سے پاک گہر کا برا تکے
آب گہر ہو اس کی کریں انتظار چشم

ثانی ترا عدم سے نہ آیا وجود میں
کھولیں دو بیں نے تجھ پہ غلط وقت کار چشم

بیدار سب ہوئے پہ کبھی تیرے عہد میں
فتنے کی خواب سے نہ کھلیں زینہار چشم

حیرت میں گر رواج دے سوز و گداز کو
ہو آئینے کی شمع صفت اشکبار چشم

در حکم ضبط گریہ کرے تو تری کے بیچ
ہو جاوے خشک بحر کی آئینہ وار چشم

سرمہ کرے جو خاک قدم کا ترے تو مفت
دے کور مقریوں کے تئیں روزگار چشم

کردے اگر تو عام تراخی کو دہر میں
نزلے سے خاص ہو نہ شکایت گداز چشم

جاوے [6] تو کوہ پر تو تری دید کے لیے
سنگ و گہر کی شکل بنے کوہسار چشم

گر بھول کر تو اس پہ کرے لطف کی نگاہ
اعمیٰ سے مانگیں اہل نظر مستعار چشم

دیکھے جو تیرے دور میں وہ جانب شراب
پیمانۂ سپہر کی کھینچے خمار چشم

گر رمح موشگاف پہ تیرے کرے نگاہ
ہو [7] فرقداں کی شکل مژہ تار تار چشم

گھوڑا ڈپٹ کے گر صف اعدا سے مدعی
چاہے کہ ہووے تجھ سے شہا آکے چار چشم

دلدل کے [8] تیرے پاؤں کی یا مرتضیٰ علیؑ
جاتی ہے اس کی موندنے گرد و غبار چشم

اس ضبط سے کہ کھل نہ سکیں باہزار سعی
ہاتھوں سے اپنے گر وہ ملے لاکھ بار چشم

بیداری یک طرف کہ کبھی تا بہ روز حشر — دیکھے نہ خواب میں بھی کھلی وہ سوار چشم
روز وغا عدو سے جو میدانِ جنگ میں — ہوویں مقابلے تری آئینہ دار چشم
اتنا گھٹے وہ غم سے کہ شکل اپنے عکس کی — پاوے نہ تیری چشم میں گر ہو ہزار چشم
اور عکس تیرا چشم میں اس کی جو جا کرے — وقت مراجعت لیے آوے [9] شکار چشم
سرعت کا تیرے رخش کی کیا میں بیاں کروں — اس کی اگر تو کھول دے اے شہسوار چشم
اڑ جائے اس طرح وہ کہ جوں طائرِ نگاہ — راکب کا جس کے کرنے لگیں انحصار چشم
طے کر کے پل میں عرصۂ کونین جب پھرے — سائے سے اپنے راہ میں ہو آکے چار چشم
زالِ فلک سے لے کے عجوزِ زمین تک — ہوجاویں گر سبھوں کے ضریر ایک بار چشم
کحال بے بصر کو ذرا تو کرے جو حکم — کردے وہ اک سلائی میں بینا ہزار چشم
احوال مصحفی کے تئیں دیکھ کر شہا — نت ڈھانپتا ہے یہ فلکِ بے مدار چشم
تو اس کو چشمِ زخم زمانہ سے رکھ نگاہ — وہ تجھ سے یہ رکھے ہے شہ ذوالفقار چشم
ختم سخن کروں یہ دعائیہ اس گھڑی — حرف دعا سے تا ہوں مری سرمہ دار چشم
ہے جب تلک کہ نور نظر مردم آشنا — دیکھیں نہ حادثے کی ترے دوستدار چشم

اور دشمنوں کی تیرے گلستان دہر میں
جوں گل رہیں ہمیشہ ہم آغوش خار چشم

✿✿✿

7۔ منقبت حضرت امیرؑ [1]

صورت میں آپ چرخِ مدوّر بنا گرہ　　کھولے کسی کے کام سے کیوں کر بھلا گرہ
اس بد گہر کے ہاتھ سے، انجم نہیں، ہیں یہ　　رشتے میں کہکشاں کے پڑیں جابجا گرہ
مت پست فطرتوں سے تو واشد کی رکھ طمع　　کھلتی ہے کب بہ ناخن انگشت پا گرہ
یارب فلک سے بھاگ کے کیدھر [2] کوئی چھپے　　قطرہ گیا صدف میں میں واں بھی ہوا گرہ
شیخی پہ تاجداروں کی مت جا کہ جوں حباب　　آکر ہوئی ہے سر میں انھوں کے ہوا گرہ
دل میں سیاہ کاریاں پیروں کے ہیں بھریں　　جوں کاغذِ سپید میں ہو توتیا گرہ
دل بستگی یہی ہے تو مانندِ گرد باد　　ہووے گی میری خاک بھی بعد از فنا گرہ
روز ازل سے کار فقیراں ہوا نہ بند　　رکھتی نہیں تجھی تو نئے بوریا گرہ
یارانِ سینہ صاف کی رنجش پہ تو نہ جا　　مثلِ حباب آئینہ یاں ہے صفا گرہ
فندق بندھی نہیں یہ، مرے خون کے لیے　　ہے اس کی پور پور پہ رنگ حنا گرہ
دیکھا ہے شاید اس کے کہیں کان کا گہر　　گلشن میں آج صبح سے ہے موتیا گرہ
ہے اس کی یاد دہ ہمیں یہ دل گرفتگی　　دے جائے بند جامے میں جوں آشنا گرہ

حاجت روا فلک سے ہو کب اپنی مصحفی کھولیں نہ جب تک آن کے مشکل کشا گرہ
شیرِ خدا علی ، ولی شاہِ ذوالفقار بن حکم جس کے کھولے نہ دستِ قضا گرہ
منع قوائے نامیہ جس جا کہ وہ کرے رہ جائے ہو کے دانے میں نشو و نما گرہ
حق میں بلند و پست کے اس کا ہو گر عتاب ہووے سمٹ کے خوف سے ارض و سما گرہ
جب تک نہ اس کی رائے سے لے امر انبساط کھولے کبھی نہ غنچوں کی بادِ صبا گرہ
جاری ہو وقت آس اگر حکمِ انقباض ہو آرد دانہ بن کے تہ آسیا گرہ
گر نرم طینتوں کو درشتی عطا کرے ناخن سے موم کے کریں آہن کی وا گرہ
وہ شان، وہ شکوہ، وہ شوکت، وہ دبدبہ اللہ رے جس کو دیکھ فلک ہو گیا گرہ
شاہا تو جس جگہ پہ الفت کو دے رواج کاٹیں تو نیشکر کی [3] نہ ہووے جدا گرہ
ساکت ہے تیرے روبرو یوں نفسِ ناطقہ جیسے زبانِ لال پہ ہو مدعا گرہ
جس سر [4] کو دے تو بادشہا تاج سلطنت اس سر پہ چتروش رہے بالِ ہما گرہ
حکم کشایش عام ہو تیرا اگر تو پھر عاشق سے دل میں رکھے نہ زلف دوتا گرہ
از بس کہ تیرے عہد میں واشد کا ہے رواج دیتا نہیں ہے گل بھی بہ بند قبا گرہ
پتھر سے کیوں نہ ساحرہ اب پٹکے اپنا سر کیں تو نے بُت کی، حکمِ پیمبر سے وا گرہ
ہے فتح بابِ عیش ترا نام یا علیؑ کھولے نہ بستہ کاروں کی کیوں کر بھلا گرہ
وا جس کے رو پہ تو نے کیا بابِ بے غمی پھر اس کے کام میں نہ کوئی دے سکا گرہ
اور تیرا جس کے حق میں ہوا امر بستگی قدرت ہے کیا کسی کی کرے اس کی وا گرہ
ہے حل و عقد دہر کا موقوف تجھ تلک کھلواتے ہیں تجھی سے یہ شاہ و گدا گرہ
قطع نظر انھوں سے کہ میری بھی خسروا وا تو نے دستِ لطف سے کی بارہا گرہ
پس عرض اب جناب میں یہ ہے مری کہ جب کھولے تو سب کے کام کی حاجت روا گرہ
دستِ گرہ کشائے سے ٹک اپنے کیجو وا میرے بھی کار بستہ کی بہرِ خدا گرہ

ہے وقت یہ دعا کا خموشی کا کیا ہے کام　　میری زباں سے چاہیے اس وقت وا گرہ
یارب ہے جب تلک کہ زمیں جائے قبض و بسط[5]　　اور کھولے کار بستہ سے چرخ دوتا گرہ

ہوویں کشادہ روے ترے دوست مثل گل
دشمن کا کام غنچہ سا رہیو سدا گرہ

✿✿✿

8۔ منقبت حضرت امیرؑ[1]

ہووے اس شخص سے کیا معنیِ رنگیں کی تلاش
خونِ دل سے ہی سدا جس کی رہی وجہ معاش

اہلِ دنیا کو ہے رویت سے ہماری ہی خوشی
کہ مہِ عید کے مانند ہوئے ہم قلّاش

کام واں تیشۂ فرہاد سے نکلے نہ کبھی
ناخنِ فکر مرا ہووے جہاں سنگ تراش

تیرہ روزوں سے ملے پر ہوں خنک اہلِ صفا
سرو جس طرح کہ ہو صبح کو آبِ شب پاش

دل سے ہے ناخنِ ابروئے بتاں کو کاوش
اے فلک کیوں کہ نہ ہو آہ مری سینہ خراش

شعرِ تر اپنا اگر جا کے پڑھوں گلشن میں
لب[2] جو ماس پہ جاری ہو صدائے شاباش

اس کی صورت سے ٹپکتی ہے سراپا شوخی
چشم فتّان و نگہ شوخ ہے غمزہ اوباش

لے کے کیوں جایئے نزدیک کسی کے حاجت
دور ایسے نے مرے دل سے کیا فکرِ معاش

کہ اگر بارگہِ عالی کو دیکھے اس کی
فرش ہو جاوے وہیں خرگہِ گردوں کا قماش

یعنی زور آور و خیبر فگن و عنتر کش
ذات پر جس کی ہوا رازِ حقیقت سب فاش

وہ نظر کرکے اگر دیکھے بہ چشمِ انصاف
نصف منجر بہ سپیدی ہو سیہ روئی ماش

شحنۂ خشم کو جس جا وہ کرے حکمِ قتال
ووں ہی اک آن میں پڑ جاویں وہاں لاش پہ لاش

تابِ دیدار اگر دیوے وہ بیتابوں کو آئینہ مہر کی صورت کا ہو چشمِ خفاش
ضربتِ گرز کا گر اس کی کرے دل میں خیال مثلِ صد برگ ہو کاسِ سرِ دشمن صد پاش
قطعۂ تازہ کہا ہے میں ابھی اے آقا روبرو اپنے مجھے پڑھنے کا تو حکم دے کاش
سو وہ یہ وصف ہے سرعت کا کُتل کی تیرے جاوے افلاک پہ شوخی سے اگر وہ اوباش
دیکھنا اس کا تو معلوم مہ عید کی طرح نظر آجائے تو آجائے کہیں زین کی قاش
توشہ خانے کا ہے سرکار معلّٰی کی ترے نہ فلک بادلہ، اطلس شفق، و [3] بیضا تاش
آب کش تیرے کے آگے بھرے نت پانی ابر باد [4] پر حکم کرے بزم کا تیری فراش
باوجود اتنی سخاوت کے شہا حاتمِ طے ہے تری بزم میں محتاج بیک کاسۂ آش
دور میں تیرے زبس غم کا کہیں نام نہیں کہ و مہ ساغرِ عشرت سے سدا ہیں عیاش
آفتابہ کرے تا تیرے وضو کو تیار گرم اس کام میں ہے چرخ سدا جیسے کہ داش
زندہ و مردہ نہ کیوں خوش ہوں ترے عہد کے بیچ نہ اچکا، نہ گرہ بر، نہ دغل، نے نباش
مصحفی ختم سخن کر تو دعائیہ پر قافیہ تنگ ہے ہوسکتا نہیں آگے تلاش
جب تلک مردُمکِ چشم ہے تصویروں کا صفحۂ دہر پہ یہ نقطۂ کلکِ نقاش

دوست داروں کو ترے ہوجیو بخشش روزی
رہیو دشمن ترے اعمائے معاد اور معاش

❁❁❁

9۔ منقبت حضرت امیرؑ

گرمی سے مستفیض ہوا عکس آفتاب ۔۔۔ کیا ہے عجب جو بحر میں ماہی بنے کباب
ہے برق جلوہ موج پہ گر کیجیے نظر ۔۔۔ آتش کا قمقما ہے اگر دیکھیے حباب
ہر موج ریگِ ماہی کے مانند خشک ہے ۔۔۔ بیجا نہیں ہے بحر کو کہیے اگر سراب
صفرا[1] کے اختلاط سے سرسام ہو اسے ۔۔۔ جاوے کسی کے مغز میں گر بوے مشک ناب
آتش فشاں ہے تابِ خورشید بس کہ روز ۔۔۔ روے زمیں بسان فلک ہے سیاہ تاب
آوے تو آوے خواب سمندر مزاج کو ۔۔۔ شب روز وار شعلۂ آتش ہے ماہتاب
ہر ایک خانہ خانۂ حمام کی طرح ۔۔۔ رکھتا ہے ظرف ظرف میں آتش بہ زیرِ آب
نظارہ دوست دید سے کرتے ہیں الحذر ۔۔۔ حسن بتاں میں بس کہ ہے جوں شعلہ التہاب
عاشق کبھی جو کھینچے دمِ سرد کیا ہے ذکر ۔۔۔ معشوق سرد مہری کرے اس سے کیا حساب
القصہ دست برد ہوائے تموز سے ۔۔۔ ہر نیک و بد پہ آتشِ دوزخ کا ہے عذاب
گرمی کو سب کہیں ہے تسلط جہان میں ۔۔۔ الّا بہ کارخانۂ شاہِ فلک جناب
یعنی علیؑ کہ جس کی شجاعت کے خوف سے ۔۔۔ ہنگام جنگ زہرۂ روئیں تناں ہو آب

کس زور سے ہو اس کے تہمتن مقابلے — گردوں وشوں کو جس نے زمیں میں دیا ہے داب
اے دل وہ بارگاہ بلند اس کی ہے جسے — اہل زمین کہتے ہیں سب آسماں مآب
پاے ثبات اس کا اگر ہووے درمیاں — کرنے نہ پاوے رنگ زمانے کا انقلاب
طبقاتِ آسماں کو سمجھتی ہے خوانچے — از بس کہ باشکوہ ہے مطبخ کی اس کے قاب
بخشش میں بے درنگ ہے ہاتھ اس کا اس قدر — برسے ہے جس طرح مہ نیساں کبھی سحاب
از بس کہ اس کا امر شریعت پہ حکم ہے — جز علم فقہ کے نہیں پڑھتا کوئی کتاب
جز نام حق کسی کے نہیں اب زبان پر — خوانندگانِ علم سے کیا شیخ کیا ہو شہاب
معتاد تھی جنھوں کی مے ناب شام و صبح — کرتے ہیں اب وہ آب کی صورت سے اجتناب
آباد ہے ہر ایک کا گھر اس کے عہد میں — جز مے فروش کوئی نہیں خانماں خراب
ہیبت سے اس کی سنگ سے تا شیشۂ فلک — پہنچا ہے بس کہ رتبۂ عالی کو احتساب
کانپے ہے آفتاب [1] کہ یا رب بچائیو — خلقت میں ہوں میں صورت پیمانۂ شراب
کرتے ہیں دخت رز کا خم نیل تک سراغ — ہنگام باز پرس ہے تا شیشۂ شراب
صہبا کشوں پہ ایک طرف ہے جدا نہیب — سازندگاں پہ ایک طرف ہے جدا عتاب
مضراب کے وہ توڑ کے ٹکڑے کریں وہیں — پائے مگس سے ہل کے جو باجے کبھو رباب
منہ چنگیا سمجھ کے اسے تھوکیں خوب سا — نکلے دہان پیر سے گرتار ہو لعاب
مانند چنگ دیویں اسے گوشمال سخت — بے پردہ جو کوئی کرے اس فن کا اکتساب
اس خوف سے کہ نکلے نہ آواز جل ترنگ — ٹک دم بخود ہو پھوٹ گیا کاسۂ حباب
دلدل ترے کی وصف میں مطلع کہا ہے ایک — ٹک سنیو کان دھر کے تو یا شاہ بوتراب
کہنا روا ہے رخش کو تیرے فلک شتاب — مانا ہلال عید سے ہے جس کی ہر رکاب
سرعت رکھے ہے ایسی کہ گر چڑھ کے اس پہ تو — مشرق سے پھینکے جانب مغرب بہ ارتکاب

اس عرصے میں پھرے وہ کہ اس کی صدائے پا ہونے نہ پاوے کان تلک تیرے باریاب
اور وہ ہے ذوالفقار تری جس نے دم کے بیچ روے زمیں کو خون عدو سے کیا خضاب
کچھ اس کے آگے چیز نہیں گور و کرگدن اور سخت چرم جتنے کہ دنیا میں ہوں دواب
گھوڑا ڈپٹ کے مارے جو تو فرق کوہ پر کاٹ اس کو اور زمین کو ہو جا کے غرق آب
ہیبت سے کاوا دینے کی جب آب ہوئے کوہ ہر سنگ آئے چرخ میں مانند آسیاب
یہ بند و بست ہے کہ شہا تیرے عہد میں ہرگز ہوا نہ ہووے رخ فتنہ بے نقاب
ممدوح حق میں اور تری تعریف کیا کروں تو ہے کتابِ فطرتِ یزداں کا انتخاب
گل میخ آفتاب کو گاڑیں زمین پر جائے کہ کہکشاں ترے خیمے کی ہو طناب
آیندگاں نہ کیوں کہ تری التجا کریں ہے علم کا مدینہ پیمبر تو، تو ہے باب
راہِ خدا پہ تو نے کیا اپنے تئیں فروخت سائل کو دست رد سے نہ ہرگز دیا جواب
تیرا ہی عدل ہے یہ جو رہتے ہیں روز و شب یک جا بہ رنگ و شبنم گل آتش اور آب
اس خوف سے کہ فتنہ نہ بیدار ہو کہیں ہے چشم اقحواں بھی تو گلشن میں مست خواب
گر ابر مکرمت کا تری ہووے قطرہ زن پیدا کرے پھر اوس بھی حکمِ در خوش آب
امر سکون پہنچے جو تیرا تو پھر وونہی ہو جاوے سلب خلقت دنیق سے اضطراب
کر ختم اس قصیدے کو اب جلد مصحفی تا مستمع بھی ہوویں کہیں داخلِ ثواب
لیکن دعا وہی نہ فراموش کیجیو ہر چند اس سے پاک ہے وہ ذات مستطاب
ہے جب تلک جہان میں یارب یہ رسم جنگ اور تیغ آبدار کے جوہر کو پیچ و تاب

یہ چاہتا ہوں میں کہ خداوند کے مرے
دشمن تو منہزم رہیں اور دوست فتح یاب

❁❁❁

10۔ منقبت حضرت امیرؑ[1]

ڈہا[2] ہے جب سے کہ میرا یہ قصر ہشیاری	کرے ہے پیر خرد روز عرض معماری
میں تیرے حسن کو یوسف سے کیوں کہ دوں نسبت	کہ تو ہے خانہ نشیں اور وہ ہے بازاری
ہے کس کو جامہ گل دوز کی یہاں پروا	ہے اپنا داغوں کی کثرت سے تن ہی پھلواری
ہزار بار صف آرا ہوئیں تری مژگاں	نہ دی پر اس علم آہ کو نگوں ساری
حباب وار کسی پر میں سرگراں نہ ہوا	ہے یاد گار جہاں یہ مری سبکساری
کہاں تھیں یاد یہ فتنے کو شوخیاں آگے	وہ تیری چشم سے سیکھا ہے مردم آزاری
گھٹے ہے گریے کی کثرت سے قدر گوہر اشک	غرض بری ہے کسی چیز کی ہو بسیاری
میں اس کے ہاتھ سے ہر صبح[3] و شام جلتا ہوں	یہ داغ گم ہے کلیجے پہ یا کہ چنگاری
بکے ہے کیا تو عبث ہرزہ اے پریشاں گو	دے مدح شاہ سے زلف سخن کو طراری
شہ جہان شجاعت علیؑ عالی قدر	کہ بحر و بر میں سدا جس کا حکم ہے جاری
وہ بارگاہِ بلند اس کی ہے کہ جس کو فلک	کرے ہے سجدہ سمجھ کر کے درگہ باری
بزور پیل میداں سے ٹال دے دوں ہی	جو لطف اس کا کرے مور کی مددگاری
جو منع خمر پر اس کا ہو حکم کر نہ سکے	سوائے چشم بتاں کوئی جاں میں میخواری

جو بے ملاحظہ اس در پہ وہ قدم رکھے تو بادِ صبح سے لے داریاں گنہگاری
رخِ عتاب کرے وہ اگر بہ سوے فلک تو خلق بولے کہ بازی فلک نے اب ہاری
غرض قضا و قدر بھی اس کے تابع ہے وہ خسروِ دو جہاں ہے اسی کی مختاری
کمر کو کس کے وہ باندھے اگر بہ کینِ فلک تو [4] ہو نہ قبضہ بہرام سے کمانداری
پھر اس سے عیسیٔ گردوں نشیں کو کیا نسبت ہو جس کے نام کے لینے سے رفعِ بیماری
جو خفتہ بخت تھے سب جاگے اس کے عہد کے بیچ پہ چشمِ فتنہ نے دیکھا نہ خوابِ بیداری
جو روزِ جنگ شہا از پے شکستِ عدو کرے زمانہ سواری کی تیری تیاری
میں اس گھڑی ترے دلدل کی کیا کہوں سرعت عجب لوند ہے اللہ رے تیری طرّاری
پھر آسماں ہی پہ آوے نظر زمیں پہ نہیں جو مثلِ برق ہو سر گرم، گرم رفتاری
اڑان پا ج چلے وہ تو اس بھی حالت میں نہ اس کی بادِ صبا کر سکے جلو داری
کہیں نہ کیوں کہ تجھے شافی و کریم و حکیم کہ حق کی ذات کی ہیں تجھ میں خوبیاں ساری
جو درمیاں سے اٹھا دے تو نام رنجش کا لکھے نہ دوست کو پھر دوست خطِ بیزاری
جہاں ہوا ہے غنی بس کہ تیری بخشش سے رہا نہیں کوئی مفلس سوائے ناداری
ثقالتیں جو زمانے سے تو اٹھا دیوے تو پھر گدا پہ تونگر کرے نہ سر بھاری
وہ شخص ہے تو کہ آبا سے امہات تلک ترے مطیع و مسخر ہیں سب یہ نرناری
عجب تو کیا ہے میں تجھ سے یہ چشم رکھتا ہوں ز حادثاتِ زمانم اگر نگہداری
سخن کو ختم کر اے مصحفی خموش خموش نہیں یہ وقتِ ثنا اب دعا کی ہے باری
کہ جب زمین کے اوپر بروزِ وعدہ و بیم ہو نصب بارِ دگر آسمانِ زنگاری

جہاں کے بیچ جو [5] تیرے ہیں دوست اور دشمن
خدا کرے یہ کہ وہ جنتی ہوں یہ ناری

❁❁❁

11۔ منقبت حضرت امیرؑ [1]

ہوچکا دور میر اور مرزا — اب زمانے میں ہے مرا دورہ
درد [2] کو شاعروں میں کیا گنتی — کیوں کہ ہے دور خواجہ کا رتبا
ہیں وہ بالا نشین مسند فقر — ان کا کب اس طرف خیال رہا
بس وہی عالم جوانی میں — بیش و کم ریختہ کہا سو کہا
فقر میں نقش انھوں نے مارا تھا — نقشبندیہ تھا مقام ان کا
اک مشائخ سے دینی نسبت شعر — اپنے نزدیک ہے یہ پر بے جا
اس سے میری غرض یہ ہے کہ فلاں — تو تو ہے اعتبار کا بندہ
شاعری کی نہیں تو کیا جانے — تو نے رنج سخن نہیں دیکھا
پوچھ مجھ سے کہ میں نے اپنی عمر — دی ہے سب فن شاعری میں گنوا
دلی کے سب مشاعرے دیکھے — اور ہم طرح میر کا میں رہا
بلکہ جب سب سے اٹھ گئی ہمت — اپنے ہاں بھی مشاعرہ میں کیا
مجھ سے دبتے رہے بڑے چھوٹے — میں کسی سے وہاں کبھی نہ دبا

گرچہ سب کی زباں تھی تیغ تیز لیک منہ پر مرے کوئی نہ چڑھا
میں نے از بس کہا سخن کو لطیف[3] سب نے اس کو بہ اشتیاق سنا
ریختہ گو فقط نہ جان مجھے طبع کو فرس کا بھی ہے پایا
اس سبب فکر کا مری شہباز صید کرتا ہے معنی عنقا
جس جگہ[4] ہے مری رسائی فکر واں خیالِ مہندساں نہ گیا
جھوٹ بولوں تو یہ زبان ہو لال جھوٹ کرتا نہیں میں کچھ دعویٰ
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے دیکھ لے یاروں کا ہے یہ نقشہ
لے قصیدے سے تا غزل جو وضع شعر کہنے کی ہو بہ مدح و ہجا
کلک جادو بیان سے اپنے دیکھ تو کس طرح کروں ہوں ادا
یہ فصاحت یہ طرز گویائی کس میں ہے کہہ تو تو تجھے بخدا
میری تیغ زباں ہے وہ شمشیر جس کا مارا نہ حشر کو بھی اٹھا
ہے مرا دست زور کلہ شکن مجھ کو دو کھے تو ہے یہ منہ تیرا
مرغ خوش خواں کا ہو نہ ہم آہنگ بانگ گو باغ میں بھرے پدا
گو کہ رکھتا ہو پیل کی صورت ہمسر پیل کیوں کہ ہو پشہ
میری اور تیری ہے جو سچ پوچھے نسبت سیل تیرہ و دریا
بطن مادر میں مجھ کو لکھتا تھا امراؤ القیس افصح الفصحا
کیوں کہ میں طفل ناکشودہ زباں تھا امام زماں کا مدح سرا
وہ امام زماں کہ جس کا نام ہے کتابے میں عرش کے لکھا
علیؑ آں اشرف عقول و نفوس علیؑ آں فخر آدمؑ و حوّا
جس نے دست بریدۂ اسود پڑھ کے الحمد کو دیا ہے ملا

اور رضاعت میں کام اژدر کو دو کیا چیر کر بہ حکم خدا
کیا دہن ہے مرا کہ میں ناچیز کر سکوں اس کی مدح کو انشا
اس جگہ خامۂ دبیر فلک ناک اپنی رہے ہے نت گھستا
اس کی زور آوری ہے عالم میں رجعت آفتاب سے پیدا
ماسوا اس کے شیر سے سلماں دیکھ تو کس طرح دیا ہے چھڑا
داغ تھا اس کے ہاتھ سے کہ ہوا صورت آبلہ یدِ بیضا
گر کرے سرمہ اکمی فطری خاک در اس کی لے کے صبح و مسا
دیکھنے میں نہ آوے جو زنہار دیکھے پھر اس کا دیدۂ اعمیٰ
کوئی سمجھے اسے تو ہاں لاریب تھا نمونہ وہ قدرت حق کا
جی میں آتا ہے آکے سامنے اب مطلعِ تازہ اک کروں انشا
تیری وہ تیغ ہے کہ جس نے کیا عمرو بن عبدود کے سر کو جدا
اس سوا اور بھی ہزاروں خصم خاک اور خون میں دیے ہیں ملا
ایک آیا جو سامنے اس کے کردیا اس نے اپنی طرح دوتا
از پے رفت و روے خرمن خصم شکل جاروب ہے وہ برق بلا
جس کی اک ضرب کا ثواب عظیم طاعت دو جہاں سے تھا اولیٰ
تا کمر دو ہوا عدو دوں ہی گر زمیں دوز اس کا وار لگا
ور محرف گری تو دوش سے خصم کھل گیا کولھے تک جنیو سا
در بہ شکل قلم تراش لگی ہوگیا کاسۂ سر اس کا جدا
ہوا جاں بر کبھی نہ میداں سے الغرض اس کے زخم کا مارا
ایسا اشجع کوئی زمانے میں اپنی دانست میں ہوا نہ ہوا

مصحفی آسماں بنے کاغذ فی المثل ور مداد ہوں دریا
اور اشجار ہوں تمام قلم مدح اس کی نہ ہو سکے انشا
پس تو ناچیز کتنی وسعت پر مدح گوئی کا کرتا ہے دعویٰ
کر بلند اب جناب یزداں میں بہ کمال خشوع دست دعا
جب تلک آسماں پہ ہیں پردیں جب تلک ہے زمیں پہ مہر گیا
جب تلک ہے قلم کو کاغذ ساتھ نسبت خط نویسی و املا
جب تلک کھولے عقدۂ غنچہ ناخن سعی سے نسیم صبا
رہے ورد زباں مرے یارب تا دم واپسیں اسی کی ثنا

در لحد سے اٹھوں تو ہے یہ امید
اس کے سایۂ میں حشر ہو میرا

❁❁❁

12۔ منقبت حضرت امیرؑ [1]

گر فیض سخن ہو چمن آرائے طبیعت تو گل کو دکھاؤں میں تماشائے طبیعت
سودا تو یہاں کھیت رہا آدھی ہی رہ میں طے ہو نہ سکا اس سے بھی صحرائے طبیعت
ہے شور فلاطوں کی فراست [2] کو جو اتنا یک قطرہ چکھی تھی مئے مینائے طبیعت
مجنوں کے اگر دل میں کوئی بیٹھے تو جانے خالِ رخِ لیلیٰ ہے سویدائے طبیعت
شان اس کی جو تو غور سے دیکھے تو بعینہ ہے شکل فلک گنبدِ خضرائے طبیعت
کس گوہر یکتا کی طلب میں ہے مری فکر مصروف بہ غواصی دریائے طبیعت
حیران رہا دیکھ کے گلہائے معانی حافظ نے جو کی سیر مصلائے طبیعت
خورشید خجالت سے کبھی سر نہ اٹھاوے دکھلاؤں گر اپنا یدِ بیضائے طبیعت
یہ شیفتگی شعر پہ ہرگز نہیں دیکھی ہیں میرے سوا اور بھی شیدائے طبیعت
شیراز میں سعدی کی اگر قبر ہو احیا تو لکھ کے اسے خط ابھی بھجوائے طبیعت
ہر چند کہ پہنا ہے بہت دامن عماں کب پہنچے ہے پاٹ اس کا بہ پہنائے طبیعت
پھرتے ہیں بہت اہل سخن خوار و پریشاں اس عہد میں ہے کون شناسائے طبیعت

ہے قحطِ خریدار زمانے میں وگرنہ تھا کوڑیوں کے مول یہ کالائے طبیعت
تھا سینۂ خسرو میں مکاں اس کا ازیں پیش ان روزوں مرے سینے میں ہے جائے طبیعت
وہ ہند کی طوطی تھا میں ہوں ہند کا مینا میرا ہی ہر ایک سمت ہے غوغائے طبیعت
کیوں کر نہ کروں فکرِ سخن مجھ کو ہمیشہ لاتا ہے ادھر کھینچ تقاضائے طبیعت
گر اس کی نفاست کو کوئی غور سے دیکھے خود روح مجسم ہے سراپائے طبیعت
گر جاوے وونہی چشمِ مہ و مہر سے دیبا دکھلاؤں اگر عالمِ دیبائے طبیعت
قرآن کو کیا دیکھے ہے زاہد تو کبھی دیکھ میرا بھی تو فرقان [3] محشائے طبیعت
سمجھے وہ بلاغت کو مرے [4] نظمِ سخن کی جو شخص کہ ہو ناظمِ انشائے طبیعت
افسردہ کیا مجھ کو زمانے نے تو کیا غم ہے گرم یہ میرا دمِ گیرائے طبیعت
ہے مصرِ معانی ہی کے یوسف کی خریدار ہر لحظہ یہ میری تو زلیخائے طبیعت
ہر چند کہ پھبتا ہے بہت جامہ غزل کا اے ہم نفساں بر قدِ [5] بالائے طبیعت
چار آئینہ ہے لیک رباعی کا بھی موزوں ہے جس سے نظر محوِ تماشائے طبیعت
پر زلف قصیدے کی جو کچھ پھبتی ہے اس کو کیا اس کا میں مذکور کروں، ہائے طبیعت
سو وہ بھی طبیعت ہے نہ ہر اہلِ سخن کی ایک آدھ کا ہوجائے ہے غوغائے طبیعت
میں ملکِ معانی کا طرفدار ہوں جب سے ہرگز نہیں کوئی مرا ہمتائے طبیعت
میں مدح کروں اپنی تو کچھ غم نہیں اس کا پر مجھ سے کبھی ہجو نہ کہوائے طبیعت
کس واسطے یہ شیوہ ہے مذموم اکابر ہوتا ہے سخن موجبِ ایذائے طبیعت
شاعر کو یہ لازم ہے کہ اگر شعر بھی لکھے جز مدح کے ہرگز نہ کہوں لائے طبیعت
سو مدح میں کرتا ہوں اب اس شخص کی جو ہے درملکِ بلاغت علم آرائے طبیعت
یعنی علی آں جزوکشِ مکتبِ ابداع جبریل کہے ہے جسے ملائے طبیعت

در علم کا جس کو کہ محمدؐ نے کہا ہو — اس در سے نہ کیوں فیضِ سخن پائے طبیعت
سجدہ نہ کیا روز ازل گر اسی در پر — تو چمکے ہے کیوں ماہ سی سیمائے طبیعت
دن رات میں ہرگز نہ رہے فرق سرِ مو — ٹک کام عدالت کو جو فرمائے طبیعت
ہو جس کا پرے مرتبہ مدح سے رتبہ — کیا اس کو بھلا ذہن میں ٹھہرائے طبیعت
طغرا نے مخمس جو لکھا ہے تو وہ جانے — عاجز ہے یہاں اپنا تو طغرائے طبیعت
تعریف کروں کیا دمِ شمشیر کی اس کے — گیرا ہے یہ کس کا دم گیرائے طبیعت
گر سایہ فگن ہو سرِ حیوان پہ وہ تیغ — اور ساتھ ہی انسان کی گھبرائے طبیعت
ترکیب میں تفریق پڑے آن کے ایسی — جو دم میں مجرا وونہی ہوجائے طبیعت
گھوڑا ہے ترا تیزتگ ایسا کہ بشر کا — رفتار کو جس کی نہ لگے پائے طبیعت
تو باگ اچک لے تو پلک مارتے وہ رخش — طے کر کے پھرے وسعتِ دنیائے طبیعت
کب مدح ہوئے تیری سرانجام بشر سے — یوں چاہے سو بک جائے یہ سودائے طبیعت
خود ذات تری منشی احکام خدا ہے — اس سے ہی موشح ہے یہ طغرائے طبیعت
ہے طے بیابان سخن مجھ کو تو دشوار — با ایں قدم آبلہ فرسائے طبیعت
جوں چاہیے ہے مدح تری ہو نہیں سکتی — عاجز ہے بہت خامۂ املائے طبیعت
پس اس سے یہ بہتر ہے کہ اب حرفِ دعا کو — لاوے بہ زباں طوطیِ گویائے طبیعت
جب تک کہ فلک پر ہے یہ منظوم کواکب — جب تک کہ ہے شعریٰ کو یہ دعوائے طبیعت
شاہا جو ثنا خواں ہیں ترے ان کی زباں پر — بھر عمر رہے لذتِ حلوائے طبیعت

اور وہ جو ہیں لب بستہ تری مدح سے ان کی
کور آئینۂ تیرہ سی ہوجائے طبیعت

❁❁❁

13۔ منقبت حضرت امیرؑ[1]

روز نوروز کرے کیوں نہ دلوں کو صیقل	عکس خورشید سے ہے روکش آئینہ حمل
فرش ہے سبزہ پہ گل اور وہ گل پر جس طرح	ہووے گستردہ کسی جا پہ دو خوابہ مخمل
گل مہتاب میں [2] ایسی ہی صفا ہے کہ نظر	صحن پر اس کے قدم رکھتے ہی جاتی ہے پھسل
وہ جو نظارے کے شائق ہیں انھوں کی آنکھیں	ہر نظر کھینچتی ہیں حسرتِ چشم احول
عشق پیچے کی تری کا کہوں میں کیا عالم	شاہد گل ہے یہاں پردے سے جس کی اوجھل
قوت نامیہ کے فیض کی پرکاری سے	کیا عجب ہے جو اگے ٹھوس زمیں سے نرسل
خاک سے مردۂ صد سالہ کے بوسیدہ عظام	سبز ہو کر کے وونہی دانے سی آتی ہیں نکل
ڈالیوں پر ہے درختوں کی جو ایام شباب	ابھرے پستاں سے نظر آتے ہیں ان کے کونپل
سبز پاوے پھر اسے نیم کی پتی کی طرح	بھولے دہقاں جو ہرے کھیت میں رکھ کر منجل
ناخن دست حنا بستہ ہیں گل برگ تمام	ساتھ سرخی کے سپیدی گئی ہے ان کی بدل
خیرہ چشمی سے جو دیکھا تھا رخ گل کی طرف	اب تلک دیدۂ شبنم ہے گرفتار سبل
ہر سحر اٹھ کے بصارت کے لیے نرگس پیر	اپنی آنکھوں میں چنبیلی کا کرے ہے کاجل

پھول جاتی ہے وو نہی آنکھوں تلے سرسوں 3 سی ۔۔۔ منتشر ہووے ہے گر خاک میں مُشت خردل
سبز و پر دانہ کنول کٹی کی صورت ہوجائے ۔۔۔ پھینک دے جا کے جو گلشن میں کوئی شانِ عسل
چاہتا ہے کہ زمرّد سے کرے ہم چشمی ۔۔۔ رنگ لال اپنے کو سبزے سے بدل کر حنظل
باغ میں جائیے گر شب کو تماشے کے لیے ۔۔۔ سبز آتا ہے نظر شعلہ و دودِ مشعل
کوہ کی تیغ سے جوہر سا عیاں ہے سبزہ ۔۔۔ بس کہ ہوتی ہے سدا موجِ ہوا سے صیقل
پھول لالے کے جو واں جلوہ گری میں ہیں پہن ۔۔۔ دامن جامہ گل دوز ہے ہر صفہ دل
بس کہ ہے جوشِ نباتات ہر اک صحرا میں ۔۔۔ سبز آتی ہے نظر وہ جو زمیں ہے رینل
ساغرِ لعل سے ہے گل کے تئیں ہم چشمی ۔۔۔ سبز پتے ہیں سو ہیں لوحِ زمرد بہ مثل
باغ معمور ہے پھولوں سے کہے تو اس سال ۔۔۔ تھا دفینہ جو دیا خاک نے اک بار اگل
ایک کو ایک پہ ازبس کہ نہیں یاں تقدیم ۔۔۔ ساتھ نکلے ہے ہر اک نخل کے اب پھول اور پھل
نہ فقط لالے نے کچھ ناز سے کج کی ہے کلا ۔۔۔ زلفِ سنبل میں بھی پڑتا ہے اک انداز سے بل
اب اسے دیکھ تو ہے عرش پر اس کا بھی دماغ ۔۔۔ کیتکی نام جو لونڈی تھی چمن کی شفتل
منہ میں شبنم کے بھر آئے ہے ہر دم پانی ۔۔۔ بس کہ دل اس کا گیا ہے رخِ گل دیکھ پھسل
اس ہوا بیچ تعجب ہے جو مجھ سا شاعر ۔۔۔ نہ پڑھے جا کے گلستاں میں یہ تازہ غزل

غزل

جس زمیں پر کہ شہیدوں کا ترے تھا مقتل ۔۔۔ اب تلک کا ٹیں تو فوارۂ خون ہے زہل
جمع ہو کر کے مرے لختِ جگر کے ٹکڑے ۔۔۔ ساتھ آنسو کے بہے جیسے کہ دریا میں کنول
تیرہ روزی سے عجب کیا ہے اگر بعد از مرگ ۔۔۔ استخوانوں کو فلک میرے بناوے مکحل
اشک آنکھوں میں مری پھرتے یوں روزِ وداع ۔۔۔ جیسے ہاون میں کریں ریزۂ الماس کو حل

دل خونیں جگراں مفت پسے جاتے ہیں — اپنے ہاتھوں سے چھڑاؤ نہ حنا کو مل مل
گریہ یاں تک میں کیا ہے کہ ہوئے ہیں دونوں — پتلی آنکھوں کی مری سرخ تر از چشم قزل
منع کرتا نہیں اے گل میں تجھے ہنسنے سے — پر یہ ڈر ہے نہ پڑے موج تبسم میں خلل
چشم خورشید جھکی پڑتی ہے کچھ اس کی طرف — ہے دوپٹے کا ترے یہ جو طلائی آنچل
مصحفی سمجھیں ہیں رتبے کو مرے اہل کمال — ہوں خط و خال کا شاعر بہ گمان ارزل

☆

جی میں آتا ہے کروں مدح اب اس کی کہ جو ہے — قلم صنعت نقاش کا نقشِ اول
یعنی آں صاحب شمشیر دوسر جس نے کہ کیں — ایک ضربت میں ہزاروں صف اعدا فیصل
قوت بازوئے احمدؐ علیؑ عالی قدر — شیر میدانِ وغا صف شکنِ جنگِ جمل
ماحی بدع و فتن محی آثار شریف — قاسم کوثر و ممدوح خدا عزّ و جل
بانی کعبۂ دیں ہادم بنیان فساد — سر بر عنتر و گردن شکن لات و جبل
زہرہ پیچھے میں اس کے ہے کہ مرحب[4] کے تئیں — در خیبر کو اکھاڑ اس نے کیا مستاصل
پے کیا ضربت شمشیر نے اس کی جس کو — حشر کے دن بھی نہ اٹھا وہ رہا دوں ہی شل
یا علیؑ سامنے آیا تھا ترے میں اس وقت[5] — یاد آیا ہے مجھے کیا ہی یہ مطلع بہ محل
اے کہ ہے علم ترا منتخب علم ازل — تھا جو کچھ پردے میں آیا وہ پردے سے نکل
نوع انساں کو تری ذات سے کیا نسبت ہے — اور کامل کوئی ہووے گا تو، تو ہے اکمل
دیدنی ہے یہ تماشا کہ تری تیغ دوسر — لوح پر سینۂ دشمن کے ہوئی ہے جدول
اس کے کشتوں کی جہاں لاشیں پڑی ہیں بے سر — پاؤں گن گن کے وہاں رکھتی ہے دہشت سے اجل
یعنی اس واسطے ہے صورت اژدر وہ تیغ — ایک پھنکار میں جاوے نہ کہیں اس کو نگل
اس کی برش میں کہوں کیا کہ دھڑ روئیں پہ — مارے اک ہاتھ جو تو خانۂ زیں پر سے اچھل
پھر وہ دھڑ آئے نظر سب کو دو پارہ اس شکل — گرد براں کے تلے جیسے کہ آجائے بصل

ضربت گرز کا پھر تیری کہوں کیا صدمہ — جس سے لرزے ہے زمین اور گئے کوہ دہل
مارے گر اس کو سر خصم قوی پیکر پر — جس کا آہن میں نہاں ہو بدن از بیم اجل
خود سر میں دھنسے اور کاسۂ سر گردن میں — گردن آسینے میں، سینہ ہو کمر کی ہیکل
الغرض سانس کو اس کی نہ ملے راہ فرار — غیر اس کے کہ تہی گاہ سے جاوے وہ نکل
کیا ترے رخش سبک سیر کی تعریف کروں — کند ہے خامہ مرا اور وہ نہایت اچپل
اس کو مشرق سے جو مغرب کی طرف پھینکے تو — عرصۂ آمد و شد اس کا ہے کم از یک پل
اس کی نعلوں میں جو چوبیں لگی ہیں میخیں — گر چہ جوں قلب جنوبی و شمالی ہیں اچل
لیک جس وقت کہ ہوتا ہے وہ گرم رفتار — چرخ چاہے ہے کرے عقد ثریا سے بدل
اس کے منہ پر ہے جو خرطوم کی صورت پاکھر — بن کے آتا ہے وہ دشمن کے لیے پیل اجل
عضو عضو اس کا ہے شوخی سے زبس گرم تپش — تازیانے کے نشاں مند نہیں اس کے کفل
سایہ ہفتاد قدم اس سے رہا ہے پیچھے — بس کہ پاؤں کے تلے اس کو گیا ہے وہ کھندل
جلد میں پھر یہ صفا ہے کہ اگر دست خیال — پڑے پٹھے پہ تو آ رہتا ہے زانو پہ پھسل
گرم خیزی کا یہ عالم ہے کہ جوں شعلۂ برق — نقش پا اس کا قدم اس کے سے جاتا ہے نکل
سر دشمن پہ وہ جس وقت کہ آپہنچے ہے گرم — دیکھ کر اس کو وہ کہتا ہے یہ گھوڑا کہ اجل؟
آہن نعل کی گر اس کی بنادیں تلوار — میان کو چیر کے بجلی کی طرح جائے نکل
اس کے راکب کی نظر پڑتی ہے جاکر کے جہاں — پچھلے پاؤں اس کے پہنچتے ہیں نظر سے اول
گرچہ خود ابر کا ٹکڑا سا ہے وہ پارۂ کوہ — لیک بجلی کے سے ہیں پاؤں میں اس کے چھل بل
ہے گہے چرخ کے اوپر تو زمیں پر گاہے — عرش اور فرش کو ڈالا ہے غرض اس نے کھندل
اس کے سائے سے اگر دیجیے اس کو تشبیہ — سرعت ماہ سے پھر کم نہ ہو رفتار زحل
رسم وعدے کی نہیں بس کہ ترے عہد کے بیچ — آج کا نام زباں پر کوئی لاتا ہے نہ کل
قوت نامیہ بھیجے تو اگر دریا میں — شاخ مرجاں سے عجب کیا ہے جو پھوٹے کونپل

آوے جس وقت کہ خورشید فلک سمت الراس — اور تو اس کو کہے اتنا ہی اب یاں سے نہ ٹل
رہے اس جا ہی کھڑا حکم کا باندھا تیرے — اس میں گو مدت ایام کے دن جاویں نکل
نہ ہلے واں سے وہ گل میخ کی صورت ہرگز — تو ہی جب تک نہ کہے اس کو کہ بس ہاں اب چل
عہد میں تیرے یہ غمخواری ہم دیگر ہے — کہ جو خورشید ہو تپ لرزہ سے مغلوب کسل
آئے ہے کانپتا گھر لیلیٰ شب کے دم شام — اٹھ کے وہ اس کو اڑھا دیتی ہے کالا کمبل
ہے ولایت سے تری شان نبوت پیدا — کہ رہا ہے تو قدم بر قدم صدر اجل
خبر لحمک لحمی سے ہوا یوں ظاہر — کہ تو ہم جامہ ہے با جسم نبی مرسل
زوج کو دخل نہیں فرد کی یکتائی میں — گو کہ دو شکل نظر آویں بچشم احول
دشمن و دوست ہزاروں ہیں یہاں گوش بہ حرف — مدح تیری کا بیاں چاہیے کرنا مجمل
کیوں کہ تفصیل اگر کیجیے تو حشرات الارض — ابھی ڈھونڈیں ترے مداح کی باتوں میں زلل
اس سبب میری زباں سے جو نکلتا ہے سخن — فہم دانا کے ہے نزدیک و ماقل و دل [5]
اب میں ہوتا ہوں ترے سامنے سرگرم دعا — وہ دعا سن کے جسے بول اٹھے آمیں دنگل
یعنی جب تک کہ ہے عالم میں نماز اور روزہ — یعنی جب تک کہ ہے یہ حی علیٰ خیر العمل

تیرے مداحوں کو ہو سایۂ طوبیٰ روزی
جلیں خورشید قیامت میں جو ہیں قوم دغل

14۔ قصیدہ در مدح جناب امیرؑ

تیرہ روزی سے مری کیوں کہ نہ ہو شاد آتش
شب کو آتی ہے نظر جیسے پری زاد آتش

چاہ گو گرد سے روکش ہے مرا داغ جگر
عوض آب یہاں رہتی ہے آباد آتش

خس لاغر تو ہوں لیکن صفت آتش برگ
نوک مژگاں سے میں کرتا ہوں نت ایجاد آتش

کھاؤں ہوں لے کے سر شمع سے افیوں ہر شام
مثل گل گیر ہوئی ہے مری معتاد آتش

دم ثعباں سے نہیں کم دم سوزاں میرا
باخبر رہیو تو ہمدم کہ ہے یہ باد آتش

تلتے ہیں پلۂ اخگر میں مرے قطرۂ اشک
روز اول سے ہے اس آب کی ہمزاد آتش

عکس سے عارض رنگیں کے ترے جام میں رات
تھی خط بصرہ سے لے تا خط بغداد آتش

وادی قدس میں رکھ برہنہ پا ہو کے قدم
یہی موسیٰ کے تئیں کر گئی ارشاد آتش

میرے نالے کی دکاں گرم ہے ایسی جس سے
دام مانگے ہے سدا کوزۂ حداد آتش

شعلۂ قد کے ترے سوختہ کی تربت سے
رات اٹھے تھی بہ طول قدِ شمشاد آتش

بس کہ اس حسن برشتہ نے جلایا ہے مجھے
جائے خوں اب مری رگ رگ میں ہے فصاد آتش

اک تو میں سوختۂ برق نگہ ہوں اس کا
تس پہ دست آتش و تیغ آتش و جلاد آتش

کُن شیٔ کے مقولے کا نہیں میں قائل جوں سمندر مری طینت کی ہے بنیاد آتش

اس قدر عام نہ تھی حسن پرستی اے بت عہد میں تیرے ہوئی قبلۂ زہاد آتش

دیکھ کر خوں کا مرے دست و گریباں ہونا دست قاتل میں ہو خنجر فولاد آتش

چاشنی ہووے نہ شیریں کبھی شیرینی کی لب لعل اس کے سے تالیوے نہ قناد آتش

جب گرفتار کیا اس کو تو بلبل نے کہا آشیانے کو لگا دے میرے صیاد آتش

اس کو دکھلاؤں جو رخسار ترا موتی سا دے لگا باغ ارم کو ابھی شداد آتش

فندق دست حنائی سے ترے لعب کے وقت بوسہ زن تھی بہ سر تختۂ نراد آتش

دل پر داغ کو گلخن ہے بہار گلشن جان ناشاد کو ہے خلخ و نوشاد آتش

دیکھ کر حسن ترا یوں وہ کہے ہے جی میں دے مرقعے کو لگا اپنے تو بہزاد آتش

جب کہ تصویر کو شیریں کی کیا اس نے رقم بن گیا جائے کلک تیشۂ فرہاد آتش

اب زباں چاہیے ہو مدح میں اس کی سرگرم عدل سے جس کی کرے خس پہ نہ بیداد آتش

آب ہے جس کے وظائف میں یہ تسبیح حباب جس کا کرتی ہے دمِ شعلہ سے اوراد آتش

واسطے جس کے مرتب ہیں بہم چار کرہ واسطے جس کے مرکب ہے بہ اجساد آتش

قاسم جنت و نار آں علیؑ عالی قدر حکم سے جس کے ہوئی آب کی منقاد آتش

عنصر غیر مرکب کو جو وہ دیوے جسم طرح جوہر کی ہو خود قابل ابعاد آتش

گر تو دیوے اسے حکم اپنے سے یک ذرہ فروغ لغزش پا کا کرے کوہ پہ ایراد آتش

ہووے مانع تو دگر گرمی یک دیگر کا سنگ سے لگ کے نہ دے تیشۂ فرہاد آتش

اشقیا کو جو ترا حکم اسیری پہنچے طوق و زنجیر بنے بہر ہر آزاد آتش

تیرے دشمن کے جو گھر ہووے ہے بیٹا پیدا غسل کو جاتی ہے اس کے دم میلاد آتش

کیوں کہ گزرے ہیں جو یاں قاتل نسل سادات ان کو اور دیکھ سکے صاحب اولاد آتش

آسماں حفظ سے تیرے ہے بچا ورنہ ابھی طرح باروت کی دیوے اسے برباد آتش

بس کہ خطرہ ہے تری برق غضب کا اس کو یہ تو کیا تنکے پہ کرتی نہیں بیداد آتش
جاری اخراج پہ سرکش کے ہو گر تیرا حکم نظر آوے نہ بہ ویرانہ و آباد آتش
نہ رہے مرکزِ ہستی میں وہ اک آن کبھو جائے بار اپنا وونہی سوے عدم لاد آتش
گر نہ ہووے تجھے مفسد کی رہائی منظور سخت گیری سے نہ ہو سنگ کی آزاد آتش
گرم خیزی کا ترے رخش کی کیا وصف کروں وقتِ سرعت کے ہو جس دم وہ ہوا زاد آتش
برق کی طرح سے چڑھ جائے فلک پر اس طرح جس کی انگیز سے شوخی کو کرے یاد آتش
کرۂ نار پہ پھر اس کا جو پڑ جائے قدم ٹاپ کے صدمے سے کرنے لگے فریاد آتش
اور جو شمشیر دوسر تیری ہے رشکِ بحرین اپنا تیزی میں اسے سمجھے ہے استاد آتش
گرچہ ہے آب کی صورت تو بظاہر لیکن اس کا لوہا ہے غضب، اس کی ہے فولاد آتش
کڑکڑا کر کے وہ جس در پہ گری صاعقہ دار شور افتاد دراں قلعہ کہ افتاد آتش
کیوں نہ دشمن کو جا خاک کرے روز نبرد ہے بجھی آگ میں وہ اس کی ہے بنیاد آتش
طبع جولاں پہ جو لاؤں تو ابھی دیر تلک قید سے قافیوں کی ہووے نہ آزاد آتش
لیک کچھ لطف نہیں مردم دانا کے حضور متجاوز ہو اگر از حد تعداد آتش
پس یہ بہتر ہے کہ اب مصحفی سوختہ جاں جس کے سینے میں بنا ہے دل ناشاد آتش
اس قصیدے کو کرے حرف دعا پر اتمام وہ دعا جس سے پڑے در دل حساد آتش
جب تلک آوے فلک دود کی صورت پہ نظر اور یہ رنگ شفق شکل پری زاد آتش
آب کوثر سے ترے دوست رہیں سب سیراب اور جو دشمن ہیں کرے ان کی یہ امداد آتش

کہ اگر روز جزا خاک سے وہ سر کھینچیں
پاویں ہر چار طرف خاوی اجساد آتش

✿✿✿

15۔ درمدح حضرت امام حسنؑ

زبس تھی الفت زنار بنداں دل میں پنہانی
گرے آنکھوں سے آنسو بن کے تسبیح سلمانی

گلے لگتے ہی ڈوبے ہم تو بس شمشیر قاتل کے
ہوئی کشتی ہماری آ لب دریا پہ طوفانی

توجہ شخص ظالم کی سبب ہے قطع ہستی کا
نہیں سیراب کرتا نخل کو شمشیر کا پانی

یہ عہد ہندوے زلف بتاں میں جوزا کاری ہے
کہ شب بازوں سے ہوسکتی نہیں اپنی نگہبانی

پرطاؤس بن جاوے گا سینہ نوبہاراں تک
اگر اس سال یہ ہے دل [1] کے داغوں کی فراوانی

مبادا تیر باراں پھر کرے اس کو سحاب آ کر
حباب اس ڈر سے اپنے سر پہ نت رکھتا ہے بارانی

ترش ہونے کا باعث حرف پہلو دار ہوتا ہے
کرے کمرکھ کی صحبت کیوں نہ گل کو سرکہ پیشانی

اک آبی پیرہن اس بحر سے مقسوم ہے اپنا
حباب آسا نہیں ملتی ہے اس پر بھی تن آسانی

فلک مصروف ہمواری ہوا ہے اس قدر میرا
کہ آمد شدِ نفس کی دل پہ اب کرتی ہے سوہانی

جہاں کا بھید کچھ کھلتا نہیں ہم پر مگر اتنا
کہ کتنے بے گنہ اک چاہ زنداں میں ہیں زندانی

ہمارے خوں کی سرخی نے فزوں کی تیر کی قیمت
لگا جو دل پہ پیکاں بن گیا وہ لعل پیکانی

نظر آتا نہیں ہم کو تو انجام شب ہجراں
مگر صبح قیامت پر کھنچی اس شب کی طولانی

سنگ گردوں بھنبھوڑے ڈالتا ہے مجھ کو تاروں کے2 سے
نہیں جاتی ہے اس موذی کی ہرگز تیز دندانی

گلیم تیرہ بختی سر پہ دن اور رات رکھتے ہیں
ملی ہے ہم کو یہ سرکار اعلیٰ سے زمستانی

زمیں ہے بحر شور انگیز اب جی میں یہ آتا ہے
کہ معنی دار سا لکھوں کوئی میں مطلع ثانی

مطلع ثانی

عناصر کے سبب نت روح کی ہے خانہ ویرانی
ہوئی ہے چار موجہ میں یہ کشتی آ کے طوفانی

اگر پنجے میں کچھ بھی تیرے دیوانے کی قوت ہو
ہزاروں چاک کے درخور ہے اس کا رخت عریانی

ستارے ہیں کہ یا لکھے ہیں یہ چن چن کے شعرا نے
بیاض کہکشاں میں شعر نوری صفاہانی

تصور میں خدا جانے میں کس سمرن کے رویا ہوں
کہ آنسو صبح تک کرتے رہے شب سبحہ گردانی

بہایا سیل میں آنسو کے میرا لخت دل ہے ہے
نہ جانی تو نے کچھ اے چشم قدر لعل سیلانی

گلستاں میں ترا دیوانہ سن فریاد بلبل کو
لگا یوں زیر لب کہنے یہ کیا بکتی ہے دیوانی

نہ آتی خواب راحت مہد گل میں طفل شبنم کو
صبا کو گر نہ ملتی خدمت گہوارہ جنبانی

تماشا گاہ عبرت ہے جہاں اچھوں کے یاں دیدے
ہوئے ہیں دیدۂ تصویر آسا وقف حیرانی

فزایش نور کی حاصل نہ ہو اس در کے ساجد کو
نہ ہو جوں ماہ نو جب تک صرف سجدہ پیشانی

جبیں پر اس کے یہ موے حسیں اس کے پریشاں ہیں
بروے صبح صادق خندہ زن ہے شام ظلمانی
شفق کے خوں سے ظاہر ہے فلک مذبوح ہے کس کا
نکلتی ہے ستاروں سے جو شکل چشم قربانی
ریائی سجدہ ان مسجد نشینوں کو مبارک ہو
بہ رنگ لالہ مادر زاد ہے یاں داغ پیشانی
کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کہکشاں کا پل بھی بہہ جاوے
کہ سیل چشم عاشق ان دنوں ہے رو بہ طغیانی
قلم تھا کس قدر اور صفحہ کاغذ بھی کتنا تھا
جو میرے شوق نے زلف سخن کو دی ہے طولانی
یہ جی میں ہے کہ لکھیے وہ غزل اب وصف میں اپنے
کہ جس کو سن کے بھولے بلبل بستاں غزل خوانی

غزل

بہ رنگ لالہ گو گلشن کی رکھتا ہوں جہانبانی
نہیں بے داغ ہرگز سر پہ میرے تاج سلطانی
اگر موے قلم کو اپنے پاؤں اس کے سے نسبت دوں
عجب کیا ہے کرے گر مور دعواے سلیمانی
یہ کس رشک پری کے چھلے نازک اس کے ہاتھ آئے
بصد دل جس [3] کی ہے دل بستہ تسبیح سلیمانی

سنا ہے میں کہ دندان حسد بس تیز ہوتے ہیں
بجا ہے دوست بھی ہوویں مرے گر دشمن جانی

قضا پر مسند معنی کی میں بیٹھا ہوں یہ ڈر ہے
کہیں درے نہ کھاوے قاضی نوری صفاہانی

سخن کا اہل ہوں البتہ اتنا تو سمجھتا ہوں
کہ میں اہلیِ شیرازی نہ اہلیِ خراسانی

مرا تو مبدأ فیاض بس فیاض محسن ہے
کوئی گر محسن تاثیر ہو یا محسن فانی

ہوا سے بھر رہا ہوں میں بس اس دو دم کی ہستی پر
نہیں برباد جاتا مقتضائے طبع انسانی

میں کہتا اس سے جاکر ناں فروشی کر تو اردو میں
قصیدہ کہہ نہ لاتا شان میں تیری اگر ثانی

اگر توسن کو میں اپنی طبیعت کے ذرا چھیڑوں
تو ساتھ اس کا نہ دیوے مرکب ادراک خاقانی

نزاکت آفرینی گر قلم کی اپنے دکھلاؤں
تو جو موے کمر باریک ہووے میرزا جانی

زباں میری بھی گر وہ دیکھتا تو دنگ رہ جاتا
قیامت گرچہ تھا سحباں کو دعوائے سخن دانی [4]

بھلا میرے مرقعے کا بھی عالم اک ذرا دیکھو
اگر ہے ہاتھ میں سودا کے یارو خامۂ مانی

قصائد میں مرے اور اس کے چنداں فرق ہے تو کیا
میں عرفی ہی سہی اس فن کا گر گذرا وہ خاقانی
خوش اے مصحفی اب مدح لکھ اس پاک گوہر کی
کہ جس کے فیض سے قطرہ کرے دعوائے عمانی
امام ثانوی 5 حضرت حسنؑ وہ صاحب دانش
رکھے ہے عقل جس کی درک عقل کل پہ رجحانی
وہ بینی گر کرے یاں چشم احول اس کا نقصاں ہے
وگرنہ ذات اس کی حق نے پیدا کی ہے لاثانی
خیال زہر دادن میں تھے اسا اس کے مدت سے
بہ اغوائے زن محتالہ و وسواس شیطانی
کیا جب سودۂ الماس داخل اس میں جا اس نے
سرہانے اس کے وہ جو کوزۂ مہری میں تھا پانی
ہوا رنگ اس کا اس دم سبز اس پانی کے پینے سے
بنایا آسماں اس کو جو تھا خورشید نورانی
جگر کے طشت میں ٹکڑے گرے اور چشم کے آنسو
کہ اس پانی میں وہ بھی مل کے ہوویں لعل سیلانی
نہ تھا وہ طشت گویا اس کی خاطر خوان دعوت تھا
اجل نے جس کی ان ٹکڑوں پہ کی تھی آپ مہمانی
لباسِ سبز خالق نے جو بھجوایا تھا احمدؐ کو
اشارہ تھا کہ ہو مسموم ابن شیر یزدانی

یہ پرزے دوستوں کے دل کے اس حالت میں اڑتے تھے
کرے تھا اس کی صورت دیکھ دامن بھی گریبانی

ثنا اس کے سوا اس کی کروں کیا خلق جانے ہے
علیؑ تھا گر نبی ثانی تو وہ بھی ہے علیؑ ثانی

کمال ظاہر و باطن کب اس کے ثبت ہوتے ہیں
کرے گو خامہ دشت مدح میں دن رات جولانی

کروں کیا وصف میں اس کے پری پرواز مرکب کی
ہوا کی طرح دریا پر کرے جس دم وہ جولانی

حباب آب کے سر پر نہ صدمہ نعل کا پہنچے
نہ ہووے موج سے پیدا شکنج چین پیشانی

رکھے ہے تس پہ یہ سرعت کہ مشرق سے سوے مغرب
سوار اس کا جو پہنچے اس کو وقت شام ظلمانی

کرے تکرار آنے جانے کی وہ اتنے عرصے میں
کہ شکل ماہ نو بننے نہ پاوے خور کی پیشانی

شعاع مہر کی کیا تاب پٹھوں پر پڑے اس کے
مگر چوری بن اس کی دم کرے آپھی مگس رانی

خم شمشیر کی تعریف میں قطع سخن اولی
کہ کرتی ہے زباں کو پارہ پارہ اس کی پرانی

پڑا گر سایہ اس کی آب کا جزو مجرد پر
دکھائی ایک ہی پیکر میں اس نے صورت ثانی

اجل کشتے کو اس کا شربت تیزاب کافی ہے
اگر پانی کی ہووے اس کو وقت نزع عطشانی
ہے اس کے جوہروں سے کہکشاں گرداب حیرت میں
ہے اس کے چکروں میں کشتی نہ چرخ طوفانی
اگرچہ سیل کی صورت سراپا ہے وہ موج خوں
پر آب تیز اس کی اور بھی رکھتی ہے سیلانی
سنے ہے مصحفی بس اب دعا میں ہاتھ اٹھا اپنا
ہوئی کب تجھ سے جوں چاہے ہے جی اس کی ثنا خوانی
الٰہی جب تلک ہے دور چرخ و گردش انجم
الٰہی جب تلک ہے نور صبح و شام ظلمانی
عزاداروں کو ہووے تیرے وقت تعزیت داری
بہ آسانی میسر سینہ کوبی اشک افشانی
جو ہوں قوم خوارج سے انھوں کی روز محشر میں
جز آبِ گرمِ دوزخ کم نہ ہو سینے کی عطشانی

❁❁❁

16۔ در مدح حضرت امام حسینؑ

خاک چمن نے رنگ نکالا ہے اب کے سال — پھولوں کی ڈالیاں نظر آتی ہیں لال لال
سبزے پر اہتزاز ہوا سے ہر اک طرف — لوٹے ہے مثل مار سیہ سایۂ نہال
جب بیٹھتا ہے میوۂ شیریں کے نخل پر — اٹھتا ہے ہو کے رشتہ بپا طائر خیال
ازبس کہ سبز پتوں کی سبزی ہے ڈہڈہی — کھینچے ہے اس سے لوح زمرد بھی انفعال
لشکر کش بہار کا یوں حکم ہے کہ ہو — چہرہ ہر ایک گل کا نئے سر سے پھر بحال
ہر [1]فرد پر ہو دستخط اک امتیاز سے — واپس نہ ہووے لکھے کے جولاوے کوئی سوال
سر سبزی بہار کے لکھنے سے کیا عجب — ہوجاوے سبز جوف قلم میں قلم کا بال
آتا ہے آفتاب جو صحرا سے باغ میں — وقت زوال بھی نہیں ہوتا اسے زوال
شنگرف سودہ سا نظر آتا ہے رنگ گل — ہیں برگ غنچہ رشک لب طفل خرد سال
سرخی نے داغ لالہ کو یوں جالیا ہے گرم — جیسے کہ نیم سوختہ آتش میں ہو زغال
اس فصل میں کہ نامیہ ہے عامل زمیں — پتھر پہ دانہ سبز نہ ہووے یہ ہے محال
سبزے کی مومیائی سے ہوجاوے ہے درست — ٹوٹے ہے گر زمیں پہ کہیں کاسۂ سفال

خاکِ چمن سے کیوں نہ اگیں پھول لالہ رنگ
یہ خاک اس ذبیح کے خوں سے ہوئی ہے لال

رنگیں کفن شہید بیابانِ کربلا
یعنی حسین جس کا نہ پیدا ہوا مثال

ٹک غور سے تو دیکھ کیا اس نے کس قدر
پاسِ مزاجِ اقدسِ تقدیرِ ذوالجلال

تھی ذات اس کی حلمِ مجسم جہاں میں خلق
ورنہ منہ اس کے پر کوئی چڑھتا یہ کیا مجال

شاہا کسو نے اب تئیں دیکھا نہ اور سنا
رن اس طرح کا اور اس انداز کا قتال

تیرا ہی حوصلہ تھا کہ [2] باخویش و اقربا
راضی رہ رضا پہ رہا تو نکو خصال

گذرے ہیں انبیاء بہت، اس طرح سے کیا
امت نے کس نبی کی نبی زادے کو حلال

ان کی جفا کا ذکر تو کیا کیجیے غرض
تیری رضا کا مرتبہ پانا بہت محال

ہے یہ جو ذوالجناح ترا رخش باوفا
میں لکھ سکوں گا اس کی ثنا، میری کیا مجال

سب خوبیوں کا اس کی بیاں مجھ سے کب ہوا
ہے یہ ہی بس کہ کیجیے سرعت میں قیل و قال

گر گرم پویہ ہووے تو اک پل کے مارتے
پہنچے وہ واں نہ پہنچے جہاں وہم اور خیال

اس کا پڑے جو عرصۂ ایام پر قدم
ہووے نہ دو قدم کے سوا راہ ماہ و سال

گیسوئے حور نے اسے حبل المتیں کہا
جنت میں لے گئی تھی صبا اس کی دم کا بال

پھیرائے ہے ہوا میں تو اس وقت پیش چشم
جعدِ پری سے کم نہیں چہرے پہ اس کے بال

عالم یہ جست کا ہے کہ بس جس کو دیکھ کر
صحرا کے بیچ چوکڑی بھولے وونہی غزال

تو قاش زیں پہ جیسے کہ جوزا میں آفتاب
زیں اس کی پیٹھ پر فلکِ سبز پر ہلال

سعدین کا قراں نہ کہوں کیونکہ میں کہ ہے
راکب جو حور شکل تو مرکب پری مثال

جس جس جگہ زمین پر اس کا قدم پڑا
راتوں کو جلوہ گر ہوئے واں بدر اور ہلال

جعدِ پری کو فرض ہے اس کی عناں بنے
گیسوئے حور چاہیے ہو اس کی پوز مال

تلوار کی برش جو بیاں کیجیے تو پھر
ترکیب جزو لایتجزا کو ہو محال

قبضے سے جس کے کوفت ہے کام نہنگ کو اور پیلا ہے جس کا دم مار کا وبال
دیکھا بچشم غور کسی نے تو یوں کہا یک موج آب جس میں یہ کچھ جوہروں کے جال
مارے اگر تو اس کو سر بوقبیس پر گھوڑا ڈپٹ کے میان سے یک بارگی نکال
جوں آسماں زمیں پہ گرے اک طرف کو بوق اور اک طرف کو بیس کہ ملنا ہو یہ محال
تیر افگنی کا وصف تری میں لکھوں اگر دے ہاتھ سے یہ چرخ مقوس کماں کو ڈال
سوفار رکھ کے زہ پہ جو تو سوئے آسماں پھینکے خدنگ تیز رو اے صاحب کمال
طے کر خلا کے عرصے کو وہ تیر جب پھرے اور جا کے بیٹھے تہ میں سمندر کی اس کی بھال
گر منقبی میں اس کی ہو شک خلق کو تو پھر غواص لاوے سفتہ گہر کے صدف نکال
تیری شجاعت اور سخاوت کے وصف میں میری زباں تو کیا کہ زبان قلم ہے لال
ضعیف کر کے اس کو تو دیتا ہے لاکھ تک سائل کا تجھ سے نیم درم ہو اگر سوال
پھر تس پہ دھوم ہے یہ شجاعت کی دہر میں جس کے حسد سے شہرت رستم ہے پائمال
اب اس جناب میں [4] ہے یہی عرض مصحفی یعنی کہ آوے جب اسے ماتم کا تیرے سال
دس دن تری ہی تعزیہ داری میں صرف ہوں چہلم تلک ترا ہی رہے اس کو بس ملال
ہے عرض دوسری یہ کہ جب روز باز پرس حاضر ہو آ کے بھیڑ بہ ہنگامۂ قتال [5]

حشر اس کا ہووے شاہ شہیداں ترے ہی ساتھ
محشر میں جا ملے اسے تیرے صف نعال

۞۞۞

17۔ در مدح حضرت زین العابدینؑ

تھی بس کہ بہر خواب عدم بیقرار چشم کھلتے ہی مند گئی مری مثل شرار چشم
دے جام جم کہ چینی مودار سے مثال کھولے جو عیب بیں کی کبھی روزگار چشم
اے آہوے رمیدہ ترے انتظار میں جوں حلقہ ہاے دام کھلی ہیں ہزار چشم
حیران کارگاہ سپید و سیاہ دہر دن رات رہتی ہیں مری آئینہ دار چشم
یاروں کی بے مروتی یکسو کہ ان دنوں کتا ملا ہے ہم کو سو ہے وہ بھی چار چشم
ضعف بدن ہو موجب تاریکی بصر پیدا کرے ہے پیری میں اکثر غبار چشم
بینش فزاے دیدۂ مردم رہے مدام مانند سرمہ داں یہ مری پر غبار چشم
ہرگز کسی کے حق میں نہ کی میں نے عقربی مژگاں سے تھیں اگرچہ مری نیش دار چشم
جس بادیے میں ہم ہیں تجلی کی دید کو بجلی سے دام مانگے ہے واں نوک خار چشم
گر ناقہ رو بہ وادی مجنوں رواں نہ ہو دست بسر میں دے نہ نگہ کی مہار چشم
اس طفل نے سوار سے جس نے لڑائی آنکھ نرگس کی طرح اس کی ہوئیں نے سوار چشم
یاقوت خوں گرفتہ ہے وہ غنچۂ دہن بادام رنگ بستہ ہے وہ پرخمار چشم
نرگس کا منہ ہے تجھ سے صنم سرکشی کرے باایں عذار زرد و بہ ایں شرمسار چشم

راتوں کو تب سے برج میں عقرب کے ہے وہ ماہ
تاروں کی[1] جب سے اس کا ہوئی ہیں حصار چشم

جھنجھرے نہیں یہ قبر پہ عاشق کی، اب تلک
پیدا کرے ہے دید کو سنگ مزار چشم

بے روے دوست بس کہ ہوئی ہے نگہ وبال
پتلی کو اپنے دوش پہ سمجھے ہے بار چشم

کوری نہ کر کہ ڈالے ہے اک آن میں نکال
دشنے سے بادشاہوں کے یاں روزگار چشم

سرتا قدم بنا ہے ترے انتظار میں
نقش قدم کی طرح ترا خاکسار چشم

دیدار کے حریص کی سیری محال ہے
گر تن بسان شان عسل ہو ہزار چشم

سفا کی اس کی[2] دیکھ بھلا کیوں نہ ہم ڈریں
بنتی ہیں[3] جس کے واسطے نرگس کا ہار چشم

لعل و گہر ہی ایسے نکلتے ہیں رات دن
دولت سے عشق کی ہیں یہ سرمایہ دار چشم

سرخی میں کس کی چشم کی دیکھی کہ ہے ہنوز
خوں میں بھری بہ صورت بسمل شکار چشم

ہے جاے رشک حلقۂ زلف سیاہ کی
پاتا ہوں کتنی مائل رخسار یار چشم

ان کی کہ جن سے اژدر گردوں کو بیم تھا
زلفوں کو دیکھ اس کی ہوئی تار[4] مار چشم

دیکھا ہے جس نے باغ شہیدان کربلا
رکھتی ہے اس کی گلشن جنت سے عار چشم

زین العبا کی وصف میں لکھ اے فلاں کہ وہ
رکھتا تھا غم میں باپ کے نت اشک بار چشم

یاں تک کہ سالہا جو وہ رویا کیا مدام
از سیل خوں فگندہ بہ رخسار غار چشم

گریے نے اس کے نوح کا طوفاں دکھا دیا
یعقوب کی بھی تھیں نہ یہ زار[5] زار چشم

ان سے کبھی جدا نہ ہوا دست و آستیں
اس دلفگار غم کی رہیں نت فگار چشم

اے نائب امام حسینؑ اس طرف تو دیکھ
کچھ کچھ رکھے ہے تجھ سے یہ امیدوار چشم

یعنی جفائے چرخ سے جس دم مری شہا
یک بار خیرہ ہوویں دم احتضار چشم

رخصت ہو تن سے روح رہے جسم گل پڑا
رہ جاویں دیکھتی اسے آئینہ دار چشم

لاشے کو میرے کنج لحد میں کریں دراز
اور اس کی خاک قبر میں ہوں پر غبار چشم

واں اک دریچہ روضۂ رضواں کی سمت کو
کھلوائیو کہ دیکھیں گلوں کی بہار چشم

دنیا میں روے خوش کی یہ خوگر رہیں مدام		عقبیٰ میں بھی نہ چاہیے ہوں بے نگار چشم
نیزے کا تیرے رمح کے مذکور گر سنے		دشمن کا تن بہ رنگ زرہ ہو ہزار چشم
آوے اجل کو مرگ نظر اپنی وقت جنگ		کھولے جو تیرا نیمچہ آبدار چشم
عفت کا کیا بیان کروں میں تری تجھے		دیوے اگر بہ ہر سر مو روزگار چشم
دیکھے نہ تو کبھی طرف رنگ روے گل		نرگس صفت ڈھلیں بھی ادھر کو ہزار چشم
کیا کیجیے تیرے رخش فلک سیر کا بیاں		کاووں پہ جس کے کرتے ہیں انجم نثار چشم
آئی ہزار بار قیامت پہ بیم سے		نقش قدم سے ہو نہ سکی اس کے چار چشم
مژگاں سے ہیں اٹھائے ہوئے مصحفی مری		دست دعا بہ در گہ پروردگار چشم
یعنی ہے جب تلک کہ تماشائی جہاں		صناع مہر و ماہ کی لیل و نہار چشم
یارب ہمیشہ دشمن بد بیں کہ تیرے ہوں		مژگاں کی موئیوں سے ہم آغوش خار چشم

اور وہ جو خاک در کو تری سمجھیں توتیا
اس توتیا سے ان کی رہیں ہمکنار چشم

❁❁❁

18۔ در مدح حضرت علی اکبرؑ

ہے یاں قلم فکر کی جاگیر ہوا پر　　کیوں کر اسے حاصل نہ ہو توقیر ہوا پر
حیرت کدۂ دہر سے مشکل ہے رہائی　　اڑتا نہ سنا طائرِ تصویر ہوا پر
عاشق کا تصور بھی نظر آوے تو وہ شوخ　　جھنجھلا کے لگے مارنے شمشیر ہوا پر
خوش آئے ہیں کیا اس کو ترے موے پریشاں　　لکھتا نہیں قاضی بھی جو تعذیر ہوا پر
شیشے میں پری بند کرے جو کوئی اس کی　　ثابت ہے مرے سامنے تسخیر ہوا پر
جوں تیر ہوائی وہ لگا میرے ہی آکر　　پھینکا مرے نالے نے اگر تیر ہوا پر
اس ہستی وہمی کا یہ عالم ہے کہ جوں ہو　　بنگی کے خیالات کی تعمیر ہوا پر
دیوانہ میں ہوتے ہی موا عشق میں اس کے　　واجب ہے مری خاک کی تشہیر ہوا پر
یوں جامۂ شبنم سے عیاں ہے ترا بندا　　جوں ہووے گلِ سرخ کی تعمیر ہوا پر
قوت سے مرے رنگِ شکستہ کی ہے قائم　　موجِ گلِ صد برگ کی زنجیر ہوا
کیا بادلی پائی نہیں اس تارِ نگہ نے　　ہر مرغ کو پاتا ہوں جو دلگیر ہوا پر
چاہے ہے نزاکت کہ لکھے کلکِ مصور　　مژگاں سے ترا خاکہ تصویر ہوا پر
کشتی مری کیوں بادِ مخالف نے بہا دی　　ثابت تھی مری کونسی تقصیر ہوا پر

کر فکر قصیدے کی بس اب چھوڑ تغزل
اتنا بھی نہ اڑ خامۂ تحریر ہوا پر

سو اس کے لیے وہ جو ہے ہم شکل پیمبرؐ
اور رخش کو نت جس کے ہے توقیر ہوا پر

یعنی علی اکبرؑ خلف بضعت حیدرؑ
مژگاں سے چلے جس کے سدا تیر ہوا پر

اڑتا ہوا دیکھے جو عقاب اس کا ہوا میں
ہو پر عقاب اس کا عناں گیر ہوا پر

نعلوں کی خراش کا بیاں کس سے ہو اس کی
سم چاروں ہیں جس کے گل تصویر ہوا پر

گہ برق سی چمکیں تو گہے ابر میں چھپ جائیں
موقوف غرض ان کی ہے تسخیر ہوا پر

تس پر ہے یہ اسرع کہ جو پھینکے اسے راکب
مغرب کی طرف شرق سے جوں تیر ہوا پر

اس عرصے میں پھر آئے کہ جو سامنے اس کے
ہوکر نہ مٹے برق کی تنویر ہوا پر

تیزی قلم فکر کو لازم ہے کہ اس دم
لکھے ہے تری برشِ شمشیر ہوا پر

یعنی تو اچھل کر کے اگر اس کو لگا دے
اڑتے ہوئے عنقا کے بہ تکبیر ہوا پر

سر اس کا گرے خاک پہ اور لاشے کی اس کے
مرغان سبک پر میں ہو تحقیر ہوا پر

اک ضربت شمشیر میں دشمن کی ترے روح
کر جائے بدن سے جونہی شب گیر ہوا پر

دینے کو گزند اس کو اڑیں نیش کشیدہ
اجرام فلک مثل زنابیر ہوا پر

میزان عدالت کے تری خوف سے شاہا
نالے کا ترازو ہی رہے تیر ہوا پر

چھیڑے وہ اگر خاک نشیں کو ترے در کے
اعلام لکھے کاتب تعذیر ہوا پر

تو ماحی بدعت ہو تو آواز مغنی
پردے سے نہ جاوے دم تحریر ہوا پر

اے آئینۂ روے نبی بیم سے تیرے
بل سمجھے تنفس کو وہ تکفیر ہوا پر

رشح کف عاجل کو ترے فرط سخا سے
جو قطرۂ نیساں نہیں تاخیر ہوا پر

تھا معرکہ کربل کا ترے رجز سے رنگیں
واں بس کہ ترا تھا گل تقریر ہوا پر

پر امت بے دیں کو نہ سوجھے تھا یہ ہے کون
پھیلی تھی زبس ظلمت تکفیر ہوا پر

اجسام بسائط میں پڑے تفرقہ باہم
لکھوں جو تری برش شمشیر ہوا پر

اوصاف سر تیغ علم گشتہ کا تیری ہے رمح زیاں کرنے کو تقریر ہوا پر
کاوش تو زمانے سے اڑادیوے تو ہرگز الجھے نہ خس و خار کی زنجیر ہوا پر
اب آوے ہے جی میں کہ لکھوں خاتمہ اس کا کر اک غزل تازہ کی تعمیر ہوا پر

غزل

اک تیر میں اچھلا ترا نخچیر ہوا پر ڈرتا ہوں نہ اڑ جائے کہیں تیر ہوا پر
کوچے کی ترے آوے ہوا راس تو بچ جائے بیمار محبت کی ہے تدبیر ہوا پر
نامہ مرا تاکوچۂ معشوق نہ پہنچا اڑ اڑ کے کبوتر بھی ہوئے تیر ہوا پر
پھر نقش مثلث میں ہواخواہوں نے تیرے باندھی ہے ترے نام کی تکسیر ہوا پر
کیا لخت جگر تھے نفس سرد کے ہمراہ جو طرح ہوا گلشن کشمیر ہوا پر
ہے روح جو پراں ترے دیوانے کی اب تک جاتی ہے لٹکتی ہوئی زنجیر ہوا پر
ہر چند کہ دیں اس نے مٹا لاکھ مزاریں اس پر بھی نہ ثابت ہوئی تقصیر ہوا پر
برکت سے تری اے خلف شاہ شہیداں ہے مصحفی زار کی تقریر ہوا پر
پر اب یہ دعا ہے کہ پس از مرگ بھی اس کی ہو خاک نہ بازیچۂ تقدیر ہوا پر
تابوت سکینہ کی طرح فکر کا اس کی
قائم رہے صندوق تصاویر ہوا پر

❁❁❁

19۔ منقبت جناب مرتضوی

ہے مثل سلیماں مری تسخیر ہوا پر
''مرزاؔ'' ہی اڑے اور نہ یہاں ''میرؔ'' ہوا پر

آتش نفسی دیکھ مری وہ بھی ہوا سرد
''قائمؔ'' کی جو تھی جدّت تقریر ہوا پر

اور ''میر حسن'' سحر بیاں تھا جو غزل میں
اس کا بھی یہاں چل نہ سکا تیر ہوا پر

پر اس کا میں شاہد ہوں کہ ہاں کھینچ گیا ہے
پہلے وہی اس نقش کی تصویر ہوا پر

بعد اس کے غزل لکھی ہے یاران دگر نے
گو نام کو کی ''مرزاؔ'' کی تشہیر ہوا پر

ہے تو وہ ہوا شست کشایان سخن کی
میں نے ہی لگائے نہیں کچھ تیر ہوا پر

پر اتنا عزیزوں سے میں انصاف طلب ہوں
ابیات جو میں کی ہیں یہ تحریر ہوا پر

یہ قافیے میری ہی طرح باندھ دکھاویں
رکھیں نہ الٹ پھیر کی تعمیر ہوا پر

کہنا غزل چست کا دشوار ہو جس جا
واں کیوں کہ قصیدے کی ہو تحریر ہوا پر

بالفرض جو لکھا بھی کسی نے تو میں جانا
یوں قافیوں کی ہوگئی تکثیر ہوا پر

لیکن وہ کہاں نظم کہ ہر شعر تر اس کا
خود قطرۂ باراں ہو لگے تیر ہوا پر

استاد جو تھے ان کا تو گھوڑا نہ چلا یاں
اب خاک کوئی باندھے گا خوگیر ہوا پر

اندیشہ ہے سم لینے کا اس سخت زمیں میں
چالاک ہو گو توسن تقریر ہوا پر

پھر کلکِ فصاحت نے کیے ثبت دو مصرعے ایسے کہ چلیں جیسے دو شمشیر ہوا پر

مطلع ثانی

آوے جو مرا خامۂ تقریر ہوا پر اقلیدس اڑاوے ووں ہی تحریر ہوا پر
ظاہر ہے کہ کب پہنچیں ہیں پرواز فلک کو ابدال بھی یوں کرتے ہیں شب گیر ہوا پر
جوں فکر مری تیز ہے عرفی نے نہ چھوڑا ایسا تو کوئی باز کلاں گیر ہوا پر
پاوے بہ تکلف نہ وہ سی مرغ کا رتبہ پر باندھ کے پرّاں ہو جو خنزیر ہوا پر
بحری بچۂ فکر مرا بس کہ ہے خونخوار کرتا ہے کلنگوں کو وہ نخچیر ہوا پر
کب مرتبۂ نظم ثریا کو وہ پہنچیں جگنو کریں ہر چند کہ شب گیر ہوا پر
کافی ہے اسے قطب زماں کی کف پاہی جسپال اڑے گو کہ بہ تزدیر ہوا پر
تیغ دو زباں مصحف ناطق کی وہ دیکھے باندھے جو کوئی مصحف و تفسیر ہوا پر
دعوے کی کلہ کج جو کرے اس کو گرا دے مثل گل بازی کف تقدیر ہوا پر
کیا کیا نہ کماندار کہ یاں پھینکیں ہیں دن رات دعوے کی کماں ہاتھ میں لے تیر ہوا پر
پر صید جو چاہیں وہ تو اک کاہ کا پر بھی ہوتا نہیں اس تیر کا نخچیر ہوا پر
ہر چند ہوں میں خاک نشیں برق کے مانند چمکے ہے مری طبع کی شمشیر ہوا پر
گل کترے مرے سامنے کیا کوئی کہ یاں ہے مقراض زباں کی مری تقریر ہوا پر
پھر کیوں نہ ہو ہوں میں بھی تو ایسے کا ثناخواں جس کا سر رمح ہوا پاگیر ہوا پر
یعنی علیؑ آں رائحۂ گلشن امکاں ہے جس کی لطافت سے یہ تاثیر ہوا پر
تن میں سے رواں اس کے نہ اک قطرۂ خوں ہو شمشیر کوئی مارے کہ یا تیر ہوا پر
جس کھیت میں ٹک برسے سحاب کرم اس کا واں تودہ ہو پہنچے زر توفیر ہوا پر
دامان فلک میں وہ ستارے ہوئے اس نے پھر مشت جو پھینکے تھے دنانیر ہوا پر
اس در کا جو ہو خاک نشیں کیوں نہ اڑا دے کر پرزے وہ صد نسخۂ اکسیر ہوا پر

جوں ابر مطیر اس کا جو ہے دست ترشح
بے فاصلہ برسے ہے وہ جوں تیر ہوا پر
اب مدح حضوری کو دلا چاہیے ہووے
اک مطلع ثالث کی بھی تحریر ہوا پر

مطلع ثالث

چمکے جو تری برّئ شمشیر ہوا پر
شہباز ہوں کمتر زعصافیر ہوا پر
دیوِ سیۂ شب کی جو چاہے تو اسیری
موجِ شفقِ شام ہو زنجیر ہوا پر
نیزے کے ترے افعیِ پیچاں کو جو دیکھا
مہ لڑھ گیا بن کر قدحِ شیر ہوا پر
اس روضے کی کیا لکھوں بلندی و صفا کو
گردوں کی طرح جس کی ہے تدویر ہوا پر
جس روضۂ اقدس میں لٹکتے ہوں مہ و مہر
جو بیضۂ سی مرغ سرازیر ہوا پر
خورشید سے روکش ہیں کلس اس کے تو سنگیں
ہیں خط شعاعی سے گرہ گیر ہوا پر
تھا گرچہ زباں کنگرۂ قلعۂ خیبر
کرنے کو انا سیف کی تقریر ہوا پر
لیکن تری تیغ دو زباں اس نے جو دیکھی
قائل ہوا کلمے کا وہ بے پیر ہوا پر
کردے جو ثقیلوں کو سبک سر تری ہیبت
اک دم میں ہو کچھ اور ہی تاثیر ہوا پر
صابون کے جھاگوں کی طرح باٹ کے روڑے
اڑتے پھریں مانند قواریر ہوا پر
کیا کاٹ کہوں میں تری شمشیر کا شاہاں
یعنی ہو علم جب کہ وہ جاں گیر ہوا پر
اس طرح دو بخرے ہو کرہ صاف ہوا کا
جو رنگ ہو آتش کا بھی تغییر ہوا پر
پھر گرد ہو آتش کے تو اس کے بھی کرہ کو
دو، ضربت ثانی میں کرے چیر ہوا پر
خوں جاری ہو پھر جب کہ رگ موج ہوا سے
ثابت ہو تری برش شمشیر ہوا پر
جس خامے سے لکھوں میں ترے رخش کی سرعت
کیوں کر نہ اڑے وہ دم تحریر ہوا پر
ایسا وہ سبک رو ہے کہ اس جانِ قلق کی
کھینچے جو مصور کبھی تصویر ہوا پر
جوں نکہت گل رنگ نہ ہو اس کا فراری
کرتا پھرے ہر دشت میں شب گیر ہوا پر

تو باگ اچک لیوے ہے جب اس کی تو وہ رخش
اس طرح سے اڑتا ہے کہ جوں تیر ہوا پر

بال اس کے جو ہو جاتے ہیں اڑتے میں پریشاں
ہے بہر ہوا درۂ تعزیر ہوا پر

اللہ رے ترا رعب عدالت یہ تصور
کھینچے جو کوئی باز کی تصویر ہوا پر

مانگے دیت خون کبوتر فلک اس سے
ہر موج ہوا بلکہ ہو شمشیر ہوا پر

گر بلبلے کا ٹوٹے کسی موج سے شیشہ
اعلام کی قاضی کے ہو تحریر ہوا پر

یا گل ہو چراغ سر تربت جو کسی کا
دود اس کا جڑے درۂ تعزیر ہوا پر

آوے ہے ہوا محکمۂ عدل میں پکڑی
ٹھہرے جو کسی نوع کی تقصیر ہوا پر

جس ساز کو ترا ہو شہا امر تساوی
اک سُر سے تولّد ہوں بم و زیر ہوا پر

کاہش کا تری حکمِ جہاں چرخ کو پہنچے
اجرام ہوں سب دانۂ انجیر ہوا پر

تو ماحیِ بدعت ہو تو پھر چنگ نہ دیوے
آواز دف و صوت مزامیر ہوا پر

اور دستِ مصوّر جو قلم ہو تو نہ کھینچے
پھر کاغذ بادی کی بھی تحریر ہوا پر

زنداں سے ترے دیو نکل بھاگے تو ڈس لے
اڑ ناگنی بن کر اسے زنجیر ہوا پر

اے مصحفی چپ رہ یہ ہوا بندی ہے کیسی
نالے سے ترے مرغ ہیں دلگیر ہوا پر

بیہودہ نہ بک اتنا تو ناداں یہ قوافی
کس واسطے باندھے ہے بہ تحقیر ہوا پر

روکش نہ ہوا برق کا ہرگز کبھی شعلہ
قطعی ہے تری حجت شمشیر ہوا پر

اب ہاتھ اٹھا اس کی دعا میں تو کہ جس کا
ہے بندۂ بے زر فلک پیر ہوا پر

جو اس درِ دولت کے ہوا خواہ ہیں یا رب
خاک ان کی کو ہے رتبۂ اکسیر ہوا پر

دم بھرتے ہیں جو دوستی غیر کا ان کو
حاصل ہو پریشانی کی توفیر ہوا پر

20۔ در مدح پیر فخر الدین

ستاروں سے زبس سقفِ فلک ساری مجدر ہے
بہار کہکشاں رشکِ دمِ طاؤس خوش پر ہے
فلک کی طبع میں یاں تک تو ہے تلخی و شیرینی
کہے تو ہر ستارہ بیضۂ مار و کبوتر ہے
اصالت مرد کی ہوتی ہے روشن ذات سے اس کی
حسام مہر کو خطِ شعاعِ مہر جوہر ہے
جگر میں سالتی ہے خندۂ گل کی صدا میرے
رگِ گل آنکھ میں چبھتی ہے کیا یہ نوکِ نشتر ہے
بہت دشوار ہے دل کا مرے یارو فنا ہونا
اگر پانی میں ڈالو ماہی، آتش میں سمندر ہے
چھدا ہے بس کہ ان پلکوں کے تیروں سے مرا سینہ
کوئی چھلنی اسے کہتا ہے، کوئی کہتا ہے مجمر ہے
ہے اس خاک چمن میں کون سا تشنہ جگر مدفوں

جھکا جس کے لیے یوں ہاتھ میں نرگس کے ساغر ہے

ترا وصف عذار و قد رقم کیجے تو لوگ اس کو
کہیں ہیں بڑھ کے یہ کیا قصہ، گل باصنوبر ہے

فقط سرو سہی ہی آپ کو چھوٹا نہیں کہتا
ترے قد کے غلاموں میں میاں سرو اور عرعر ہے

یہ غازی کون ہے اور چل رہی ہے تیغ کیں کس پر
زباں پر جس کی ہر دم نعرۂ اللہ اکبر ہے

ہوا ہے بس کہ خوں آلودہ اس کی زلف کا گچھا
بہ رنگینی کہے تو رشک گلہائے معصفر ہے

کوئی کیا خاک تختے پر زمیں کے مدعا ڈھونڈے
کہ اس تختے پہ نراد فلک کا مہرہ ششدر ہے

بدن نکلا پڑے ہے مارے شوخی کے زبس اس کا
کہے تو وہ بت نازک بدن کرتی سے باہر ہے

بقید شوکت ظاہر نہیں ہے سلطنت داری
سلیماں کب کہیں ہدہد کو گو تاج اس کے سر پر ہے

نہیں ہے آگہی جس کے تیئں جوہر شناسی سے
رگ یاقوت کو کہتے ہیں وہ یہ اس کا جوہر ہے

یہ مجرم کون ہے ایسا کہ جس نے ذبح کرنے کو
فلک ہے نطع اور خورشید اس پر طشت و خنجر ہے

خدا جانے کہ کیا پھونکا صبا نے کان میں گل کے
پریشاں کردیا اس کو عجب یہ بھی فسوں گر ہے

اسیر علت کابوس ہوں شبہائے ہجراں میں

یہ میرا ہاتھ ہی اب تو مری چھاتی کا [2] پتھر ہے
ترا زرگوش ہے کشتی میاں دریائے خوبی کی
اور اس کے ساتھ یہ جو زلف چھوڑی تو نے لنگر ہے
نقوط سیم گوں ہیں پوست پر مت جائیو موتی
تنی سر پر ترے یہ جو پرندِ مار پیکر ہے
کیا ہے غارت اک عالم مرے اشکوں کی فوجوں نے
خدا جانے کرے کیا بہبہا سارا یہ لشکر ہے
کدھر گھوڑا اڑائے جاؤ ہو میاں مصحفی صاحب
یہاں سے اب قلم کی باگ ٹک لیجے تو بہتر ہے
بہار مدح حضرت صاحب و قبلہ پہ یک ساعت
ادھر آکر تو نظر کیجئے صحرا معنبر ہے
وہ حضرت کون، میں بتلاؤں میرے پیر و مرشد ہیں
کہ جن کے فیض سے میرا چراغ دل منور ہے
جنید وقت فخرالدیں محمد مولوی صاحب
جنھوں کا آفتاب مہر مجھ پر سایہ گستر ہے
اگر اکسیر گر [3] ترکیب پر قادر ہو تھوڑا سا
نگاہ لطف ان کی نسخۂ کبریت احمر ہے
شہاں پیوستہ ان کے آستاں پر سر کو گھستے ہیں
کہ خاک آستاں ان کی شہاں کا تاج [4] و افسر ہے
جو صوفی کہیے تو ایسے کہ جیسے آب موتی میں
جو عالم کہیے تو ایسے کہ جن کا جسم جوہر ہے
نظام الدیں کو ان کا سلسلہ پہنچے ہے اس باعث

نظامِ خاندانِ چشت ان سے معتبر تر ہے
ان کے دیکھنے والوں کا ہر سو شور سنتا ہوں[5] ہے
کہ ان کا دیکھنے والا جو ہے سو موقر ہے
کمالات ان کے میں کس منہ سے اے یارو بیاں کرتا
مری فہمید سے ان کا مقام البتہ برتر ہے
میں اک ادنیٰ غلاموں میں ہوں ان کے پر ستم دیکھو
کہ جور آسماں سے طرفہ یہ بیداد مجھ پر ہے
کہ میں ہوں لکھنؤ میں اور وہ دلی میں آسودہ
بس اب آگے مرا قصہ ہی فیصل ہو تو بہتر ہے
کہاں تک آرزو سے دل کو اپنی ڈھونڈتے پھریے
قناعت کیجیے اس پر ہی اب جو کچھ میسر ہے
گر ان کا جاذبہ پہنچائے جیتا مجھ کو دلی میں
تو اپنی آرزو بھی ہے یہی، کیوں، مرگ سر پر ہے
بس اس سے ہے یہی بہتر کہ مشت استخواں اپنے
فراق دہلی سے رنج و تعب دن رات جن پر ہے
گر اس خاک معطر میں ہوں مدفوں تو تو ہر ساعت
سمجھیے یہ کہ خاک پاک دہلی روح پرور ہے
شرف رکھتی ہے واں کی موت یارو یاں کے جینے پر
یہی جینا ہے تو جینے سے ایسے، موت[6] بہتر ہے
کروں کیا میں تو جاؤں اڑ کے اس وادالمقدس کو
ولیکن عزم کا میرے کبوتر سخت بے پر ہے
گر ان کی روح کو ہووے مدد تو واں تلک پہنچوں

نہیں تو لکھنؤ میں بوریا یا خاک بستر ہے
کوئی اس بات سے واقف نہیں یاں مصحفی کب کا
پڑا پھرتا ہے گلیوں بیچ اور بے یار و یاور ہے
بھلا اس سے ذرا یہ بات تو پوچھیں یہ سودائی
کہاں سے[7] آیا ہے اور اس کا خیال طبع کیدھر ہے
غرض عالم کو یاں کے خوب دیکھا اب تو یا حضرت
جہاں تم ہو دل اپنا از برائے طوف اودھر ہے
رہے جابند گھوڑا سا کہاں تک اس زمیں میں یہ
عنان مصحفی کو اس طرف کھینچو تو بہتر ہے

❁❁❁

21۔ در مدح صاحب عالم جہاندار شاہ[1]

بر سر خلق خدا پر تو لطف الہٰ　　صاحب عالم لقب تو ہے جہاندار شاہ
بخت جواں سے ترے ہے رخ عالم جواں　　پیر فلک سے نہ ہو کیوں کہ تو اب باج خواہ
چھوٹے بڑے سارے ہیں گھر کے ترے ہی غلام　　صاحب عالم ہے جب اس لیے اے بادشاہ
عتبۂ والا ترا دیکھ دبیر فلک　　لکھتا ہے اس کے تئیں عتبہ عرش اشتباہ
کہتے ہیں اہل جہاں جس کے تئیں ماہ نو　　ہو تو وہ تیرا ہی ہے سایۂ پر کلاہ
تیری اہل زمیں بوس کو جس نے جھکایا ہے سر　　کہتے ہیں اہل زمین اس کو فلک بارگاہ
گر چمن خلق سے تیرے کرے کسب بو　　گیسوے سنبل سے ہو دست و گریباں گیاہ
اے مہ اوج شرف آگے ترے نور کے　　قدر میں ماہ فلک ہے چہ نخشب کا ماہ
اس در دولت سوا اور کئی مامن نہیں　　فتنے سے اس دور میں گر کوئی ڈھونڈے پناہ
تیری نر انگشت ہے قفل کرم کی کلید　　چاہے گدک کرے پل میں بہ از بادشاہ
گرچہ گدا ہوں ولے خسروِ ملک سخن　　جانتے ہیں مجھ کو سب زمزمہ سنجان آہ
مجھ سے ہیں سب روشناس دلی کے خورد و بزرگ　　نام بر آوردہ ہوں تا بہ خواصان شاہ
لیک گیا میں نہیں پاس کسی کے کبھو　　دل سے رہی ہے مرے دور زبس[2] حب جاہ

میرے سوا کون ہے بے کس و مسکیں غریب
اب کہ وطن سے نکل اپنے ہوا ہوں تباہ

جور فلک سے نہیں یاں مجھے کوئی مفر
اس لیے اس در تلک آیا ہوں ہو داد خواہ

یا مجھے رکھ اپنے پاس[3] لیک بہ عز و وقار
یا مجھے کچھ دے صلہ[4] تا میں کروں طے راہ

فیض اتم سے ترے ہوتی ہے سیراب خلق
میں ہی کھڑا کیوں رہوں تشنہ بہ نزدیک چاہ

مجھ پہ بھی ہو جائے گر اک نگہ التفات
فضل و کرم سے ترے ہوئے سیرا بھی نباہ

گرچہ میں ہوں آفتاب اوجِ سخن کا و لے
تیرگیِ بخت سے روز مرا ہے سیاہ[5]

خرچ ہو ہے لابدی اس کا تو محتاج ہوں
دولت و حشمت کی کچھ مجھ کو نہیں اتنی چاہ

ساتھیوں سے اپنے میں دور پڑا اس طرح
ساتھ سے ہو جاوے ہے جیسے کبوتر تباہ

کچھ تو معیشت مجھے چاہیے شام و سحر
گو کہ نہ ہووے مری مثل عزیزاں رفاہ

وصف میں تیرے میں اک اور بھی مطلع پڑھوں
اس کی بلندی پہ تو کیجیو شاہا نگاہ

مطلعِ ثانی

وقت سواریِ پیل ہے تو بہ روئے چو ماہ
عیسیِ گردوں نشیں ماہ فلک بارگاہ

عرصۂ گردوں پہ تو جوں مہ و خورشید ہے
رایض محور علم خسرو انجم سپاہ

گھوڑے کی تیرے رکاب دونوں ہیں جوں ماہ عید
پاؤں ترے درمیاں اس میں ہیں خورشید و ماہ

فتنہ تیرے عہد میں بس کہ گریزاں ہوا
اس نے عدم کے سوا اور کہیں پائی نہ راہ

چلتا ہے از بس ترا ہاتھ کہ درفشاں
تیری شجاعت پہ ہے تیری سخاوت گواہ

پیل کے سر پر اگر بڑھ کے لگاوے تو تیغ
بس کہ دو اس کے کرے تا بسر دم شتاہ

دیکھ دو ٹکڑے اسے وہ جو وہاں ہوں کھڑے
ہاتھ[6] اٹھا کر وونہی بول اٹھیں واہ واہ

خندہ گل کے سدا زخم پہ چھڑکے نمک
وقت[7] تماشائے باغ خندہ ترا قاہ قاہ

اب میں دعا میں تری ہوتا ہوں رطب اللساں
بخشیو کہنے میں کچھ مجھے سر اگر ہو گناہ

جب تئیں مشرق سے مہر اپنی دکھاوے کلاہ　　جب تئیں مغرب سے ہو ماہ سرمہ نمود

سایۂ لطفِ خدا ذات تری ہے شہا [8]

سایہ سرِ خلق پہ رہیو تیر سال و ماہ!

۞۞۞

22۔ در مدح صاحب عالم جہاندار شاہ[1]

آیا ہے کیا چمن میں مگر تاجر بہار
کھولے ہیں ہر طرف کو جو غنچوں نے اپنے بار

مارے خوشی کے چال تو ٹک اس کی دیکھیو
جاتی ہے دوڑی کرنے خبر کس کو آبشار

پھسلے ہے دیکھنے میں خریدار کی نظر
ہے بہرمان[2] آب رواں بس کہ آبدار

جاتا ہے جو کوئی سوے بزاز گل بہ شوق
اپنی طرف کو لیتی ہے بلبل اسے پکار

نازک قماشی گل رعنا پہ کر نظر
پیدا ہے روے کار سے خوبیِ پشت کار

گرد اس کے ہو رہی ہے جو بلبل اسے مگر
ہے لولہ پیچ غنچہ کے لینے کا خار خار

ہے بادلے پہ جوے رواں کے نگاہ چرخ
خواہاں ہوا ہے مخمل سبزہ کا روزگار

خورشید کے بھی جی میں یہی ہے کہ کیجیے
زربفت جعفری پہ زر جعفری نثار

ارزش کا بس کہ گرم ہے بازار ان دنوں
ہے خار کو حریر رگ گل کا اعتبار

مرزا مزاج پھرتے تھے از بس کہ زر لیے
ٹک کھولتے ہی بک گئے قالین لالہ زار

گر جی چلاوے کوئی تو رکھتی ہے اب تلک
سو بگڑی شاہ گڑھ کی شگوفے کی شاخسار

کی ہے پسند سرو نے ایوان فاختہ
آزادی اس کی اس سے ہی ہوتی ہے آشکار

موقوف اقمشہ پہ نہیں یاں جو دیکھیے
ہر قسم کی متاع نفائس ہیں بے شمار

گذری کا رنگ کچھ نظر آتا ہے باغ کا
چمکیں ہیں لہریں پانی کی جوں تیغ آبدار

فولادی پر ملا ہے یہ سوسن نے کیا کسیس
جو اس کے اس قدر ہوئے ہیں جوہر آشکار

ہے مغربی بغل میں لیے شاخ ارغواں
قلاش خار پھرتا ہے لے ہاتھ میں کٹار

لے [3] ترکشوں کو دستۂ نرگس ہوئے کھڑے
شوقین تیر کا کوئی تا ان کے ہو دوچار

اور لائیں شاخ بید کی پھولوں کے رنگ سے
چندیں ہزار حلقہ کماں ہائے زرنگار

داؤدی یوں کہے ہے میں اپنی متاع کا
سودا کروں گی شب کو جو آوے گا خواستگار

شبو کے بھی دماغ میں بوے غرور ہے
سودے سے ان کے رکھتی ہے کچھ وہ بھی ننگ و عار

شبنم کے شوق پر تو نظر کر تو وقت صبح
موتی کا دانہ لائے ہے اک بیچ تیغ خار

ہے شاخ گل کے عنبر سبز آستین میں
غنچوں کی گانٹھ میں ہیں بندھے نافۂ تتار

محمل کو کھولتا جو نہیں اپنی اب تلک
شاید افیم بننے کی لایا ہے کوکنار

وہ نفع ہے کہ کہتی ہے بلبل سے فاختہ
ہم بھی شریک ہیں ترے سودے میں اب کی بار

سر بیچ کر کے لیتے ہیں غنچے کی خود کو
اس تیغ گہ میں وے جو ہیں مردان سرگزار

اور جن کا ہاتھ چلتا ہے دنیا میں بیش و کم
سوسن کے داستانوں پہ کرتے ہیں زر نثار

اس معرکے میں جن کو کہ لوہے کی ہے نظر
وہ گھورتے ہیں جانب شمشیر جوئبار

جس چیز کا کہ ہووے خریدار جلوہ گر
لابرتیاں کریں ہیں درختان میوہ دار

بادصبا کا رنگ جو دیکھو تو بیچ میں
دلال کی طرح سے وہ پھرتی ہے بیقرار

مالک جو مانتا نہیں تو ایدھر اور اُدھر
دیکھیں ہیں تا کہ ہووے کوئی آشنا دوچار

پیسے کم اور شوق بہت سا، کریں سو کیا
الا کہ مول اس کا وہ دیں مانگ کر ادھار

سو واں کسی کے پاس کہاں درہم اس قدر
اور ہوویں بھی تو کون کرے ان کا اعتبار

کیسے میں ہاتھ ڈال کے اپنے جو اس گھڑی
دل سے کہا یہ میں نے کہ کیا لیجے یاں سے یار

دل نے کہا یہ مجھ سے کہ شبنم کے دانوں سے
لے نذر بادشہ کے لیے موتیوں کا ہار

فخرِ زمانہ صاحبِ عالم فلک شکوہ
بہرام کو ہے جس کی غلامی کا افتخار

اتنا وسیع خلق ہے اس کا کہ خلق سے
نت بارخ شگفتہ چوگل ہووے ہے دوچار

خجلت سے اس کے دستِ گہر بار کی مدام
دریا ہے آب آب تو معدن ہے شرمسار

کھلنے میں اس کے مشت درافشاں کا ہے یہ رنگ
برسے ہے جس طرح کہ کبھی ابرِ نوبہار

تا اس کو سیم خام سمجھ کر نہ بخش دے
دستِ سخا سے اس کے ہے دریا کو اضطرار

بحرِ عطا کی اس کے زبس انتہا نہیں
مارے ہے موج جیسے کہ دریائے بے کنار

آتا ہے جی میں یوں کہ شہا اب حضور میں
مدحت کو تیری مطلعِ ثانی پہ دوں قرار

تو ہے وہ تیغ زن کہ تری تیغ آبدار
گر کوہ پر گرے تو زمیں تک کرے گذار

برش تو اس کی دیکھ کہ گینڈے کی ڈھال پر
لگتے ہی بیٹھ جائے ہے صابن میں جیسے تار

اور داستانہ پوش کی ساعد پہ گر لگے
مرفق تلک دو نیم کرے اس کو جوں خیار

اتنی تو شعلہ ور ہے کہ برق اس کی آنچ سے
کرتی پھرے ہے ابر میں چاروں طرف فرار

گر اژدہے کی طرح وہ نکلے میان سے
اک دم کے بیچ لاکھوں کو کر جائے زہر مار

نیزہ رکھے جو روز سواری تو دوش پر
نیزے کی تیرے رمح کا ہووے اسد شکار

اور گاڑ دے زمیں پہ تو پوزی کی اس کے نوک
جا کر کے نافِ گاوِ زمیں کو کرے فگار

مرغول زنگی دیکھ کے کھاتے ہیں اس کو پیچ
باہم تری زرہ کے جو حلقے ہیں تابدار

طاقت ہے کس کی باگ کو اس کی پکڑ سکے
گھوڑا ترا جو باد کے گھوڑے پہ ہے سوار

ترکیب میں وہ لعبتِ چینی ہے دل فریب
انگیز میں وہ ابر کا ٹکڑا ہے شعلہ بار

ازبس کہ تازیانے کی حاجت نہیں اسے
بن تازیانہ رہتا ہے جوں برق بیقرار

چمکارے گر نہ تو اسے گردن پہ رکھ کے ہاتھ
اک دم کے بیچ آس سوئے امکاں کرے گذار

پٹھے پہ اس کے ہاتھ ترا جا پڑے دگر
تو تیر کی طرح نظر آوے فلک کے[4] پار

حاصل ہے اس کو بس کہ زمانے میں طیِ ارض
پھر آوے ہے بسیط[5] پہ اک دم میں لاکھ بار

از بس کہ اچپلا ہے جو بندھتا ہے تھان پر — رہتا ہے جیسے برق اگاڑی کو اضطرار
جیوٹ ہے اس قدر کہ شہا روز معرکہ — اس کی اچک لے باگ تو ہو کر کے گر سوار
یوں جا پڑے وہ فوج پہ دشمن کی کر کے جست — جوں برق بادلوں میں کبھی ہووے آشکار
نعل اس کا بس کہ چور کرے کاسہ ہائے سر — وقتِ شکست ان سے صدا نکلے زینہار
سر پٹ کے آگے جس کی زمانہ ہے دو قدم — وہ دو قدم کہ ان کو جو گنیے تو ہوں ہزار
ڈالیں منہ اس کے پر نہ اندھیری تو وہ لوند — ہوجائے جا کے گردن خورشید پر سوار
جولان طبع اب یہ کہے ہے کہ اس گھڑی — ہاتھی[6] کے تیرے وصف میں ہو فکر کا گذار
ہاتھی نہیں زمیں پہ وہ اک آسمان ہے — وہ آسماں کہ جس سے زمیں کو بھی ہے وقار
کیجیے نظر بلندی پر اس کی جو دور سے — آوے نظر ہو برصفت نیلگوں حصار
اور جا کے غور کیجیے نزدیک سے تو وہ — خرطوم تک معائنہ ہو کوہ و غار و مار
سر اس کا کوہ ہے تو وہ انکش ہے تیغ کوہ — پاؤں اس کے بے ستوں تو وہ ہے چرخ بے مدار
تحریریں جو سندور کی مستک[7] پہ اس کی ہیں — کمتر خط شعاع سے ان کی نہیں بہار
اور اس سوا جو سوچیے ان کو تو کہیے یہ — ابر سیہ میں برق کا دامن ہے تارتار
خرطوم اس کی تیغ ہے اور اس پہ ہے جو رنگ — مت جان رنگ خون عدو کی بہے ہے دھار
یاتو کہے وہ دستۂ سوسن ہے سربسر — گلہائے سرخ و زرد ہیں جس کے بہ روے کار
مخمل کی جھول ہے جو پڑی اس کی پیٹھ پر — یکسر بہ رنگ چرخ مقرنس ستارہ وار
جلوے کو اس کے دیکھ کے راتوں کو آسماں — کرتا ہے اس پہ انجم رخشاں کے در نثار
کجگاہ اس کے چہرے پہ یوں خوشنما لگے — دولھا[8] کے سر پہ جیسے کہ سہرے کی ہو بہار
چاندی کا حوضہ اس پہ کسا جائے گر ترا — اور اس پہ تو سوار ہو ہنگام کارزار
یہ خلق دیکھ کر کے کہے تجھ کو اس گھڑی — نکلا ہے پشتِ کوہ سے خورشید چہرہ دار
رستے میں ہیں یہ ہفت فلک اس کے نردباں — تا ان پہ پاؤں دھر کے تو آہستہ ہو سوار

کہتی ہے خلق دیکھ کے اس کے شکوہ کو — ہاتھی نہیں یہ وادیٔ محشر کا ہے غبار
خرطوم اپنے منہ میں جو رکھے تو اس گھڑی — ظاہر ہو پھر چلا ہے یہ ثعباں بہ سوے غار
دانت اس کے یوں بلند ہیں ہاتھوں کی طرح سے — خمیازہ کھینچے جیسے سیہ مست پر خمار
مائل ہے اس قدر کہ کبھی جس کے روبرو — شبدیز عمر کو نہ کہے کوئی راہوار
کب لکھ سکوں میں اس کے دبے پاؤں کی صفت — جب تک کروں نہ دزدیٔ معنی کو اختیار
دشمن کو کیا خبر ہو کہ پیچھے سے بے خبر — آجائے ہے وہ سر ہی پہ روز سیاہ دار
اے مصحفی گر اس کی میں نک سکھ لکھوں تو پھر — مضمون مانگے مجھ سے ظہوری بھی مستعار
لیکن یہ بارگاہ ہے جاے ادب یہاں — کچھ مختصر ہی چاہیے بولے سخن شعار
اس واسطے گزر کے میں طول کلام سے — دیتا ہوں اب دعا پہ قصیدے کو اختصار
یارب کہ جب تلک ہے تگ و دو میں آسماں — اور اس پہ ہے ثوابت و سیار کا قرار

جوں مہر و ماہ چمکیں تو فرماں روا رہے
گزرے سدا خوشی سے ترا لیل اور نہار

۞۞۞

23۔ در مدح نواب وزیر آصف الدولہ[1]

ہوا ہوں بس کہ میں دور فلک سے سرگرداں — کہ خاک بھی مری جوں گرد باد ہے پیچاں
لگائے ہے جو مرے زخم بھی فلک تو مجھے — کہے ہے یوں کہ ہوئے اب ترے بھی لب خنداں
ہر اک مریض نے پائی شفا زمانے میں — ہوا نہ میرے ہی اک درد دل کا کچھ درماں
نسیم صبح اگر آئے ہے چمن سے ادھر — تو ہووے ہے مرے زخم جگر پہ مشک افشاں
ہوا ہوں تنگ میں یاں تک فلک کے ہاتھوں سے — کہ مجھ پہ یہ چمن روزگار ہے زنداں
مری طرف جو کبھی عیش نے غلط کی راہ — تو صبح ہوتے ہی بھاگا وہ اٹھ کے جوں مہماں
چنا نہ میں چمن آرزو سے گل ہرگز — بغیر سرزنش خار حسرت و حرماں
کبھی جو آنکھ بھی جھپکی مری تو اونگھ گیا — ہوئیں نہ خواب فراغت سے آشنا مژگاں
ہوئے جو شب کو تبسم سے آشنا مرے لب — تو صبح اٹھ کے میں پایا انھیں تہ دنداں
میں خاک ہو کے گیا گر فلک پہ تو بھی مجھے — بہ رنگ ابر دیے اس نے دیدۂ گریاں
اگرچہ ہوں میں سبک جیسے برگ کاہ ولے — رہے ہے نت مری چھاتی پہ غم کا کوہ گراں
مری بغل میں مرا دل وہ گوشت پارہ ہے — کہ جوں کباب جسے دیکھوں ہوں سدا بریاں
بہت پھرا میں زمانے میں ڈھونڈتا[2] اس کو — ملا نہ مجھ کو کہیں عیش گم شدہ کا نشاں

مگر بدرگہ نواب آصف الدولہ — کہ جس کے عہد میں ہیں سیکڑوں دل شاداں
دیا ہے اس قدر اس نے خوشی کو جگ میں رواج — کہ غنچہ شاخ سے نکلے ہے بالب خنداں
پھرے ہے بس[3] کہ فلک نت مراد پر اس کی — نہیں ہے دور میں اس کے شکایت دوراں
نہیب عدل کا اس کے گر اس تلک پہنچے — تو خاروخس کو جلاوے نہ آتش سوزاں
ہے اس کی ذات سے آباد لکھنؤ ورنہ — کہیں ہیں پیش ازیں تھا یہ اک دہ ویراں
ہزار قافلے آئے یہاں نہ دیکھا میں — کسی کے ہاتھ سے مثل جرس کوئی نالاں
گر اس کی بزم میں ڈھونڈے کوئی کیا معنی — سوائے آئینہ پیدا کرے دل حیراں
کسی کے سینے میں دل غیر غنچۂ تصویر — سموم غم سے نہ دیکھا فسردہ و پژماں
لکھوں[4] میں معجزہ کیا دست جود کا اس کے — کہ ہے وہ وقتِ نوازش مسیحِ مردہ دلاں
ہر ایک شخص کو پہنچے ہے اس کے مطبخ سے — بقدر مرتبہ دن رات نعمتِ الواں
نہ پیل بخش ہے وہ بلکہ پیل بالا بخش — قیاس کر اسی بخشش سے اس کی شوکت وشاں
کسی کو تیغ سے مارا نہیں کبھی اس نے — جو کشتہ ہے کوئی اس کا تو کشتۂ احساں
کیا جو وعدہ کسی نے تو پھر وفا ہی کیا — نہ دیکھی عہد میں اس کے میں سستی پیماں
ہے اس کے ملک سے صد شکر سیکڑوں فرسنگ — معرفان سخن کہتے ہیں . جسے طغیاں
اگر نہ ترک ادب ہو کروں حضور کے بیچ — ادائے مطلع ثانی بصورت شایاں

مطلع

لکھوں میں وصف ترے[5] کیا تو اے بلند مکاں — فلک ہے رتبے میں، صورت میں اختر تاباں
عجب نہیں ہے ترے عظم وشان سے ہرگز — جو پشہ پیل کو سمجھے تو کوہ کو کوہاں
کرے ہے ہاتھ ترا جب کہ گوہر افشانی — کوئی کہے ہے اسے تیر[6] اور کوئی نیساں
زمانہ تجھ سے اگر کسب رنگ و بو نہ کرے — نہ لاوے گاو سے عنبر، نہ بحر سے مرجاں

نہ برگ کاہ سے ہو کوہ کا زیادہ وزن [7] — جہاں کہ ہووے بپا تیرے عدل کی میزاں
خدا نے تجھ کو دیا ہے وہ دبدبہ [8] وہ شکوہ — کہ جس کے رعب سے شیر [9] فلک بھی ہے لرزاں
زمانہ نام کو تیرے عدو کے لکھ لکھ کر — کرے ہے داخل افراد دفتر نسیاں
جو آستاں پہ ترے بن کہے قدم رکھے — ملے نہ اس کو کبھی رتبۂ سگ درباں
جدھر کو چاہے ادھر پھیر دے ابھی اس کو — ہے تیرے قبضۂ قدرت میں آسماں کی عناں [10]
ہما کی تاب ہے کیا اس پہ سایہ افگن ہو — جو استخواں کہ ترے تیر کا ہوا ہو نشاں
گیا ہے جب سے کہ تیرا نہیب چنگل باز — ہوا میں کرتے نہیں مرغ سدرہ بھی طیراں
ترے زمانے میں بہرام گور اگر ہوتا — تو سیکھتا [11] ترے ہاتھوں سے علم تیر و کماں
صفائے شست کا تیرے میں کیا کروں مذکور — جو مارے شیشے کے تو تیر بے پر و پیکاں
تو یوں وہ تیر گزر جائے صاف اس کے پار — کہ جس کے صدمے سے شیشے کا کچھ نہ ہو نقصاں
اور ایک طرفہ یہ تعریف تیری شست میں ہے — کہ گر چراغ جلا کر تو رکھ کے جاے نشاں
لگاوے لو کے اپر اس کی تیر دور انداز — تو لَو کو لے اڑے یوں اس کا آہنِ پرّاں
کہ جس سے پہنچے نہ میل اور چراغ کو آسیب — نہ ہو فتیلہ بھی جاے نخست سے جنباں
پھر اس کو جا کے جو دیکھیں تو دیکھنے والے — رہیں ہنر میں تری شست کے بہت حیراں
ہے اور وہ جو بہ زہراب دادہ تیغ تری — بوقت زخم زدن جیسے آتش سوزاں
اگرچہ ہے وہ بصورت نہنگ مردم خوار — ولے نہنگ بھی ہیں اس سے نت اماں جویاں
بروز معرکہ نکلے میان سے وہ اگر — تو اس کے خوف سے ہو آب زہرۂ شیراں
میں آب و تاب بیاں اس کی کیا کروں کہ وہ تیغ — کھنچے تو شمس مشارق، چلے تو ہے ثعباں
خطر ہے کشتی افلاک کے تئیں اس سے — ہیں جو ہر اس کے جو گرداب کی طرح پیچاں
برندہ ایسی کہ گر مارے کوہ پر تو اسے — تو کاٹے جا کے وہ گاو زمیں کا بھی کوہاں
کیا میں فرض کہ افتاد ہے سب اس کی سی — جہندہ برق سما میں ولے یہ کاٹ کہاں

میں تیرے فیل سواری کی کیا کروں تعریف
تو آفتاب ہے اس کا تو وہ ہے کوہ گراں

وہ آ کے غصے میں گر مارے کوہ کے ٹھوکر
تو کوہ آگے سے ہو اس کے اس قدر پراں

کوئی کہے یہ کہ باروت سی اڑے ہے کہیں
کوئی کہے یہ کہ یہ آسمان کا ہے دھواں

کرے تو یوں متفرق ہوں کوہ کے اجزا
کہ جس سے فرق کیا جا نہ تا بہ ریگ رواں

کریں نہ زیر و زبر کس طرح صف اعدا
دو دست قدرت خالق ہیں اس کے دو دنداں

سپید ایسے کہ جس طرح ماہ چاردہم
دو نیم ابر کے لکّے سے ہو کے ہو رخشاں

سو لکّہ اس کا ہے خرطوم مشک فام اس کی
کہ جس سے ہووے خجل آبنوس کا چوگاں

پکڑ کے اس میں گوے زمیں جو دیوے پھینک
تو اس کی جست ہو تنگ حشر کا میداں

دلاور ایسا کہ گر اس کے سامنے آوے
لپک13 کے دشت نیستاں سے ضیغم غضباں

وہ ایک دانت میں اس کو عدم میں پہنچا دے
بہ آں غضب کہ زمیں پر رہے نہ اس کا نشاں

کجک کو دیکھ کے مستک پہ اس فلک فرکی
عدو کو غرۂ شوال ہو مہ رمضاں

کسی کو حرف نہیں اس کی کم زبانی میں
اگر چہ ہے وہ بظاہر تنک اک دریدہ دہاں

بروز معرکہ گر لشکر مخالف سے
سحاب توپ ہو مانند رعد برق فشاں

جو گولا آوے کبھی اس تلک تو سونڈ میں لے
اٹھا کے پھینک دے وہ جیسے گوے کو چوگاں

ہے بیٹھنے میں وہ سنگیں رکاب جیسے کوہ
و لے ہے اٹھنے میں دریائے نیل کا طوفاں

میں بے ستوں اسے کیوں کر کہوں کہ اس کے پاؤں
ستوں ہیں لیک عجب تر یہ ہے کہ ہیں وہ رواں

ہے اور وہ جو ترا رخش آسماں پیما
جہندہ بر صفت برق، آتشیں جولاں

سبک روی میں صبا خانہ زاد ہے اس کی
ہمیشہ بس کہ وہ کرتا رہا ہے سیر جہاں

ادا خرام کی اس کے میں کیا کہوں کہ وہ شوخ
ہے مثل موج شلائیں تو جیسے آب رواں

جو دیکھتے ہیں اسے وقت کاوا دینے کے
کہیں ہیں دور کے تئیں اس کے آفت دوراں

سریع تس پہ ہے اتنا کہ اس کی سرعت کا
میں ایک شمہ یہ کرتا ہوں تیرے آگے بیاں

جھپکتے چشم جو مشرق سے جانب مغرب　　سوار ہو کے ذرا اس کی تو اچک لے عناں
وہ اتنا جلد پھر آوے برنگ لمعۂ برق　　کہ آدمی کی نہ مژگاں سے ہوں بہم مژگاں
ثنا میں جس گھڑی اس بادپا کی لکھتا ہوں　　کرے ہے باد سے باتیں مرے قلم کی زباں
سخن کو طول نہ دے مصحفی دعا کا ہے وقت　　اٹھا نہ ہاتھ بہ درگاہ داور منّاں
الٰہی جب تئیں ہے آفتا عالم تاب　　الٰہی جب تئیں ہے چرخ و انجم رخشاں

خدا کرے کہ ترا آفتاب حشمت و جاہ
ہمیشہ مشرق اقبال سے رہے تاباں

✿✿✿

24۔ در مدح نواب وزیر آصف الدولہ

فلک کیوں نہ ہم کو کرے تیرباراں   زمیں ہے نشانہ، ستارے ہیں پیکاں
مہ نو سے ہر شب یہ یوز شکاری   کمر بستہ ہے نت بہ صید غزالاں
نہ گرگ آشتی سے تو اس کی ہو ایمن   کہ ہیں صلح میں اس کی سو جنگ پنہاں
کسی کو چپتا ہے جوں مار رہزن   کسی کو لپٹتا ہے جوں مار پیچاں
وفا گر کرے ہے کسی ساتھ چندے   تو پھر بے وفائی ہے اس سے دو چنداں
سیہ کاسہ ہے یہ یہاں تک کہ اس نے   سلا رکھے ہیں گھر میں لاکھوں ہی مہماں
وہ بیداد ہے اس کے ہاتھوں زمیں پر   کہ گل چاک کرتے ہیں اپنا گریباں
کبھی برقع شیر لے کر کے منہ پر   دکھاتا ہے اپنے بخوں تشنہ دنداں
کبھی گرگ یوسف ربا کی ہو صورت   یہ کرتا ہے تاراج یوسف جمالاں
ہر اک گوشہ پاتا ہوں روے زمیں پر   بہت پیر زن اس کے ہاتھوں سے نالاں
جوانوں کے بھی اس نے کھائے ہیں بازو   نہ گردن پہ اس کی ہے اک خون طفلاں
کسی کو خدا اس کے پالے نہ ڈالے   ہے خونخوارہ و بے اجل کس یہ سرحاں [1]
گزند اس سے پہنچے ہے اہل زمیں کو   یہ خواہی ہو مار سیہ، خواہ ثعباں

جو پاؤں میں یہ سر جھکائے کسی کے　　تو جوں خار پشت اس کو کردے ہراساں
کوئی برہنہ پا جو دیکھے مسافر　　تو پھینکے یہ رستے میں اس کے مغیلاں
ہے برق اس کی کاوش سے بیتاب و مضطر　　ہے رعد اس کے صدمے سے ہر گوشہ نالاں
بتاتا ہے یہ حقہ مرہم کا لیکن　　بغل بیچ اس کے ہے تیزاب پیکاں
ستارں سے زخموں پہ روشن دلوں کے　　نگوں کر رکھے ہیں ہزاروں نمک داں
ہے اس بے گنہ کس کی تیغ جفا سے　　بہر گوشہ خاک گنج شہیداں
یہاں تک کہ لالہ سے ماتم میں ان کے　　ہے آئینہ چشم پرخوں خیاباں
اگر غنچہ کے لب تبسم سے کھولے　　تو شبنم سے دے صبح دم چشم گریاں
بلائے سیہ جان کر اس کو ہر دم　　ہے آب اس کے سایے میں جوں بید لرزاں
جو صبح وطن کا ہو مشتاق کوئی　　تو دکھلائے یہ اس کو شام غریباں
یہ گمراہ کن ہے یہاں تک کہ اس سے　　جو نیرت کو پوچھو تو بتلائے ایساں
وگر نام پر اس کے قرعے کو پھینکیں　　تو تاثیر انکیس کی دیوے لحیاں
جو طالع میں آوے کس کے نحوست　　زحل کا مکاں ہونے دیوے نہ میزاں
ستاروں کو سونپی جو ہے دید بانی　　نظر بند ہیں اس کے ہم انس و ہم جاں
نہ ہندو کی تعظیم آنکھوں میں اس کی　　مسلماں کو سمجھے نہ یہ نا مسلماں
کہاں جا چھپوں اس کا مارا میں یارب　　کہ بے طرح در پے ہے یہ دشمن جاں
رہائی مری اس کے ہاتھوں سے تب ہو　　کہ پہنچوں بہ دربار دستور دوراں
زمینِ سخاوت کا دریائے اعظم　　سپہر مروت [2] کا خورشید تاباں
بہ ایں آدمیت، بہ ایں وضعداری　　میں دیکھا نہیں اب تلک کوئی انساں
کرے کیوں نہ توقیر اہل سخن کی　　کہ ہے بے سخن طبع اس کی سخنداں
نکلتے ہیں لعل اس سے ہنگام بخشش　　کہے تو کہ ہاتھ اس کا ہے کوہ سیلاں

جہاں نعل گھوڑے کا اس کے پڑا ہے وہاں کی زمیں سب ہے کانِ بدخشاں
عجب کیا ہے گر عدل اس کے کے ڈر سے کرے خس سے پہلو تہی برق سوزاں
زبس بھر دیا ناز و نعمت سے عالم گر سنہ نہیں تا بہ چشم گدایاں
خوش آئی ہے بوے طعام اس کی شاید نہیں خوان سے اڑتے جو طائر خواں
ہوئے ہیں زبس گرگ کے دانت کھٹے بخواب فراغت ہے اب چشم چوپاں
نہیں واجب الدخل کو منع ہرگز ہزاروں در اس کے پہ ہیں گرچہ درباں
وزارت سے اس کی نکلتی ہے شاہی ہے نام اس کا آصف و لے ہے سلیماں
چلے صر صر قہر اس کی فلک پر تو ہو جاویں گل ہفت شمع فروزاں
شجاعت پر آوے تو سایے سے اس کے سیہ شیر ہو مثل سایہ گریزاں
سخاوت شجاعت جو ضم ہو تو ہے وہ سخاوت میں حتم شجاعت میں دستاں
اگر قطع نسل عدو ہو جہاں سے تو کیا دور تیغ اس کی ہے اس پہ برہاں
کہوں کیوں نہ رستم کہ شہزوریوں میں نہ پیدا ہوا کوئی اس سا دوبھیاں
جلو دار ہیں اس کے رستم سے لاکھوں ہے ادنا غلام اس کا سام نریماں
یہ آتا ہے جی میں زمیں ہے غزل کی کروں بلبل طبع کو اب غزل خواں

غزل

صبا جو گئی باغ سے دامن افشاں کیا ٹکڑے ہر گل نے اپنے گریباں
ملے گر مسیحا تو میں اس سے پوچھوں کہ بیماری مرگ کا کیا ہے درماں
گلی میں تری اتنی لاشیں پڑی ہیں کہ ایک اک وجب پر ہے گنج شہیداں
مجھے دیکھ کر خلق کہتی ہے اس کو ذرا رحم کر اس پہ اے نامسلماں
بہار ایسی لالے میں تیرے کہاں ہے مرے داغ سینے کے دیکھ آ کے نعماں

نہ ٹھہرا کہیں موج بینی کا مارا　　نہ اچھلا کبھی غرق چاہ زنخداں
مرے دوش سے بار سر کو اتارا　　تری تیغ کا ہوں میں ممنون احساں
طبیعت ہے اپنی بھی پھر اک طرح کی　　کہو ہم سے الجھے نہ زلف پریشاں
کہہ اے مصحفی تازہ اب اور مطلع　　تو آخر تو ہے وقت کا اپنے سحباں

مطلع

ترا بحر بخشش ہوا جب کہ جوشاں　　گیا تا فلک آب گوہر کا طوفاں
وگر شاخ موج اس کی بڑھنے پر آئیں　　نہ لائیں ثمر غیر لولو و مرجاں
زمیں پر پھرے کیوں نہ لڑھتی ہوئی وہ　　یہ گوے فلک ہے ترے زیر چوگاں
ذخیرے ہیں سرکار میں تیری ایسے　　کہ عمر ابد کا جنھیں کہیے ساماں
گر ابر کرم تیرا اس پر نہ برسے　　سفال زمیں سے نہ پیدا ہو ریحاں
یہ کیا دخل رکھتا ہے جو مفلسی سے　　کلیجے پہ مفلس کے ہو داغ حرماں
ترے عہد میں کہ وہ کس روز جاگا　　تیقظ [3] کا ہے چشم فتنہ پہ بہتاں
تری تیغ اسے سرزنش کر رہی ہے　　جو طاغی کوئی ہو طرفدار طغیاں
نہ مغرب زمیں میں جنوبی سے تیری　　پرا کانپتا ہے عراق اور خراساں
تو وہ ہے کہ تا روم طے کر گیا ہے　　قراسیز کو تیرا شور الیماں
تری تیغ کی تاب ہیں موج دریا　　تری تیغ کے ابر میں مار پیچاں
میں برش کی اس کی لکھوں گر صفائی　　تو وہ دست کودک میں ایسی ہے پراں
کہ بھینسے کی گر ریڑھ پر وہ لگاوے　　تو جوں تسمہ اس سے گزر جائے آساں
وگر پاے اشتر کی بیٹھے نلی پر　　الف سینہ ماہ سے ہو نمایاں
نہیں سخت اور نرم میں فرق اس کو　　قراس کے تہ ضرب ہو یا کہ سنداں

بہم سختی اور نرمی اس میں ہے ایسی　　کہ فولاد موی ہے [4] جس کا ثناخواں
کشش میں وہ بنتی ہے جس دم دو پیکر　　کماں کے تری قوس ہوتا ہے قرباں
دو خانے میں اس کے ہے پنہاں دو عالم　　کیوں کیوں کہ اس کے تئیں تنگ میداں
ہراک شاخ بھی اس کی جوں شاخ گل ہے　　نہ چلّے پہ اس کے ہے رنگ بہاراں
خوش آیند ہے جوں بہار جوانی　　جو چھوڑو تو ہے جیسے عمر شاباں
جو تیر اس کا ہوتا ہے تو دے پہ بوندی　　کشادہ دہن ہے سرمار غضباں
وگر جاکے میل فلک میں ترازو　　ہوا صورت رمح پولاد سنجاں
انھوں نے کہ وہ واقف ہندسہ تھے　　تماشاے خطِ صلیبی کیا واں
جوتکوں [5] کا اس کے کوئی دستہ دیکھے　　کرے عقد پرویں کو اس پر سے قرباں
بہار ان کے سوفاروں کی کیا بتاؤں　　کہے تو کہ ہے دستۂ غنچۂ خنداں
لکھوں وصف گر کوہ پیکر کے تیرے　　تو کاغذ سے اٹھے سیاہی کا طوفاں
وہ رفتار میں اس کی سرعت بھری ہے　　کہ ہے سرعت ابر بھی جس کی حیراں
سیاہی بلندی کہوں کیا کہ ہے وہ　　سیاہی میں ریٹھا بلندی میں کیواں
چلے تو زمیں پر ہے تاریکی شب　　کھڑا ہو تو گاہ زمیں کا ہے کوہاں
جو اٹھے تو یوں زلزلہ ہو زمیں پر　　اٹھے جیسے دریا میں آشوب طوفاں
جو بیٹھے تو پھر اس پہ یوں بیٹھے گڑ کر　　کہ جوں کوہ ہووے جگہ سے نہ جنباں
جو پھنکارے تو ہوش اژدر کے اڑ جائیں　　جو چنگھاڑے وہ ہووے ضیغم خروشاں
ملاقات کرنے کو پیل فلک سے　　نت آغوش کی شکل ہیں اس کے دنداں
میں بیخود ہوں اس پر نہ کیوں ہاتھ ڈالوں [6]　　کہ ہیں گول جوں ساعد نازنیناں
صفا کوٹ کوٹ ان میں ایسی بھری ہے　　کہ بلور کے دستے ہیں جس کے حیراں
دو دانت اس کے ہیں سیم پیکر دو ماہی　　ہے خرطوم موج اور وہ دریاے عماں

اگر نیشکر خواری اس کی میں لکھوں		تو بے نیشکر مصر ہوجاوے ویراں
جو ساحل پہ سختی سے رکھے قدم کو		بچے سنگ پشت اور نہ جانبر ہو سرطاں
الگ یوں زمیں سے وہ جاتا ہے جیسے		ہوا پہ اڑتا ہو تخت سلیماں
وہ نیزوں کے حلقے میں چلتا ہے ایسے		نیستاں میں جیسے کہ شیر نیستاں
عدو کی چبھیں کیوں نہ آنکھوں میں سوزن		کہ سوزن سے کچھ کم نہیں اس کی مژگاں
یہ مستک پر اس کے کجک جلوہ گر ہے		کہ آب سیہ سے اٹھی موج رخشاں
اگر چہ وہ اتنی تو پتلی نہیں پر		ہلال اس کو کہتے ہیں باریک پیناں
جلاجل نہیں، جاے تعویذ اس نے		گلے باندھ رکھے ہیں دلہاے نالاں
اگر چہ وہ کہنے کو تو بے جگر ہے		پہ میداں میں کرتا ہے نت صید شیراں
جو خرطوم میں گہ قلابے زمیں کے		اٹھالے تو آوے زمیں بھی اکس ہاں
وگر مارے ٹھوکر سر آدمی پر		تو ہو کاسۂ سر سر عرش پرّاں
یہ طاقت بھلا کس کو دی ہے خدا نے		نظر کیجیو اس کی قوت پہ یاراں
لکھوں جست وخیز اب تو گھوڑے کی تیرے		قلم کا مرے تنگ ہے گرچہ میداں
اگر راکب اس کو کرے گرم گاہے		تو ہر نعل اس کا ہے پھر برق جولاں
وہ گھوڑا نہیں کچھ چھلاوا ہے بے شک		کہ دریافت میں جس کی ہے عقل حیراں
اٹھاوے قدم وہ تو نقشِ سم اس کا		پڑے جا کے بر فرق خورشید تاباں
چھپے نعل میں اس کے تھوڑا سا جب وہ		کسوف ہلالی ہو اس سے نمایاں
پڑے[7] ہے جو ٹاپ اس کی ہر دم زمیں پر		برستا ہوا جائے ہے ابر نیساں
گتھے بال اس کے تو جعد پری ہے		پریشاں ہو تو ہے وہ زلف پریشاں
بس اے مصحفی ختم کر یہ قصیدہ		نہ دے اس قدر زلف معنی کو طولاں
میں جانا کہ تو ہے زبر دست شاعر		میں مانا کہ تو ہے زباں دان و لستاں

یہ وقت دعا ہے بھلا اب تو چپ رہ درازی سخن کی نہیں تیرے شایاں
ہے جب تک کہ یارب زمانے کو گردش ہے جب تک کہ گردش میں گردون گرداں
ترے دوست ہیں جو رہیں وہ ہمیشہ شگفتہ جبیں، تازہ رو جوں گلستاں
ہیں اور وہ جو دشمن انھیں روز صحت
تپ غم میں ہو بدتر از روز ہجراں 8؎

❁❁❁

25۔ در مدح نواب وزیر آصف الدولہ

منہ سے برقعے کو مری جاں تو اگر دیوے کھول
تجھ سے خوبان عرب ناز و ادا لیویں مول

عرش اعظم پہ تری جعد نے پھینکی ہے کمند
چاہ یوسف میں تری زلف نے ڈالا ہے ڈول

جس زمیں پر کہ ترا رخ عرق افشاں ہووے
کیا عجب واں سے جو لے جاویں گدا موتی رول

زلف مشکیں ہے تری غیرت خوبان حبش
رخ رنگیں ہے ترا رشک بتان شکول

ہیں پڑے زلف میں تیری جو دلوں کے عقدے
موے زنگی کی طرح ہے وہ سراسر مرغول

قہوہ و چائے [1] کی خواہش نہیں عاشق کو ترے
وہ تو پیتا ہے سدا خون جگر سے تنبول

بسکہ واں گریہ عاشق سے بہے ہیں سیلاب

قاصد اس کوچے سے آتا ہے تو پانی کو جھکول
لے کے آئے ہے خط زلف عوض جان کے دل
جیسے کوئی عامل معزول پکڑ لاوے اول
قبر پر جس کی کھڑا ہو کے پکارے تو اگر
ہووے گر مردۂ صد سالہ تو اٹھے وہ بول
سر کے بالوں کی سیاہی کا جو ہے اس کو شوق
آنولہ پڑتا ہے ان میں گہے اور گاہے کنول
بات بات اس کی یہ بولے جو چلا جاتا ہوں
مجھ سے کہتا ہے وہ یہ آپ بھی کتنے ہیں بتول
کھو دیے ہیں غم روزی نے جو عالم کے حواس
ہیں اسی فکر میں سب چھوٹے بڑے فارت غول
وہ جو مفلس ہیں جو ہوتا ہے کچھ ان کے گھر ہیں
بیچنے آتے ہیں اسے چوک میں جا خاک کے مول
اور جو ہیں صاحب عزت ہے انھوں کی یہ معاش
تھے سلح [2] خانہ جہاں واں نہیں اب اک پستول
مصحفی قافیے اس کے متعدد ہیں میاں
ہوسکے تجھ سے تو کچھ مدح تو ممدوح کی بول
آصف الدولہ کہ آوازۂ بخشش جس کا
کشور ہند کو طے کر کے گیا استنبول
عوض اک گھر کے وہ دیتا اسے گنج قاروں
خانہ کرتا جو بنا عہد میں اس کے بہلول

عہد میں اس کے ہے ازبس کہ طرف عالم گیر
شادیانے کہیں بجتے ہیں کہیں گھر گھر ڈھول
یہ سماں عیش و طرب کا ہے کہ راتوں کو مجھے
نیند آتی نہیں گاتی ہیں جو سکھیاں ہنڈول
ایسے آصف کو سلیمانِ زماں کیوں نہ کہوں
جس کے دروازے پہ پریوں ہی کے اتریں چنڈول
عدل سے اس کے نہ وہ موجب گمراہی ہو
راہ رو کو نظر آوے جو بیابان میں غول
اس کے دروازے پہ آتا ہے گدائی کرنے
لے مہِ نو سے فلک ہاتھ میں اپنے کچکول
ساعدِ سیم ہیں اسپک کے ترے استادہ
ہیں چڑھے ان پہ جلا دادہ جو چاندی کے خول
چشم خورشید کو آتی ہے چکاچوندی سی
روے کار ان کے جو دیکھے ہے وہ سونے کا جھول
اب یہ آتا ہے مرے جی میں کہ اس دم ممدوح
یک بیک وصف میں ہاتھی کے اٹھوں مطلع بول

مطلع

اے کہ ہاتھی ہے ترا رفعت و شاں میں انمول
یہ وہ ہاتھی ہے کہ ہے جس سے فلک ڈانواڈول
تس پہ پھر رنگ سیہ اس کا جو دیکھے سو کہے

حوضِ گردوں میں دیا ہے شبِ تاریک کو گھول
نہ فقط وصف یہ ہے اس کی کہ ہے وہ کچھی
پیلیا بلکہ اودی مہرہ ہے وہ اور نرجھول
اس کے دانتوں سے یہ خطرہ ہے کہ دونوں ہاتھوں
شکمِ چرخ میں دیویں نہ وہ خنجر کو گنگھول
حملہ آور ہو اگر لشکرِ اعدا پہ کبھی
بہرے ہوجاویں وونہی دیکھ اسے غول کے غول
دونوں کان اس کے ہیں جوں دامنِ اندیشہ فراخ
دونوں دانت اس کے ہیں جوں ساعدِ معشوقاں گول
قدر اسی سے تو سمجھ لے یہ کہ وہ کیا ہوگا
جس کے دانتوں کا برادہ بکے الماس کی تول
جھول ہے بومِ طلا کی جو مغرق اس پر
لے لیا چرخ مکوکب کے تئیں اس نے مول
وصف گھوڑے کی کہوں کیا میں کہ اس کا راکب
اس کے منہ پر سے اگر دیوے اندھیری کو کھول
جست کا پھر تو یہ عالم ہو کہ جوں شعلۂ برق
قلعہ شام پہ تھا یا بہ درِ استنبول
کوئی کہتا ہے اسے یوں کہ چھلاوا ہے یہ رخش
کوئی کہتا ہے اسے یہ کہ بچھیرا ہے الول
تو سن وہم نہیں اس کے تئیں لگ سکتا
جس گھڑی آکے خوشی میں کبھی کرتا ہے کلول

صلہ اس نظم کا کیا مانگوں میں تجھ سے ممدوح
میں تو کیا چیز ہوں پر نظم مری ہے انمول

اصطبل خانہ کے داروغہ کو یوں بھیجے حکم
دے مجھے خاص طویلے سے کوئی گھوڑا کھول

لیک یہ شرط ہے قیمت میں ہو گو پیل سے کم
استخوانوں پہ نہ ہو اس کے مڑھا کھال کا جھول

تجھ سا حاتم میں نہ دیکھا کہ جو مانگوں سو دے
مجھ سا شاعر نہ سنا ہوگا کہ ہووے وہ ٹھٹھول

سن لے ان کو بھی کہ آئے ہیں زباں پر میری
بعد از سلسلہ مدح دعا کے کئی بول

جب تلک شادی و غم کی ہے جہاں میں رہ و رسم
جب تلک باد صبا دے گرہ غنچہ کو کھول

یا الٰہی جو ترے دوست ہیں دل شاد ہیں
اور جو دشمن ہیں پھریں چاروں طرف ڈانواڈول

✿✿✿

26۔ در مدح نواب وزیر آصف الدولہ

جب سے سرطاں میں ہوا نیر اعظم کا عمل
جس طرف دیکھیے پانی سے بھرے[1] ہیں جل تھل
کرہ خاک میں پھیلی ہے طراوت ازبس
نہیں ملتی ہے زمیں خشک بقدر خردل
اس قدر آب سے معمور ہوا ہے خم خاک
کہ نہیں اس میں اب اک ذرے کا ہرگز مدخل
اب اسے دیکھیو تو سرسبز نظر آتی ہے
مارے خشکی کے پڑی تھی جو زمیں جوں سرکل
کی ہے صانع نے زبس خاک پہ مینا کاری
جس طرف دیکھیے سبزے سے بھرے[1] ہیں جنگل
عالم آب ہی ہر سو اسے آتا ہے نظر
آنکھ پانی سے جو اپنی کبھی کھولے ہے کنول
کوکلے[2] بولتے ہیں ایسی خوش آوازی سے

جیسے اطفال پڑھیں مل کے دبستاں میں غزل

ساغر عیش کو کہتا ہے پپیہا پی پی
آنب کی ڈالی پہ بولے ہے جو تو تو کوئل

شور ضفدع کا یہ عالم ہے کہ اب دریا سے
مچھلی آرہتی ہے[3] بیتاب ہو ساحل پہ اچھل

چکوے چکوی کی شب ہجر ہوئی اور دراز
بس کہ آپس میں کیا آب کے طغیاں نے خلل

تال اور سم سے جو اٹھے ہے گھٹا طاؤسی
ناچتے پھرتے ہیں طاؤس بہر کوہ و کتل

ہے زمیں بیر بہٹی سے یہاں تک رنگیں
تو کہے اس پہ بچھایا ہے دوخوابہ مخمل

سفر عالم بالا جو ہوا ہے درپیش
لکۂ ابر نے دریا سے بھری ہے چھاگل

ہم تصاعد میں بخارات زمیں ہیں ہردم
ہم تقاطر میں مسامات[4] ہوا ہیں بل بل

رعد اس شور سے کڑ کے ہے کہ جیسے ہنومنت
پانی اس زور سے پڑتا ہے کہ جیسے موصل

تو کہے ہاتھ میں خورشید کے بقا دے کر
نشتر تیر نے کھولی ہے فلک کی اکحل

بس کہ قطرات کے پیکاں سے ہوا ہے روزن
شکل گرداب ہے جوں خانہ زنبور عسل

آب کی ایسی ہے ریزش کہ نظر آتا ہے
در و دیوار ہر اک صورت آئینہ محل

مچھلی گر سر کو نکالے ہے تو پھر جائے ہے بیٹھ
چادر آب کا منہ پر دونہی لے کر آنچل

ان دنوں جن کو سفر آئے ہے درپیش کبھو
مارے چہلوں کے وہ دوگام میں جاتے ہیں پھسل

زور سے پانی کے کچھ بس نہیں چلتا ازبس
راہ چلنے میں برابر ہیں سوار اور پیدل

سر پہ ہے صبح کے سورج سے کلہ بارانی
شب تاریک کے کاندھے پہ پڑا ہے کمبل

مینہ نے تار یہ باندھا نہیں گر دیکھیے خوب
یک قلم کھینچی ہے صفحے پہ ہوا کے جدول

قطرے کی تیز روی کا میں کروں کیا مذکور
موم جامے سے وہ پیکان سا جاتا ہے نکل

فیل باراں کا زبس شور ہے سرکاروں میں
فیل دن رات کھڑے رہتے ہیں اوڑھے کمبل

اک طرف نعرہ کناں جائے ہے دریائے اٹک
اک طرف دیکھیے تو پل پہ ہے اپنے چنبل

دجلے جاتے ہیں چڑھے جیسے کہ گھوڑے کا سوار
چاہ سیماب سے آئے ہیں کنویں سارے ابل

اس قدر آب کا طغیاں ہے کہ اب رہتے ہیں

غرق پانی میں کھڑے تا بہ کمر کوہ کتل

بس کہ رو آنے سے گھر سب کے بہے جاتے ہیں
غوطہ کھاتے پھریں ہیں پانی در اور سر دل
دمبدم کیا ہے یہ عارض پہ ہوا کے قطرات
نہیں عارض جو ہوا دیدۂ انجم کو سبل
زرد مٹی ہے سو سونے کی طرح گلتی ہے
سیم گل جاتی ہے دو بوندوں میں جوں سیم پگھل
بیم گرداب نے ملاح کو آکر گھیرا
کشتی پانی کے بھرے سے جو ہوئی ٹک بوجھل
ہو ہر اک گام پہ جب لغزش پا دامن گیر
راہ رو گرتے سے کس طرح بھلا جائے سنبھل
تن بہ تقدیر کوئی ہوتا ہے گھڑنا پہ سوار
کوئی کدو باندھ کے کرتا ہے عبور منہل
نالے کھولے جو کہیں تو کہیں ہیں پہلے
کہیں رپٹن ہے زمیں پر تو کہیں ہے دلدل
بختی چرک کو خطرہ ہے کہ اس رستے میں
پاؤں رکھتے ہوئے جاوے نہ کہیں میرا پھسل
یاد بھی رکھتی ہے گن گن کے قدم چلتے وقت
ہر گلی کوچے میں ہے بس کہ بہ افراط وحل

بے عصا راہ جو چاہے کوئی اک گام چلے
سد راہ آکے اسے ہووے ہے لغزش کا خلل
بس کہ دہقاں کو زمیں ساتھ رہے ہے کاوش
ہر طرف خاک کے سکاں میں پڑی ہے ہلچل
تختۂ مشق الف کیوں کہ نہ ہو تختۂ خاک
جب کہ اس پر الفی شکل چلیں لاکھوں ہل 6
شیر لیتے ہیں غزالوں کی طرح راہ گریز
گونجتا ہے جو کبھی شیر سیہ سا بادل
سیب نقشی سا نظر آوے ہے بوندوں سے تمام
شاخ پر نخل ثمر دار کی اس رت کا پھل
ہے بہم سودگی برگ درختاں اس وضع
جیسے دھوتا ہے کوئی ہاتھوں کو اپنے مل مل
حوض لبریز کے پانی کی صفا کچھ مت پوچھ
موج سے آئینے پر اس کے پھرا ہے مصقل
سیڑھیاں نہر کی جوں تختہ بلور ہیں صاف
وقت نظارہ نظر جاتی ہے جن پر سے پھسل
خاک شوئی پہ زبس ابر نے باندھی ہے کمر
معدن سیم ہے اب وہ جو زمیں تھی ریتل
دامن دشت ہے وہ شستہ وہ رفتہ سارا
جس سے جاتا ہے غبار دل عشاق نکل
رات بھیگی ہوئی کا اس میں نظر آئے سماں

شب مہتاب میں جاوے جو کوئی بر سر تل
اس صفا ساتھ ستاروں کی چمک ہے گویا
لیلیٰ شب نے منہ اپنے سے ملا ہے بھوڈل[7]

جگنو چمکیں ہیں زبس اس میں ستاروں کی طرح
روکش دامن افلاک ہیں دامان جبل
بس کے آثار ہیں بارش کے مہیا شب و روز
گھر میں ارباب طرب گاتے ہیں بیٹھے منگل
منحنی خط سی نکلتی ہے کبھی قوس قزح
صورتِ دائرہ مہ کھینچتے ہے گاہے کنڈل
سرخی و زردی و سبزی سے ہوا ہے اس میں
لعل و فیروزہ و پکھراج بیک سنگ کھرل
دیکھ تو صانع قدرت کی یہ رنگ آمیزی
اک پیالے میں کئی رنگ کیے کیوں کر حل
ساتھ سرخی کے ہے یوں ابر سیہ کی تحریر
نور مشعل پہ ہو جس طرح کہ دور مشعل
مانگنے میل فلک سے گئی ہے دوڑی شب
ہاتھ میں مطربہ شام کے دے کر مکحل
بس کہ رہتا ہے سماں صبح طرب کا تاچاشت
آنکھ جب کھلتی ہے سوتے سے کہ دن جائے ہے ڈھل
عشق کرتا ہے زبس دامن پرہیز کو چاک
عیش و عشرت کے مہیا ہیں سب ارباب دول

خاصہ ممدوح فلک رتبہ مرا جس کے لیے
تانے رہتی ہے سدا کالی گھٹا دل بادل
آصف الدولہ کہ باران سخا سے جس کے
وشت تا وشت تر و تازہ ہیں صحرا و جبل
کیا عجب اس کے اگر روز درم ریزی کے
پشت ماہی ، کمر گاو زمیں ہو بوجھل
جس جگہ نام کی ہے اہل کرم کے فہرست
ہے لکھا نام کو واں سب سے اسی کے اول
دیوے نعمت جو کسی کو تو کسی کو حشمت
بخشے خلعت جو کسی کو تو کسی کو کوتل
اس کی دربخشی [8] سے یوں دست طمع ہے معمور
ہاتھ جاتا ہے پھپھولوں میں کسی کا جوں پھل
جب میں اس کی سخاوت کے جو ہیں رمزشناس
قصہ بخشش حاتم کو سمجھتے ہیں زٹل
تِس پہ پھر عدل بھی اتنا ہے کہ اب دنیا میں
نظر آتا نہیں ہرگز کوئی ایسا اعدل
یعنی اک شمہ تو یہ ہے کہ اگر تیر انداز
ہاتھ میں لے کے کماں راست کرے دوش و بغل
تیر رہ جائے کماں ہی میں ترازو ہوکر
چھوڑتے وقت جو ہاتھ اس کا کہیں جائے بچل
اب تلک ماہ فلک پر ہے گرفتار خسوف
ہاتھ میں لے کے وہ نکلا تھا کہیں سیم دغل

اس کے بے حکم جو ہیزم کو جلاوے آتش
رکھے وہ اس کو نظر بند میان منقل

جب تلک خاک سے اس کی نہ ہو پیدا پھر نخل
اور اس نخل کی ٹہنی سے نہ پھوٹے کونپل
عدل کو دیکھ کے کرنے لگا وہ بھی دعوئی
تار مکڑی کا گیا تھا کہیں تک آگ میں جل
شیر فرزندی میں لیتا ہے غزالہ کے تئیں
پرورش موش کے بچے کی کرے ہے حنظل 9
آشیاں پنجۂ شاہیں میں رکھا صعوہ نے
مار و طاؤس میں باقی نہ رہی جنگ و جدل
پانی اک گھاٹ پیا کرتے ہیں باگھ اور بکری
گرگ اور میش کی اک جا پہ کٹے ہے آنول
دخل کیا دست درازی کرے اٹھ کر کے کہیں
لنج ہیں ہاتھ بھی فتنے کے تو ہیں پاؤں بھی شل
اور شجاعت بھی یہاں تک ہے کہ اس کی شمشیر
برق کی طرح غلافوں میں رہے ہے بکل
تابداری میں تو وہ ہے خم ابروے بتاں
آبداری میں ہے جیسے دم شمشیر اجل
اس کی وہ بال سے باریک جو ہے چہرواں باڑھ
بال کو چیرتی ہے مثل دو خط جدول
گر سر خصم رجز خواں پہ لگا اس کا ہاتھ

ایسی بیٹھی کہ کیا قصہ ہی اس کا فیصل
صورت شیر جو کلگی کا ہے قبضہ اس پر
جس کے دیکھے سے دل شیر ژیاں جاوے دہل
دب کے چلتا ہے شکوہ اس کے سے نت کام نہنگ
بس کہ ہیبت ہی میں دشمن کو وہ جاتا ہے نگل
دنگی اس کی جو دیکھے تو کہے یوں شاعر
زلف معشوق ہے یہ گرچہ نہیں اس میں بل
اس کی برش کی میں تعریف کروں کیا کہ وہ تیغ
گر قضا کار پڑے کوہ کے دامن میں اگل
کر دو ٹکڑے کمر کوہ جو بیٹھے نیچے
کمر گاو زمیں سے بھی تو پھر جائے نکل
ذہن میں اپنے وہ اس کو جو ہے اک پیل شکوہ
پیل کو ڈالے ہے چیونٹی کی طرح پاؤں میں مل
کرۂ نار کو سمجھے نہ وہ کیوں چنگاری
آسماں مطبخ والا کا ہو جس کی مرجل
کیجیے جمع اگر حاصل بحر و کاں کو
دخل کیا ہے کہ وفا کر سکے تاخرچ بصل
ہو معالج جو فلاطون فراست اس کا
ساتھ صحت کے بدل ہوویں زمانے کے علل

چھوڑے چیتے کو وہ اپنے جو کسی صحرا میں
اس کے حملوں سے نہ پاڑا ہی بچے نے چیتل

ہے کلاں گیر زبس باز شکار اس کا
نہیں ہوتا متوجہ ہو شکار قشقل

بلکہ سیمرغ ہوا سیر و فلک فرسا کو
سمجھے ہے آگے کلاں گیری کے اپنی زرغل

مدح حاضر سے معرا ہے عروس معنی
چاہیے اس کے تئیں مطلع ثانی کا حلل

اس لیے یہ جو قلم ہے مرا کل کا گھوڑا
پھیرتا ہوں میں مخاطب کی طرف اس کی کل

مطلع

تو ہے وہ سایۂ لطف و کرم عزو جل
جس کے سایے میں ہے آباد یہ سارا دنگل

گر اٹھا ڈالے زمانے سے دوئی کا تو حرف
ایک کے دو نظر آویں نہ بچشم احول

ہے شرف گاہ تری برج عماری ممدوح
جس طرح نیر اعظم کا شرف گاہ حمل

ساتھ وعدے کے ترے بس کہ وفا ہے نزدیک
آج مفہوم ہوا اس سے کہا تو نے جو کل

مہ نو دور سے نت اس کو کرے ہے سجدہ
شکل محراب ہے وہ جو تری تلوار کا پھل

پوست کھینچے ہے وونہی اس کا ترا شحنہ عدل

پوست بر پوست جو ہوتا ہے کوئی مثل بصل
عہد میں تیرے تہمن ہی نہ پکڑا آیا
لال خاں لکڑے سے جکڑے گئے کیا کیا اینڈل
یاں شجاعت کا جو راون نے کبھی دم مارا
توپ کے منہ پہ دھرایا، [10] اسے بھیجا مقتل
کیا عجب ہے جو مکافات عمل کا باعث
دن دیے ہونے لگیں چور کے گھر میں کونبل
تیری امرائی کا دیکھا ہے جنھوں نے کہ دماغ
اپنی مجلس میں وہ دیتے نہیں قیصر کو محل
بے نواؤں کی جو فریاد کو پہنچے تو کبھی
شکل نالے کی لب جو سے نہ نکلے نرسل
جس زمیں پر کہ ترے خلق کا بادل برسا
نہ اگا واں سے کوئی نخل بغیر از صندل
گر ترا ابر کرم تربیت باغ کرے
کیا عجب شاخ صنوبر بھی اگر لاوے پھل
موشگافی پہ جو آجائے ترا ناخن فکر
کھولے عالم کا وونہی عقدۂ ما لا ینحل
خاک کو آج یہ رتبہ ہے کہ ہر ذرہ ریگ
ہو کے چلتا ہے بہ خورشید فلک دست و بغل

خصم بے نور کی کیا تاب مقابل ہو ترے
دعویٰ روشنی سورج سے کرے کیوں کہ چغل

وسعت کیش کا تیری ہے وہ عالم کہ جسے
گر مفصل بھی بیاں کیجیے تو ہووے مجمل
کردے تو تلخ کو شیریں تو علی الرغم اپنے
طعم بیمار میں میٹھے کا مزہ دے حنظل
اطلس سبز فلک کو یہ تمنا ہے کہ ہو
تیرے فراشوں کے پاؤں کے تلے مستعمل
کھینچ کر تیغ جو میداں میں تو آوے تو وونہی
سامنے سے ترے ٹل جاوے وہ جو ہووے اٹل
گابھنی گابھے کو ڈالے ہے تری ہیبت سے
رانے روتا نے میں جب آکے پڑے ہے کھل بل
اب تو کرتا ہوں میں تعریف ترے گھوڑے کی
وہ جو گھوڑا ترا بجلی کی طرح ہے چنچل
جلد اتنا ہے کہ ہے عرصۂ یک گام اس کا
عرصۂ وسعت عالم زابد تا بہ ازل
اس کی سرعت میں کہو کیا جو چھلاوے کی طرح
دیکھتے دیکھتے ہو جائے نظر سے اوجھل
عقل حیراں ہے کہ کیا اس کو کہے فہم حکیم
جس کی رفتار کے آویں نہ سمجھ میں چھل بل
قدرت طے زماں سے ہے نت اس کی ماضی
وہ زمانہ کہ جسے کہتے ہیں سب مستقبل
اس کے کاوے کے مہ و مہر فلک پر ہیں دو چاک

جس کا ہر دورۂ آخر ہے بمعنی اول

حلقۂ دائرہ نعلِ سُم اس کا ہے وہ نون

وسط میں جس کے ہے جوں نقطہ سپہر اول

یمن پر اس کے نظر جائے تو پھر چہرہ نویس

بیچ دفتر کے لکھیں رخش فلک کو ارجل

تھوتھنی اس کی نزاکت میں ہے برگِ گلِ سرخ

گرچہ کہلائے ہے خوش چشمی سے اپنی اشہل

یال پر اس کی جلاتی ہے پری آکے سپند

کہکشاں دم کے تئیں اس کے کرے ہے[11] مورچھل

فربہی سے پڑی ہے اس پہ زبس پرنالی

نہیں آغوش زمانہ میں سماتی وہ کفل

اور جو ہاتھی ہے ترا برصفت کوہ بلند

کہتی ہے خلق جہاں جس کے تئیں دل بادل

عید کے دن اسے کیا خوب پھبے ہے واللہ

پاؤں میں چاندی کی زنجیر گلے میں ہیکل

آوے چلنے پہ تو جوں ابر سبک ہے رہوار

اور کھڑا ہووے تو ہے کوہ کے مانند اچل

معرکے میں جو وہ چھوٹا تو نخوردہ شمشیر

سیکڑوں لاشیں گئیں پاؤں تلے اس کے کچل

خاک کے مارے جو ٹھوکر تو ہوا بیچ جبال

یوں پھریں اڑتے ہوئے جیسے روئی کے ہوں پہل

ریگ کی طرح سے فولاد کے اجزا ہوں دقیق
ڈالے گر بیضۂ فولاد کو پاؤں میں مسل

عظم اور شان یہ کچھ تس پہ گراں باری کا
سچ بیاں کیجیے اس کی تو ہے ایسا بوجھل

اس کنارے پہ جو دریا کے رکھے اپنا پاؤں
اس کنارے کی زمیں پانی سے سب آئے نکل

خط اسود سے نمایاں ہے یہ خط ابیض
ساتھ خرطوم کے دانتوں کی یہ ہے اس کے مثل

یا سیہ خیمۂ لیلیٰ کے ہیں دو استادے
خول چاندی کے چڑھے جن پہ کہ ہو کر صیقل

نہ غلط یہ بھی نہیں سوجھا ہے اک مضموں اور
اس کو سمجھیں گے جو ہیں فن سخن کے اکمل

تا کرے آ کے تری بزم میں روشن اس کو
شمع کافور کا لایا ہے دو شاخہ یہ زحل

نقش پا اس کے ہیں پر کفہ میزاں جن سے
سب نحوست گئی ہے ساتھ سعادت کے بدل

تیشۂ کوہکن اس وقت ہے اس کا انکش
چلتے چلتے جو کبھی راہ میں جاتا ہے مچل

مصحفی طول قصیدے کو نہ دے حد سے زیادہ
ہے کلام اتنا ہی بہتر کہ ہو ماقل و دل

وقت ہے ، آ سروسامان دعا کر تیار

جس سے آقا کا پھلے گلشن امید و امل
جب تلک ہے یہ شب و روز کا ہنگامہ گرم
جب تلک ہے مہ و خورشید کی روشن مشعل
جب تلک خاک سے ہوتی ہے نباتات پدید
جب تلک آب سے ہوتی ہے روانہ جدول
جب تلک زہرہ بہ خنیا گری ہے آمادہ
جب تلک ہاتھ میں ہے چرخ کے مہ کا مندل
جب تلک آنکھ ستاروں کی ہے نظارہ فریب
جب تلک مہ شب تاریک کا پارے کاجل
یا الٰہی ! رہے محکم یہ ترا پنجہ و تیغ
یا الٰہی رہے قائم یہ ترا دین و دول
جو نکو خواہ ہیں پہنچیں بہ مقام اعلیٰ
اور جو بد خواہ ہیں نت ان کی جگہ ہو اسفل

✿✿✿

27۔ درمدح میرزا اسیف علی خلف نواب وزیر

ہاتھ ہر سفلے کا پہنچے تا بہ دامان قلم
چاک ہے اس غم سے جب دیکھو گریبانِ قلم

عرش تک پرواز کرنا منع ہے جبریل کو
ورنہ جا کر دیکھتا وہ شوکت و شانِ قلم

تیغ بند اس تخت گہ کا گر کرے دعویٰ دروغ
ملک معنی ہے بہ تسخیر سلیمانِ قلم

صفحہ اس کاغذ کا ہر گز کم نہیں گلزار سے
سایہ افگن ہو جہاں سرو خرامانِ قلم

کس کے ساعد سے مشابہ تھی جو باصد اشتیاق
چشم نرگس رہ گئی ہو کرکے حیرانِ قلم

تیغ لے کر خصم اگر آوے تو میں ڈرتا نہیں
ہاتھ میں میرے بھی ہے شمشیر برانِ قلم

میں ابھی کتم عدم میں تھا کہ تھا میرا خیال
کشور ایجاد میں شمع شبستانِ قلم

بند کرلے اولاً جو کوئی ناسور زباں

وہ کرے میرا علاج چشمِ گریانِ قلم

میں پری دار[1] جنوں اور اس پہ ہے گھر میں مرے
حاملانِ عرش کو سیرِ پرستانِ قلم

پا[2] برہنہ راہ میں کعبے کی لا ڈالا ہے ہائے
مجھ کو اندیشے نے در دشت مغیلانِ قلم

خصم سحرِ سامری کا مجھ سے کیا دعویٰ کرے
خود عصائے موسوی ہے یاں یہ شعبانِ قلم

ہے مشبّک آسماں کا سینہ میرے ہاتھ سے
متصل کھائے ہیں ازبس اس نے پیکانِ قلم

کیا ہوا سوتا ہوں گر میں، خواب میں مجھ کو نہ جان
ہیں مری بالیں پہ روشن شمع سوزانِ قلم

نامہ لیلیٰ کو لکھا چاہے تھا شاید کل جو قیس
انگلیاں اپنی تراشے تھا بہ عنوانِ قلم

سرو قد یار کا آنا مری آغوش میں
ہے بنان صاحب فالج پہ بہتانِ قلم

لکھتے لکھتے گر کروں میں لعب بازی کا خیال
گوے بن جاوے دوات ازبہرِ چوگانِ قلم

تیغ کا میں کام لیتا ہوں قلم سے اس گھڑی
سامنے میرے ہو جو ہو مردِ میدانِ قلم

کیا قلم کو ہاتھ میں لے کر میں لکھوں حسبِ حال
یاں نظر آتا نہیں کوئی زباں دانِ قلم

چاہیے ذکر اس کی اب رنگیں کلامی کا کروں
نام سے جس کے پراز گل ہے گریبانِ قلم
یعنی [3] مرزا سیف علی نواب والا اقتدار
ہے زمینِ شعر جس کے زیر فرمانِ قلم

تو کہے اس کی طبیعت تھی بروز وضع لوح
اس فنونِ شعر میں شاگرد حسانِ قلم
لکھ [4] گیا ہے وہ جو جوہر کو بنا کر فرد فرد
ناطقہ کے سر پہ ہے اس کا یہ احسانِ قلم

جس کو کہتے ہیں عطارد لے گیا تھا ایک دن
کف میں اپنے اس کا لے کر رشحِ مژگانِ قلم
رمح سے نیزے کی اس کے گر کرے وہ سرکشی
سر پہ بر سے خصم کے گردوں سے بارانِ قلم

استوا کے مارے گرڈانڈ اس کا وہ بلق سوار
چوب گتکے کی بنے پھر اس کا طولانِ قلم
کیجیے کیا اس کی فصاحت اور بلاغت کا بیاں
ہوں زباں دان سخن جس کے ثناخوانِ قلم

ہے قصیدوں میں متانت کوٹ کوٹ ایسی بھری
صاف جن سے جلوہ گر ہوتا ہے رجحانِ قلم

اور غزل کا بھی یہ عالم ہے کہ جس کو دیکھ کر

دیدہ اندیشہ رہ جاتا ہے حیران قلم

مدح غائب سے بہ سوے مدح حاضر اس گھڑی
چاہیے عطف عناں کر جائے یکرانِ قلم

لیک کہنا [4] مطلع ثانی بھی اس جا فرض ہے
پر وہ مطلع جس سے ہو کچھ اور ہی شانِ قلم

مطلع

اے کہ تیرا ہاتھ ہے نباض شریانِ قلم
ہے ترے خنصر کے ناخن میں رگِ جانِ قلم

جس زمیں پر سایہ افگن تھی ترے نیزے کی چھڑ
اس زمیں سے اب تک اگتا ہے نیستانِ قلم

نیزہ بازی پر جو تو آوے بوقت کارزار
موج مارے اس گھڑی دریاے جوشانِ قلم

ایسی شدت ہے کہ افواج عدو کے بان دار
بحرِخوں میں جاویں بہہ لے دل میں ارمانِ قلم

پھر جو یاد آویں انھیں ان کی چمکتی بوڑیاں
یوں کہیں جی میں یہ ہیں امواج عمانِ قلم

بزم معنی میں ترا حاسد نہ پاوے تا کہ راہ
رات دن قائم رہے ہے چوب دربان قلم

نے صدف میں ورنہ مہرومہ میں ہووے تازگی
گر نہ برسے ہاتھ سے تیرے یہ نیسانِ قلم

تازہ مضموں جس قدر تھے کشورِ ایجاد میں
نطعِ کاغذ پر ہیں تیرے آج مہمانِ قلم

ریزہ چیں مور و مگس ہوں کیوں نہ تیرے فیض سے
ساتھ اس وسعت کے دیکھا ہے کہیں خوانِ قلم

معنیِ سنجیدہ تیری طبع سے کیوں کر نہ ہوں
جب ترے دستِ طبیعت میں ہو میزانِ قلم

شعلہ کاغذ کو لگا دیتی ہے تیرے ہاتھ سے
سوزِ معنی سے زبانِ آتش افشانِ قلم

کرنہ ظلمات دوات تیرہ دل سے احتراز
اس کے پردے میں ہے پنہاں آبِ حیوانِ قلم

شہرہ گر شیریں کلامی کا تری پہنچے وہاں
نیشکر پیدا کرے واسط میں میدانِ قلم

نقطہ شک شکر کے ہوجاویں ہیں نقطے تمام
جب ترا کچھ آئے ہے مذکور احسانِ قلم

تھا نہ جس دم صفحۂ عالم پہ معنی کا نشاں
تھی طبیعت سے تری تحصیل سبحانِ قلم

تیرے رخشِ برق جولاں کا لکھوں ہوں اب میں وصف
دیکھیو تو اس گھڑی میرا بھی جولانِ قلم

رائضِ اندیشہ گر پھینکے اسے ہوکر سوار
تنگ ہو سرپٹ [6] پہ اس کی وسعِ میدانِ قلم

تس پہ سرعت بھی یہ رکھتا ہے کہ گر وہ باد پا

مثل صرصر کے چلے سوے بیابان قلم

آوے اور جاوے ہزاروں بار اس عرصے میں جو
گوشِ برگِ گل تلک پہنچے نہ افغانِ قلم

تیغِ براں کا تماشا تیری اس جا دیکھیے
جس جگہ صحرا کے صحرا ہوں نیستانِ قلم

گر لگے وار اس کا تیغِ کوہ پر دو میل پر
کوہ کے دامن کو پہنچاوے گریبانِ قلم

یہ جو ہاتھی ہے ترا نیزوں کے حلقے میں رواں
بان سے بھاگے نہ تالے رعد غران قلم

کالی نی نے کی طرح لہروں میں واں بہتی پھرے
موج زن جس جا ہو یا دریاے جوشانِ قلم

بن کے جب چاندی کی چوڑی اس کے دانتوں پر چڑھیں
جلوہ گر کیوں کر نہ ہووے اس سے پھر شانِ قلم

گر نہ تیری مدح کا مذکور پہنچا اس تلک
اپنی کوتاہی نہ تھی خود تھی یہ حرمانِ قلم

اب کہ آیا ہوں میں تیرے سامنے اے بحرِ جود
گلشنِ معنی سے ہو پر گل گریبانِ قلم

ان گلوں میں سے پسند آوے تجھے جو تازہ گل
ہاتھ سے اپنے کر اس کو زیبِ گلدانِ قلم

ختم کرتا ہے دعا پر اب قصیدہ مصحفی
کیوں کہ آخر ہوچکا ہے اس کا سامانِ قلم

مسندِ معنی پہ جب تک عرش کے نیچے رہے
فیض بخش عالمِ اندیشہ سلطانِ قلم

سورۂ نوں و القلم جب تک ہے خالق کو عزیز
لوح کے باعث ہے جب تک عرش پر شانِ قلم

جب تلک گوے معانی کو تہہ و بالا کرے
دستِ قدرت سے فضاے دل میں چوگانِ قلم

دعوتِ یارانِ معنی کے لیے شام و سحر
ہوجیو گسترده تیری بزم میں خوانِ قلم

خصمِ ناہموار تیرا گر کرے تجھ سے کجی
رہیو پھرتا روح پر نت اس کی سوہانِ قلم

✿✿✿

28۔ در مدح میر نعیم خاں ثابت جنگ

میں ایک دن گیا جو پے سیر بوستاں
دیکھا چمن میں میں نے عجب طرح کا سماں

چٹکیں تھے غنچے لائے کے سب کونلوں کی طرح
پنکھا کرے تھی ان کو صبا بسکہ ہر زماں

جھونکوں سے باد کے تھیں کشایش میں یک دگر
شاخ کماں کی طرح سے پھولوں کی ڈالیاں

قمری بھرے تھی ایک طرف حق سرہ
اور اک طرف کو فاختہ کوکو کرے تھی واں

گلہاے تازہ تھے جو بہم گرم اختلاط
سنبل کو گل سے ربط تھا جوں شعلہ و دخاں

تھا بس کہ بر فروختہ رخسارۂ چمن
ہردم سپند اس پہ جلاتا تھا باغباں

تھے سبز جیسے طوطی کے ہر برگ ہر شجر
اور غنچہ جیسے اس کی ہو منقار خوں فشاں

از بس ہجوم گل سے درختانِ باغ میں
ڈھونڈھے سے[2] کہیں نہ ملتا تھا بلبل کا آشیاں

موج ہوا کے یوں ورق گل پہ تھے خطوط
مسطر کے جیسے صفحۂ زریں پہ ہوں نشاں

تاراج خواب کرتے تھے بلبل کے چہچہے
فتنے کے تئیں جگاتی تھی شارک کی داستاں

صد برگ پر پڑے تھی جو گاہے مری نگاہ
آتی تھی مجھ کو یاد پریشانی خزاں

آب تنک کو بس کہ نہ تھی تاب حسن گل
یوں کانپتا تھا جیسے کبھی ماہ سے کتاں

میں نے کہا یہ دیکھ کے کیفیت چمن
دل سے کہ اے دبیر سخن سنج نکتہ داں

صد حیف ہے گر ایسی بھی فصل بہار میں
جوں غنچہ وا نہ ہووے ترا عقدۂ زباں

اس نے دیا جواب کہ پھر چاہیے ہے کیا / ممدوح کا تو اپنے ذرا مجھ کو دے نشاں
میں نے کہا سنا نہیں کیا تو نے اس کا نام / کہتے ہیں جس کو میر محمد نعیم خاں
نام خدا وہ سید عالی نسب ہے وہ / قاصر ہے جس کی مدح میں اندیشے کی زباں
آوے مزاج اس کا سخاوت پہ گر کبھی / مفلس کو بخش دیوے وونہی گنج شائگاں
حلم و حیا و مہر و مروت کی ہے وہ کاں / معدن میں ڈھونڈیے یہ جواہر تو ہیں کہاں
اپنے [3] خیال میں تو کوئی دوسرا نہیں / مسکیں نواز و مشفق و بسیار مہرباں
سب خوبیوں کا اس کی بیاں مجھ سے کب ہوا / سو خوبیاں ہیں اس میں، مرے منہ میں اک زباں
کس واسطے کہ یہ خلف مرتضیٰ علی / ہے سیّد منزّہ و پاکیزہ دودماں
جو کچھ کہے ثنا میں کوئی اس کی ہے وہ کم / یعنی کہ ہے وہ مجمع اخلاق بے کراں
اٹھے سخن طرازیِ غائب سے کیا مزہ / تا روبرو نہ مطلع ثانی کروں بیاں

مطلع

قوس قزح ہو جیسے کبھی زیب آسماں / اس طرح جلوہ گر ہے ترے ہاتھ میں کماں
تمکیں میں کوہ ہے تو سخاوت میں ابر تر / ہیبت میں شیر ہے تو شجاعت میں پہلواں
برش میں کیا بیان کروں تیری تیغ کی / گر فرق پیل پر تو لگاوے بہ امتحاں
یوں چیر کر وہ اس کو کرے جلوہ طرف دم / جیسے کہ برق ابر کے لکّے سے ہو عیاں
واں سے گرے زمین پہ تو پردے زمیں کے کاٹ / گاو زمین کے بھی کرے چور استخواں
ٹھوکر سے تیرے پیل کی کانپے ہے بس کہ کوہ / تا اوج چرخ جاتی ہے آواز الاماں
مضموں سوجھتا ہے یہی اس کے وصف میں / وہ آسماں تو اس کی ہے خرطوم کہکشاں
ازبس مقام اس کی ثنا کا بلند ہے / پہنچے نہ وہم تاکہ لگاوے نہ نردباں
اللہ رے تیرا رخش فلک سیر کن کہ ہے / پانی پہ جوں حباب سبک گامی سے رواں

ہوکر سوار اس پر اگر وقت تجربہ
ٹک گدگدا کے اس کی اچک لیوے تو عناں

اڑ جائے اس جگہ پہ دونہی وہ اک آن میں
پہنچے نہ جس جگہ کہ فرشتے کا بھی گماں

کیا دور رشک چرخ و کواکب ہو وہ زمیں
جس جا کہ ہو وہ ابر کا ٹکڑا عرق فشاں

دشمن کی کیا ہے تاب کہ آوے حضور میں
سر جب تلک کہ تیغ کو لاوے نہ ارمغاں

تو آفتاب اوج سپہر کمال ہے
روشن ہے تیرے نور سے یہ تیرہ خاکداں

کیجیے اگر علو بیاں تیری جاہ کا
کیا دور اگر زمین سخن ہووے آسماں

آوے اگر غضب میں تر شحنۂ عتاب
بولے فلک یہ خوف سے مریخ الاماں

پیر زمانہ کیوں کہ تری ہم سری کرے
حق نے دیے ہیں تیرے تئیں طالع جواں

پہنچے اسے خبر جو تری بے دماغی کی
کیا تاب ہے کہ باغ میں بلبل کرے فغاں

ہے تیرے دست جود میں اعجاز عیسوی
کرتا ہے آب زر سے تو احیائے مردگاں

اس دور آخری میں نہ دیکھا کہ ہو کہیں
اہل سخن کا تیرے سوا کوئی قدرداں

کس منہ سے میں بیان کروں خوبیاں تری
سو خوبیاں ہیں تجھ میں، مرے منھ میں اک زباں

کرتا ہے اب یہ حق میں ترے مصحفی دعا
یعنی یہ رسم[4] عید ہے جب تک کہ درمیاں

یارب ہمیشہ گردشِ چشمِ پیالہ سے
دشمن ترے خراب رہیں، دوست سرخوشاں

✿✿✿

29۔ در مدح میر نعیم خاں ثابت جنگ

ہے بنا چہرہ ترا جیسی کہ تصویر فرنگ
دیکھ کر کیوں نہ تجھے عالمِ تصویر ہو دنگ

پر عجب یہ ہے کہ اس حسن و لطافت پہ تجھے
دل دیا سینے میں خالق نے بصد سختی سنگ

گل کو رخسار سے تیرے جو میں تشبیہ نہ دوں
نالۂ مرغ چمن ہو نہ کبھی سیر آہنگ

یہ جو ہیں پھول ہزاروں چمن گیتی میں
فی الحقیقت ہیں ترے حسن کے یکسر[1] نیرنگ

سر جھکاتی ہے اسے دیکھ کے لالے کی کلی
فندق پا ہے تری بس کہ نہایت خوش رنگ

کہیں سنکار نہ دے دل پہ اسے تیری نگاہ
مجھ کو یہ ڈر ہے کہ ہے غمزۂ کافر سرہنگ

کس کے مقدم کی خبر ہے جو خوشی کے مارے
سرو جھومیں ہیں گلستاں میں کھڑے جیسے ملنگ

دل مرے پہلو میں فریاد کیا کرتا ہے
کسی وادی سے اٹھا لایا ہوں میں شاید زنگ

چاہیے جسم سبک تیز پری کرنے کو
سست پرواز کلانی کے سبب سے ہے کلنگ

زیب دیتا ہے سخن اپنی جگہ پر سچ ہے
وقت کھماج کے گاوے نہ مغنّی سارنگ

اتنا مغرور نہ ہو جاہ و حشم پر منعم
با خبر رہ کہ نہیں گردش گیتی کو درنگ

رستم و سام و نریمان و کیومرث و قباد
زیر راں کس کے نہ تھا ابلق ایام دو رنگ

سو تو اب ان کا نشاں بھی نہ رہا عالم میں
سو رہے کھا کے وہ سب دست اجل سے سرچنگ

از پئے تہنیت عید کہ ہے روز خوشی
وہ خوشی جس سے دلوں کے تئیں ہوتی ہے امنگ

مدح ممدوح کی اپنے میں کیا چاہوں ہوں
اے قلم تو بھی نہ کر لکھنے میں اب اس کے درنگ

یعنی نواب فلک رتبہ نعیم الدولہ
جس کا عالم ہے مشہور لقب ثابت جنگ

مومن و سید عالی نسب و دانا دل
قدر دانِ کہہ و مہ صاحبِ عقل و فرہنگ

دست دُرریز ہے اس کا گہِ بخشش و سحاب
مثل نیساں کے ترشح میں نہیں خس کو درنگ

اس کی شمشیر پہ کرتا ہے عدو جان نثار
جس طرح شمع کے شعلے پہ تصدق ہو پتنگ

ہو کے گھوڑے پہ سوار اس کو جو پھینکے سرپٹ
ایک سرپٹ میں نکل جاوے ہے دو صد فرسنگ

پوئیاں جائے ہے اک آن میں وہ لاکھوں کوس
اس کی سرپٹ پہ زبس عرصۂ کونین ہے تنگ

جست و خیز اس کی اگر وہم میں گزرے تو وونہی
توسن وہم کرے خندق عالم سے شلنگ

اچپلاہٹ پہ نظر اس کی کسی کی گر جائے
شوخیِ چشمِ بتاں کے نظر آویں سب ڈھنگ

طائر رنگ حنا گرچہ نہیں وہ کلگوں
لیک اڑ جانے کی ہے دل میں بھری اس کے امنگ

نہ تو ہتھی نہ کھریرے کی اسے حاجت ہے
شستہ و صاف ہے جوں آب گہر جلد کا رنگ

وصف ہاتھی کے لکھوں کیا میں ترے اے ممدوح
شب یلدا کا نہ پہنچا کبھی جس کو شب رنگ

مارے گر کوہ پہ ناخن تو ورق ہو ہو کر
تختۂ سنگ ہوا بیچ اڑیں جیسے پتنگ

دانت اس کے ہیں دو بازوے قوی دیو سپید
اژدہا شکل ہے خرطوم، دہن کام نہنگ

سونڈ اونچی جو کرے وہ تو فلک جائے سکڑ
آکے غصے میں جو چنگھاڑے تو کانپ اٹھے زنگ

مارے البرز کے ٹھوکر تو زمیں سے اڑ جائے
ایک ٹکر میں وہ ڈھادے دژ روئیں کی النگ

بیستوں ہے وہ دلے پاؤں جو اس کے ہیں ستوں
چار ارکاں ہیں بہ نظارۂ اہلِ فرہنگ

اس کی ان پاؤوں پہ اللہ رے سبک رفتاری
مورچے پر کبھی جس سے نہ ہوا عرصہ تنگ

برش تیغ کی تیری کروں اب تعریف
جس کے جوہر نے کبھی خواب میں دیکھی نہیں زنگ

گر لگاوے تو اسے پیکر روئیں تن پر
یوں گزر جائے وہ جس طرح کہ آنکھوں سے خدنگ

رستمی اس سے تری ہوتی ہے اس وقت عیاں
آوے تو کھینچ کے میداں میں اسے جب گہِ جنگ

لنگر ایسا کہ جسے لنگر دریا مانے
گھاٹ ایسا کہ جہاں غوطے ہی نت کھاوے گنگ

پیپلا اس کا دم مار سے لیتا ہے خراج
اور جو قبضہ ہے سو ہے جزیہ کش از روے نہنگ

موج آب اس کی کہوں کیا میں کہ ہوتے ہی علم
نظر آوے ہے وہ جوں شعلۂ آتش گہہ جنگ

جس قلم سے کہ اولوالعزمی کا تیری نقشا
ہووے مانی نے لکھا بر سر لوح ارژنگ

اس قلم سے وہ لکھے اس کو تو بانیل مراد
حملہ آور مہ گردوں پہ ہو تصویر پلنگ

دل دہی سے تری کیا دور ہے ہنگام تلاش
گر کرے گاو زمین شیر فلک کا آہنگ

دشمن و دوست کو باہم جو تو دے آمیزش
ہووے اک ذائقہ چاشنی شہد و شرنگ

رو برو تیرے قمر سر سے اتارے ہے کلاہ
کشور ہند میں بر قاعدۂ اہل فرنگ

گر تری راے سے لیویں نہ اجازت تو کبھی
خانۂ مشتری و ماہ نہ ہووے خرچنگ

وہ نہیں میں کہ اگر قافیہ تنگی نہ کرے
توسن خامہ مرا مدح کے میداں میں ہو لنگ

مصحفی لیک نہیں قطع سخن سے چارہ
دل میں مداحی کی رہ جاتی ہے شاعر کے امنگ[3]

اس[4] گھڑی تب تو میں سرگرم دعا ہوتا ہوں
ہاتھ اٹھا کر کے بہ سوے فلک نیلی رنگ

جب تلک عید کی ہے اہل جہاں کو عشرت
جب تلک آئے ہر اک گھر سے صداے نے و چنگ

زہرہ رقاص رہے بزم میں تیری شب و روز
اور ساتھ اس کے مہ و مہر بجاویں مردنگ

دوستوں کو ترے ہو عید کے دن کی سی خوشی
دشمنوں کا رہے احوال سدا غم سے بتنگ

30۔ در مدح نواب حسن رضا خاں

ان دنوں کیا جانے ہم سے کیا گناہ سرزد ہوا — نے وہ آنکھیں پیار کی نے وہ نگاہ آشنا
جس کی شمشیرِ تغافل پر نہ ہووے خوں کا رنگ — ایسے قاتل سے کوئی کس طرح مانگے خوں بہا
کیا بہم گزری ہے صحبت پیش ازیں میری تری — عشق کی وہ گرم جوشی، حسن کا وہ ابتدا
چہچہے بلبل کے گریہ ہیں تو اس گلشن کے بیچ — بے دماغی کا مری اے گل مداوا ہو چکا
خون میں عاشق کے خوباں دست و پا کرتے ہیں سرخ — اور بظاہر نام اس کا رکھتے ہیں رنگ حنا
باغباں رخصت اگر دیوے توقف کی ہمیں — سیر کے قابل تو ہے اس باغ ہستی کی فضا
عقدۂ بند قبا کو کھول دے ورنہ ابھی — پیرہن غنچے کا بے صبری سے ہوتا ہے قبا
ہوگیا چاک اس گھڑی ووں ہی گریبانِ زمیں — خاک سے میری وہ گل جب جھاڑ کر دامن اٹھا
غنچۂ تصویر سا خاموش ہے شاید اسے — کر دیا اس میری چسپاں اختلاطی نے خفا
سینہ گردوں مشبک صورت غربال ہے — کیا اسے تو نے نشانہ تیر مژگاں کا کیا
منہ سے گر برقع اٹھا اس کے تو ہم کو کیا خوشی — ہم تو تب خوش ہوں کہ اٹھے پردۂ شرم و حیا
سیر اوراق حنا کرتا ہے کیا ایدھر تو دیکھ — دیدۂ پُرخوں کا ہے میرے بھی رنگیں ماجرا
لالہ و گل یک طرف آنکھیں جنھوں کے ہیں کھلی[1] — خاک رنگین چمن کو وہ سمجھتے ہیں منا
تابہ کے فکر غزل اب کہ قصیدہ مصحفی — شان میں اس کی کہ ہے وہ جو[2] سزاوار ثنا

سرفرازِ دین و دولت، سرفرز الدولہ آنکہ[3]
دستِ جودِ او بود در حقِ مفلس کیمیا

بلکہ پایا جائے اس کی ذات میں خلقِ حسن
ہر کوئی سنتا ہے اس کے وصف باشمع رضا

مومن صادق محب خاندان اہل بیت
ہم نے تو ایسا نہیں دیکھا جہاں میں دوسرا

یوں تو اک عالم ہے اکثر تعزیہ دار امام
پر کوئی لیتا ہے کم اس کی طرح سے تعزیا

گر میں تیاری کا اک شمہ کروں اس کی بیاں
اور وہ قندیلوں کا نقشہ اور وہ روضے کی صفا

چاہیے اک نور کی منہ[4] میں مرے ہووے زباں
تا کہ اس نور تجلی کی وہ ہو مدحت سرا

ناظمانِ ملکِ معنی سب ہوئے آکر رجوع
ناظم الملک اس کو جب سے حق تعالیٰ نے کیا

گھر سے اس کے ہے غرض نشوونما ہر شخص کی
تو کہے وہ خانہ دولت ہے خود بستاں سرا

کام کی اپنے برآمد جن کو کچھ منظور ہے
اس تلک ہی پہلے لے جاتے ہیں اپنا مدعا

مدح غائب سے تسلی دل کی کچھ ہوتی نہیں
روبرو جب تک نہ پڑھیے کہہ کے اک مطلع نیا

مطلع ثانی

اے سراپا بذل و جود لطف واحسان و عطا
تو وہ دریا ہے کہ جس کی موج ہے دست سخا

جس طرف اس موج کی جنبش ہوئی اک آن میں
کاسۂ سائل کو اس نے موتیوں سے بھر دیا

خلق کا در پر ترے از بس کہ رہتا ہے ہجوم
نور کو خورشید کی ملتی نہیں بے سایہ جا

جس زمیں پر تو گزر کرتا ہے جوں ابر بہار
سبزہ واں کی خاک سے اُگتا ہے بادست دعا

تو نے گر دیکھا نگاہ قہر سے دشمن کی سمت
گر وہ کوہ آہنی تھا آب ہو کر بہہ گیا

لکھ کے نقشہ کوہ تمکیں کا ترے مانی اگر
ہاتھ سے لے کر ہوا میں دیوے کاغذ کو اڑا

آزمیں[5] پر اس قدر جم جائے وہ جوں لوح سنگ
جس کو جنبش دے سکے ہرگز نہ تحریک صبا

کیا دوانا ہے جواب ہم سے کرے گا کج روی
آسماں ہے تیری زنجیر عدالت سے بندھا

پیل پر جس دم کہ تو کسوا کے حوضہ ہو سوار
درک میں حیراں رہے اس کی سبھی خلق خدا

یعنی جو رنگ سیہ کو اس کے دیکھے یوں کہے
ہے تو یہ شب پر نظر آتی ہے کچھ بیضا ضیا

جس گھڑی خرطوم کی جانب گئی میری نگاہ
مجھ کو موسیٰ یاد آیا اور وہ اس کا عصا

ڈال دیتا ہے زمیں پر جب کہ وہ اس کے تئیں
بحر[6] طبع ساحراں بن جاتی ہے وہ اژدہا

مطلع خورشید کا بھی ہوگیا بازار سرد
وصف میں دانتوں کی اس کے میں نے جب مطلع کہا

مطلع

وہ ہاتھی ہے کہ ہر دانت اس کا از روے صفا
صبح پر کرتا رہا ہے خندۂ دنداں نما

اور جو گھوڑا ہے سواری کا تری اے شہسوار
گرم رَو مانندِ صرصر ، تیز رَو مثلِ صبا

نرمی اور گرمی کہوں کیا اس کی میں رفتار کی
ہے ہوا میں جیسے آتش اور پانی پر ہوا

نقشِ سُم میں نعل الٹا ہی وہاں آیا نظر
جس زمیں پر وقتِ سرعت کے قدم اس کا پڑا

الغرض مشرق سے مغرب کر گیا وہ طے و لے
آمد و شد کا نہ اس کی بھید کچھ ظاہر ہوا

چہرہ اس کا ہے پری تو یال ہے زلفِ پری
آسماں سی ہیں سُریں تو دُم ہے خطِ استوا

کیا کروں تعریف تیری تیغِ دشمن سوز کی
میان سے گر اپنے وہ نکلے تو ہے برق بلا

آبدار ایسی کہ تیرے دستِ خارا دوز سے
وار اس کا گر سرِ پولاد پوشاں پر لگا

وار کے لگتے ہی یوں پیری کہ بس اک آن میں
خود کو جوں کاسۂ سر صاف دو ٹکڑے کیا

اور زرہ پوشوں کے تن کی سیر کی تو اس طرح
اندر اندر جیسے دریا میں کرے ماہی شنا

بوے خوں آتی ہے از بس اس کی آب تیز سے
لگ نہیں سکتا ہے مارے ڈر کے اس کو مورچا

طرفہ دریا ہے کہ چکر جوہروں کے اس کے بیچ
متصل لگتے ہیں جوں مرغول زنگی خوشنما

ہے تو وہ دریا و لے جو کوئی گھاٹ اس کے چڑھے
اس کو اک پل میں کرے ہے غرق گرداب فنا

گرچہ وہ خود آتش سوزندہ ہے مانند برق
خانۂ چوبیں میں لیکن ہے مقام اس کا سدا

مدح کا عرصہ نہایت طول ہے اے مصحفی
گر نہ لیجے باگ گھوڑے کے قلم کی اک ذرا

تو ابھی دفتر کے دفتر ووں ہی ہو جاویں سیاہ		دیکھ تو وسعت سخن کی بل بے تیرا مرتبا
پس یہ لازم ہے تجھے اب اس گھڑی کا ے مدح سنج		کر کے ختمِ مدعا ہو نغمہ پردازِ دعا
جب تلک یا رب فلک پر جلوہ گر ہے مہر و ماہ		جب تلک ہے گرمی ہنگامۂ صبح و مسا

دوست داروں کو ترے ہو خاطر آزادی نصیب
اور جو دشمن ہیں رہیں وے نت گرفتار بلا

✿✿✿

31۔ قصیدہ در مدح نواب طاہر الدولہ عرف محمد رضا خاں خلف الرشید نواب حسن رضا خاں[1]

دم میں دم ہے جب تلک لازم ہے ہم کو پیچ تاب
موج سے پہلو تہی ٹوٹے پہ کرتا ہے حباب

پوچھتا کیا ہے تو اصل ہستی موہوم آہ
ہے پڑا منھ پر بشر کے صورت مردم نقاب

برق عالم سیر اگر میں ہوں تو بے موجب نہیں
جزو اعظم آپڑا ہستی کا اپنی اضطراب

آشناے حرف ہوتے ہیں لب شیریں کہاں
ہاں بہ زہر[2] چشم ہی سائل کو ملتا ہے جواب

آدمی کو تربیت سے ہوتا ہے حاصل شرف
قطرۂ نیساں صدف میں جا کے ہو در خوش آب

کیا بتاؤں میں تجھے چالاکی شبدیز عمر
اس جگہ پانی بھرے ہے برق خاطف کا شتاب

رکھ دیا صانع نے اس کے چشم اور رخسار میں
خندہ روئی گل کی اور نرگس کی آنکھوں کا حجاب

لخت دل کو رایگاں کھوتا نہ تو اے چشم تر
سلطنت کا مول ہے یعنی کہ یہ لعل مذاب

جب فنا آئی تو وہ عین بقا خود ہوگئی
دیدۂ تصویر کو یکساں ہے بیداری و خواب

مدح گوئی پر زباں اس وقت راغب ہے مری
واسطے اس کے کہ جس کی ذات ہے مدحت کا باب

طاہر الدولہ بہادر وہ کہ جس کا دست جود
وقت بخشش ہو محیط خاک مانند سحاب

گر بہ روز جنگ نکلے وہ دو دستی تیغ زن
ڈال کر بھاگیں سپر کو رستم و افراسیاب

صاحب علم و مروت، منبع جود سخا
مظہر آثار خیر و مرجع اہل نصاب

آدمیت، قابلیت، اہلیت، دانا دلی
ذات میں اس کی یہ چاروں [4] ہیں عناصر لاجواب

آستان آسماں سے کم نہیں یہ آستاں
جس کا ہر ذرہ اٹھے ہے باشکوہ آفتاب

غیر خاکستر نہ آوے اس زمیں پر کچھ نظر
کوہ ایمن پر گرے اس کی اگر برق عتاب

در نگاہ لطف ہو اس کی اک ادنا کی طرف
چشمۂ حیواں بنے وہ تھا اگر ریگ سراب

جاہ وحشمت کا کروں میں ذکر کیا اے دوستاں
دیدۂ مردم سے کیا پنہاں ہے نور آفتاب

کر کے اس کی فر و شوکت پر نظر از روے عقل
سوچ کر یہ بات جی میں اپنے باراے صواب

آسماں چاہے ہے ہووے اس کے دل بادل کی جھول
کہکشاں چاہے ہے ہووے اس کے خیمے کی طناب

جی میں آتا ہے پڑھوں مطلع اک ایسا روبرو
حرف بے ایما سے جس کے نکلیں [5] معنی خطاب

مطلع ثانی

مدح تیری ہو سکے کب مجھ سے اے والا جناب
منہ سے ذرے کے ادا ہو کیا ثناے آفتاب

سرکشان دہر میں تابع ترے فرمان کے
یعنی تیری تیغ قہران سب کی ہے مالک رقاب

حلقہ ہے تیری کماں کا حلقۂ دور فلک
پر ہے تیرے تیر کا ہم خانۂ تیر عقاب

گر ترا تیر ہوائی جاوے سوے آسماں
وقت رجعت پھر وہ ہے تاثیر میں تیر شہاب

شمع نے کی تھی کہیں مجلس میں تیری سرکشی
اب تلک ہے زیر تیغ اس کا سر پر التہاب

خاک کا اس آستاں کی میں نے دیکھا یہ شرف
اس جگہ چاہے ہے ذرے سے سفارش آفتاب

گر نسیم خلق تیری جاوے گلشن کی طرف
داغ و خون لالہ دے شامے کو بوے مشک ناب

بے پر و بالوں کو گر تو قوت پرواز دے
بال و پر پیدا کرے آتش پہ پھر مرغ کباب

بس کہ تیری طبع میں مضمر ہیں معنی تمیز
اہل معنی کو تو لفظوں سے کرے ہے [6] انتخاب

گر فضائل کا ترے اک نکتہ بھی چاہوں لکھوں / پھر وہی نکتہ اگر تفصیل دیجے ہو کتاب
دست و پا مارے ہیں[7] بہتیرے شب و روز آسماں / لیک ہو سکتے نہیں مجلس میں تیری باریاب
کیوں کہ مجلس ہے تیری جائے نشاط و خوش دلی / اور ہے خلقت میں ان[8] کی دمبدم کا انقلاب
پاسبان عدل تیرا کیوں نہ نت جاگا کرے / چشم کو فتنے کے دی آنکھوں کی لے کر اس کے خواب
کیا دہن میرا کروں تعریف بخشش کی تری / تو ہے اک دریائے جوشاں ہاتھ ہے تیرا سحاب
پر وہ ہنگام ترشح جس سے بر ہر خشک و تر / برسیں[9] قطرے کی جگہ پر یک دگر در خوش آب
کیا لکھوں سرعت میں تیرے رخش کی اے شہ سوار / دیکھنے میں اپنے اب آیا مجسم اضطراب
پیٹ کا پانی نہیں ہلتا چلے ہے پویہ جب / پھینکیے سرپٹ تو اس میں سیل کا سا ہے شتاب
ڈوب جاوے آسماں میں جاکے گر وہ برق سیر / ہو غلط با ماہ نو نظروں میں اس کی ہر رکاب
اتنے عرصے میں پھرے سیر منازل کر کے پھر[10] / جو نہ ہونے پاوے ہرگز ماہ نو رو در حجاب
اس سے بہتر کیا لکھوں تلوار کی برش تری / کوہ پر مارے تو وہ جاوے گذر جوں موج آب
لنگر اس کا ہمرکاب لنگر کشتی نوح / جوہروں کے اس میں چکر جیسے دریا میں حباب
اس کے قبضے پر کوئی "انا فتحنا" کیا لکھے / قلعۂ اعدا کی خود[11] ہے وہ کلید فتح باب
مصحفی رطب اللساں ہو اب دعا کا تو کہ ہے / باعث دردسر سامع ثنائے[12] بے حساب
یا الٰہی جو ترے بدخواہ ہیں دنیا کے بیچ / زندگی و موت میں مٹی رہے ان کی خراب

اور جو دولت خواہ ہیں با کر و فر آسماں
رو کشادہ ان کو دیکھے خلق شکل آفتاب

32۔قصیدہ در مدح نواب بارگاہ قلی خاں دستور المعظم مرزا جواں بخت جہاندار شاہ

دل میں ہی اپنے سیر جہاں کر رہے ہیں ہم　　کافر ہے جس کو ہووے تمنائے جام جم
یاں سے قدم تو جلد اٹھاوے گا گر تو پھر　　آگے ملے گی جاکے رہ دیر اور حرم
آنکھوں کو کیوں اشارت خوں ریز عام ہے　　مژگاں نے کم کیا ہے مگر جور اور ستم
رکھتا ہے یوں [1] جو مجھ کو شکنجے میں آسماں　　کس دن میں کی تھی آرزوے زلف خم بہ خم
ہے سیر لالہ یاں جگر داغدار میں　　اس رنگ پر کھلا ہے کبھی گلشن ارم
رستم ہزار زخم ستم جھیلے ایک بار　　مژگاں کے زخم کا نہ اٹھاوے کبھی الم
اشراقیوں کا کعبہ و قبلہ ہے تیرا رخ　　گر جھوٹ بولوں روح فلاطوں کی ہے قسم
جاتے ہیں روز و شب جو چلے یاں سے قافلے　　آباد ہو چکا نہیں کیا کشور عدم
بدنام کر رکھا ہے اجل کو نگاہ نے　　آنکھوں [2] کے دور میں ہے تری فتنہ متہم
یوں چاہیے کہ [3] از پس تشبیب اس گھڑی　　ممدوح کی میں اپنے کروں مدح کو رقم
نواب بارگاہ قلی خاں کہ دہر میں　　پیدا ہوا نہ جس سا کوئی صاحب ہمم
دست سخاوت اس کے سے پھرتے ہیں پارہ دوز　　ماہی کی طرح پیٹھ پہ لادے ہوئے درم

عقل کل و مدبر تدبیر خسروی
دانا دل و وحید زماں و نکو شِیَم

ذی رتبہ و مقرب سلطاں حشم شکوہ
کان سخا و بحر عطا مخزن کرم

کاغذ پہ سارے [4]اس کے کمالات گر لکھوں
میرا ہی حوصلہ ہے نہ ہے طاقت قلم

بہتر ہے اس سے یہ کہ میں آکے روبرو
خوبی میں تیغ کی کوئی مطلع کروں رقم

مطلع

ہووے بروز جنگ تری تیغ اگر علم
نیزوں کو وہ برنگ نیستاں کرے قلم

جوہر سے اس کے ہیں دل ادا میں پیچ وتاب
برش کی اس کی تیغ قضا کھاتی ہے قسم

سر پر لگے عدو کے تو روے زمین پر
ٹکڑے ہو سر کے ساتھ گرے خود اور جھلم

ممدوح وہ جو رخش فلک سیر ہے ترا
ہے جس کے آگے عرصۂ کونین دو قدم

گھوڑا نہیں کہے تو وہ وحشی غزال ہے
جو چلتے چلتے سایے سے کرتا ہے اپنے رم

وہ سرسری چلے تو صبا اس کو دیکھ کر
واماندگی کے ڈر سے کہے اک ذرا تو تھم

ہاتھی ترا بلندی میں ہے کوہ بوقبیس
اور رنگ کی سیاہی میں بارود کا اٹم

چلنے میں پیل مہرہ شطرنج کی طرح
ہیں تین گھر زمانے کے اور اس کا اک قدم

نکلے اگر وہ ہو کے برابر سے طور کے
بچے کی طرح اس کے وہ آوے [5]تہِ شکم

دانتوں کے اس کے وصف میں حیراں نہ کیوں رہوں
دو صبح کا طلوع ہے اک شب سے یاں بہم

چاہے ہے لے کے پھینک دے چنگل میں گوے چرخ
اونچی کرے ہے اپنی جو خرطوم دمبدم

اس پر سوار ہو کے جدھر کو تو رو کرے
دب جائے کوہ دیکھ ترا جاہ اور حشم

آتا ہے جی میں اب میں کروں مصحفی دعا
اس وقت تو بھی ہے مرا مطلب اہم

جب تک کہ آسماں کی ہیں نیرنگیاں نمود
اور ہے شفق سے اس کے خم نیل میں بقم

کرتا رہے تو عیش وطرب نت جہان میں
دشمن کا تیرے روز رہے جیسے شام غم

33۔ قصیدہ در مدح نواب محبت خاں

الفت چسپاں تھی میرے خون کو خنجر کے ساتھ
رہ گیا ہے وصل ہو کر تب تو ہر جوہر کے ساتھ

آنکھ تیری ہی سمجھ اس کو بہت ہم خوش ہوئے
جا لڑی آنکھ اپنی گر شب کو کسی اختر کے ساتھ

جو سلیماں تھے کیے اس نے غبار راہ مور
زور کس کا چل سکے ہے چرخ زور آور کے ساتھ

بت تراش لفظ و معنی تو ہوں پر ہے کافری
تولنا میرے قلم کو تیشۂ آزر کے ساتھ

کس کی مژگاں نے مشبک کردیا سینہ مرا
جو وہ چشمک[1] زن ہے ہر اک روزن مجمر کے ساتھ

چشم تر میں میری یوں لہراتی[2] ہے کافر کی زلف
سانپ جوں بازی کرے پانی میں نیلوفر کے ساتھ

کیا کروں خوبی بیاں شمشیر مژگاں کی تری
ایک تو ایسی دراز اور تس پہ اس لنگر کے ساتھ

وہ قیامت زا ہے میرا نالہ جو پھرتا ہے نت
باندھ کر دامن کو اپنے دامن محشر کے ساتھ

ہے روانہ اس طرح لختِ جگر دنبالِ اشک
نابلد جس طرح جاتا ہو کوئی رہبر کے ساتھ

دیکھیے قائم رہے آخر کو یا شہ[3] مات ہو
بازیِ شطرنج ہے اس چرخ بازی گر کے ساتھ

کس کے مژگاں کا یہ مجھ کو خار خارِ عشق تھا
اشک خوں گرتے ہیں آنکھوں سے سو اک نشتر کے ساتھ

صورتوں پر ہے جو گردش مثلِ فانوسِ خیال
جس طرف تم دیکھو گھر والے پھریں ہیں گھر کے ساتھ

دیکھیں[4] کب نکلیں گے الجھیڑے سے اس کی زلف کے
ان دنوں ہم کو پڑا ہے کام اک ابتر کے ساتھ

آشیانے کو نہ بلبل کے اجاڑ اے باغباں
فائدہ بیہودہ کاوش مُشتِ بال و پر کے ساتھ

یہ نہیں معلوم ہم سے کیا خطا واقع ہوئی
آنکھ پڑتی ہے تری کچھ خوں چکاں تیور کے ساتھ

کھول کر آنکھوں کو غافل اک ذرا تو دیکھ تو
قدرتِ حق نے کیا ہے جلوہ کس مظہر کے ساتھ

جو کوئی دنیا میں اپنے فن کا ہو صاحب کمال
چاہیے وابستگی ہووے اسے اک در کے ساتھ

سو تو ایسا در نظر آتا نہیں مجھ کو کہیں
جس سے سائل شادماں آوے در[5] و گوہر کے ساتھ

یوں تو ہیں ہر گوشہ اہل دولت و حشمت ہزار
پر نہ دیکھا وہ کہ ہووے اسے اک در کے ساتھ

ہاں مگر نواب والا فر محبت خاں کہ ہے
دل سے اس کو دوستی ہر صاحب جوہر کے ساتھ

بلکہ وہ جو واقف فن شریف شعر ہیں
خود بھی ہم پنجہ ان کی طبع زور آور کے ساتھ

شعر کہتا ہے وہ ہندی فارسی اس لطف سے
جس کا ہر مصرع تلے ہے رشتہ گوہر کے ساتھ

حافظ الملک اس کا والد وہ شہید نامدار
معرکے میں آیا تھا جو لاو اور لشکر کے ساتھ

ہے ثبات اس کے سے یہ ظاہر کہ اس کی ذات کو
دیجے گر نسبت تو کچھ نسبت نہیں اکبر[6] کے ساتھ

پس شجاعت میں اسی کا یہ بھی ہے آخر خلف
وہ خلف تیغ زباں ہے جس کی سو جوہر کے ساتھ

لے کے نیزہ ہاتھوں میں گھوڑے کو جب کاواوہ دے
آسماں آوے نظر پھرتا ہوا محور کے ساتھ

تیغ[7] اس کی ہے بصورت روکش بال پری
اور جو تیغا ہے سو وہ ہم سنگ ہے اژدر کے ساتھ

جس نے پایا ہے تن و توش اس کے خوان جود سے
وہ گہ رفتار پہلو مارے ہے سنجر کے ساتھ

ظلم سے ظالم کو مانع جس جگہ ہو اس کی رائے
شیشہ واں پھر صیغہ اخوت کا پڑھے پتھر کے ساتھ
ہر شکاری سگ ہے اس کا وہ غزال شیر گیر
جس کا ہر نقش قدم پنجہ کرے ناہر کے ساتھ
بجلی اس کے قہر کی سوتوں پہ جس جاگہ گرے
خاک ہوکر سیکڑوں رہ جاویں واں [8] بستر کے ساتھ
وہ اگر چاہے کہ ہو دو شخص میں باہم فراق
تا ابد ہووے قران زن نہ پھر شوہر کے ساتھ
ہو وگر رابط وہ وصل عاشق و معشوق کا
پھر جدا ہوویں نہ وے کاٹیں اگر خنجر کے ساتھ
سطح سینہ کو بناوے صفحۂ مسطر زدہ
تیغ اس کی گر معارض ہو تن بے سر کے ساتھ
ور کرے انداز ظاہر سربری کا خصم کی
کاسہ سر صاف اڑ جاوے وونہی مغفر کے ساتھ
اس کی میں خوش جوہری کا کیا بیاں تم سے کروں
جو پر و پشہ نظر آوے ہے سو جوہر کے ساتھ
برق کی چھل بل ہیں اس کی آبداری میں تمام
نسبت اس کو کچھ نہیں شمشیر اسکندر کے ساتھ
کڑکڑا کر غول پر دشمن کے وہ جس جا گری
سیکڑوں لاشے ہوئے مدفون واں بکتر کے ساتھ
کوفت رہتی ہے دل اعدا کو اس سے رات دن
تہ نشاں کا اس پہ قبضہ ہے جو نقش زر کے ساتھ

ہاتھ اگر مارے وہ اپنا جا کے تیغ کوہ پر
گاو و ماہی سے گزر کر چار ہو پتھر کے ساتھ

سب 9؎ تماشائی کہیں ہم نے تو بس دیکھا نہیں
ہاتھ اس قوت کے ساتھ اور تیغ اس لنگر کے ساتھ

جی 10؎ میں اب آتا ہے یوں کر مدح غائب سے گریز
مدح حاضر کو کروں ضم مطلعِ دیگر کے ساتھ

مطلع

اے کہ تیرا ہاتھ ہے ہم پنجہ شیر نر کے ساتھ
موم کر دے اس کو گر پنجہ کرے پتھر کے ساتھ

اس نے بھی اکثر کیا ہے موم آہن کے تئیں
ہے 11؎ بجا نسبت تجھے داؤد پیغمبر کے ساتھ

مجمرہ بردار تیرا گر نہیں چرخ اثیر
تو بھلا پھرتا ہے کیوں اس آتشیں مجمر کے ساتھ

جب سلیماں اٹھ گیا دنیا سے تب بیعت ہوئی
خاتم دست سلیماں کو ترے خنصر کے ساتھ

جوں جوں پھرتی ہے وہ تیرے ہاتھ میں جرم قمر
جس طرف پھیرے تو پھرتا ہے اس انگشتر کے ساتھ

غیر حاجت مند و حاجت مند سب ہیں مستفیض
امر بخشش کا تری یکساں ہے خشک و تر کے ساتھ

ہووے گر منظو تجھ کو دودھ کا ان کے بچاو
دخل کیا توام تولد ہو پسر دختر کے ساتھ

گر تری عفت پڑھے گردوں پہ آیت ستر کی
پھر سہ دختر بھی جو نکلیں شب کو تو معجر کے ساتھ

ہاتھ میں تیرے کماں ہے وہ جو مانند ہلال
عاشقوں کے دل بندھے ہیں جس کے ہر سیسر کے ساتھ

از پے رجم شیاطیں اس کا ہر پیکان تیر
ہمسری کرتا ہے شب دنبالہ دار اختر کے ساتھ

خفت عقل ریاضی داں 2 1ـــ پہ ہے قطعی دلیل
نیزۂ خطی کو تیرے تولنا محور کے ساتھ

تاب کیا رستم کی جو آ کر کے ہووے ہم نبرد
حلقہ کنداگراں میں تجھ سے کنداگر کے ساتھ

تو کہاں اے تازہ گل اور دشمن پر خار پا
نارون کو کچھ بھی نسبت ہے بھلا تھوہر کے ساتھ

نامیہ کو گر تو قوت دے تو پھر اک آن میں
سنگ کے دانے سے نکلے شاخ برگ و بر کے ساتھ

وصف سطوت جب ترے لکھنے لگوں ہوں اس گھڑی
جی میں سوچوں ہوں تشابہ دیجے کس ہمسر کے ساتھ

عقل 3 1ـــکہتی ہے یہ مجھ سے اس بلند اقبال کو
دے ہے گر نسبت تو دے اے مصحفی قیصر کے ساتھ

پھر گذرتا ہے وونہی جی میں کہ جو ہیں اہل ہوش
لعل رمانی کو تولیں ہیں کہیں پتھر کے ساتھ

سروری ہے ختم تیری ذات پر اے باخرد
بے تہی ہے ربط دینا تجھ کو ہر سرور کے ساتھ

جس جگہ سامان بزم عیش تو کرتا ہے واں
خاک سے نکلے ہے خم خود شیشہ و ساغر کے ساتھ

آفتاب قہر تیرا ہووے گر دریا پہ گرم
کام شعلے کا کرے ہر موج نیلوفر کے ساتھ

درمیاں سے تو اگر کھووے ثقالت کے تئیں
ہووے ہر کوہ گراں ہم سنگ خاکستر کے ساتھ

عدل کسریٰ سے برابر تب کروں میں تیرا عدل
جب مسلماں کے تئیں کچھ ربط ہو کافر کے ساتھ

شیرنی سے لابہ بازی میں ہے یوں آہو برہ
طفل جوں جاتا ہو لپٹا دامن مادر کے ساتھ

ہو ساعت کا اسے آب رواں کی حوصلہ
طبع روشن گر تری ہووے مخاطب کر کے ساتھ

جی میں ہے اب وصف تیرے برق جولاں کے لکھوں
کچھ نہیں نسبت پری کو جس پری پیکر کے ساتھ

گیسوے[14] سلسلےٰ سے یاں اس کی سدا ہے باج گیر
کاسہ سم ہم ترازو ہے مہ انور کے ساتھ

سرعت رفتار کا میں اس کی عالم کیا لکھوں
باد لگ سکتی نہیں جس شوخی محشر کے ساتھ

پیٹھ[15] پر اس کی تجھے جو کوئی دیکھے یوں کہے
نکہت گل ہے کہ جاتی ہے اڑی صرصر کے ساتھ

کچھ نہیں آگ اور بگولا آپ ہی وہ برق سیر
نعل بھی اس کا جو ٹک لگ جائے ہے پتھر کے ساتھ

شعلہ اک اٹھتا ہے اس سے اس طرح کا اس گھڑی
جا کے جو باتیں کرے ہے شعلۂ خاور کے ساتھ
اور جو ہاتھی ہے ترا پیکر میں جوں کوہ گراں
کوہ کو تشبیہ کیا ہے اس فلک منظر کے ساتھ
بل بے اس خرطوم کی پکڑائی جو کھا پیچ وتاب
طرح اژدر کی لپٹ جاوے دژ اخضر کے ساتھ
وصف میں دانتوں کے اس کے فکر ہے میری دو ول
ان کو میں تشبیہ دوں بلور یا مرمر کے ساتھ
یا کہے تو لے کے دستاں نے ید دیو سپید
پنجے اس کے کاٹ ڈالے دونوں اک خنجر کے ساتھ
گرچہ خودزنگی ہے وہ پر اس کے دنداں[16] کا کلاو
رکھے ہے نسبت قوی بازوے اسکندر کے ساتھ
دامن اس کی جھول کا آتا ہے کس کے ہاتھ میں
زلف خوباں عشق بازی کرتی ہے جھالر کے ساتھ
رنگ سرخ اس کے کو جو دیکھے ہے سو کہتا ہے یوں
آج تو نکلی ہے لیلیٰ لالہ گوں معجر کے ساتھ
تس پہ وہ کجہاک کا جلوہ کہ جیسے ماہ نو
چرخ نیلی پر نظر آوے تن لاغر کے ساتھ
یا کہے تو طور سے اک شعلہ اٹھا لعل شکل
جس کو ہے ناخن زنی اک قیرہ گوں پتھر کے ساتھ
قیرہ گوں پتھر سو وہ مستک ہے اس کی باشکوہ
جس سے وہ چاہے تو ٹکر لے دژ بر بر کے ساتھ

یوں ہلاتا جائے ہے زنجیر وہ مستی کے بیچ
بحرِ طوفاں خیز جوں جاتا ہے شور و شر کے ساتھ

کیا عماری کا شکوہ اس کی کہوں جس کے تئیں
ڈانڈا مینڈائی رہے ہے گنبدِ اخضر کے ساتھ

مصحفی اب اس قصیدے کو دعا پر ختم کر
ٹانک وے موتی پرو کر رشتۂ مسطر کے ساتھ

جب تلک نکلے زمیں سے لالہ ہائے سرخ زرد
جب تلک ہم قامتی ہو سرو کو عرعر کے ساتھ

جب تلک ہووے زمیں سے سبز نرگس کی قلم
لالہ نکلے جب تلک شنجرف گوں دفتر کے ساتھ

آسمان لاجوردی جب تلک گردش کرے
ماہ نو جب تک نظر آوے تنِ لاغر کے ساتھ

دولت و حشمت تری ہووے تزائد دن بہ دن
تجھ کو دنیا میں رکھے اللہ کرّ و فر کے ساتھ

دولت و حشمت وہ جو تھی بندۂ خاقان چیں
کرّ و فر بھی وہ کہ جو تھا حشمت قیصر کے ساتھ

❁❁❁

34۔ درمدح زین العابدین خاں عرف میرزا مینڈو خلف نواب سالار جنگ

گیا اک دن جو میں طرف گلستاں　　سنی کس کس روش سے صوت مرغاں
کوئی کرتا تھا مدح عارض گل　　کوئی تھا جعد سنبل[1] کا ثنا خواں
کوئی تھا خوبی سبزہ پہ در ریز　　کوئی شبنم پہ تھا سلک در افشاں
کوئی کرتا تھا لالے کی کلی کو　　خیال روے محجوب عروساں
سماں یہ دیکھ کر دستاں زنی کا　　کہا دل نے مجھے کایہ زحساں
تو شاعر ہو کے اور ایسے چمن میں　　رہے خاموش بیٹھا ! ہے یہ امکاں؟
مراقب ہو کے تب میں نے اسی وقت　　رکھ اک انداز سے مژگاں پہ مژگاں
جونہی جا عالم باطن کی کی سیر　　نظر آیا عجب عالم مجھے واں
کہ لاکھوں اہل معنی ہے نشستہ　　صفیں باندھے ہوئے با شوکت و شاں
انھوں میں سے مجھے کہتا ہے اک شخص　　کہ اے مرد سخن گو و سخن داں
معاذ اللہ یہ کافر نعمتی ہے　　کہ در سے جس کے حاصل ہو لب ناں

لب اس کی ہی ثنا میں وا نہ کیجیے پڑے یوں بکتے پھریے مدح دوناں
یہ سن کر میں نے اور نادم ہو ووں ہی کیا نزہت گہ معنی کو جولاں
وہاں سے ساز و برگ نظم لایا کہ تا مدحت[2] گری کا ہووے ساماں
کہ اتنے میں یہی نکلا زباں سے زہے نواب زین العابدیں خاں
امیر ابن امیر اے وہ جواں سال کہ جس کا طرّۂ قو گو ہووے دستاں
سخاوت میں وہ حاتم ہے زماں کا شجاعت میں وہ ہے سام نریماں
فروغ سروری بشرے سے اس کے بچشم عقل ہوتا ہے نمایاں
وہ ہے مسند نشین حشمت و جاہ فلک اس در کا ہے ادنیٰ سا درباں
اگر نومید جاں جاوے تو اس پر لبوں سے اس کے ٹپکے آبِ حیواں
یہاں مذکور بے فیضی نہیں ہے کہ دریا فیض کا کرتا ہے سیلاں
قیافہ، عقل و ہوش و فہم و ادراک یہ ساری خوبیاں ہیں اس میں پنہاں
نہ ہوں کیوں کر بنایا حق نے اس کو سخن گو و سخن فہم و سخن داں
اگر وہ فتویٰ مفتی پہ کھینچے قلم لے کر بناں میں خطِ بطلاں
تو تا روز قیامت اس کا احکام نہ ہو جاری اگر ہو امر سلطاں
وہ ہے ہاتھی ترا جوں پارۂ کوہ کہ ہیں بازوے بہمن جس کے ونداں
سیہ مستی میں جب آتا ہے اس دم دو چشم سرخ ہیں اس کی دو فنجاں
وہ[3] روز عید جب جاتا ہے رنگا بنے ہے صفحۂ مستک کا گلستاں
تو گلکاری کا اس کی دیکھ عالم رہیں ہیں دیدۂ نظارہ حیراں
ہے خرطوم اس کی شکل سرو واژوں وہلے وہ سرو جس پر ہو چراغاں
کہوں سرعت کا کیا عالم میں اس کی مہاوت چڑھ کے گر اس کو کہے ہاں
تو دفتر میں زمانے کے قلم بند رہے دن اور شب ہوجائے پنہاں

کجک کا معجزہ بعد اس کے سن تو کہ خود شق القمر کی ہے وہ برہاں
سو وہ شق القمر کیا ہے بتاؤں سپید اس کے وہ دو خمدار دنداں
برش کی تیغ کی لازم ہے اب وصف مری تیغ طبیعت تا ہوں براں
لگادے گر تو اس کو سنگ در پر کرے جوہر سے زوجیت نمایاں
بیاں خوش جوہری کا اس کی مت پوچھ زرہ پوشیدہ آئی موج عماں
رسا ایسی کہ جیسے سرمہ چشم سبک ایسی کہ جوں چوب ادیباں
دعا اب مصحفی کی ہے کہ یارب رکھ اس کی مادر مشفق کو شاداں
محل کے اور جو چھوٹے بڑے ہیں رہیں وہ بھی سدا با لعل خنداں

دن ان کا عید اور شب ہووے شبرات
ہے جب تک روز و شب دست و گریباں

❁❁❁

35۔ در مدح حسن رضا خاں

ہے شکایت مجھے یاروں سے کہ ہیں دشمن جاں
ان کے ہاتھوں سے نہیں ملتی کسی طرح اماں
باندھتے ہیں کبھی مضمون چرا کر میرے
پوچ الفاظ میں ہو جن سے بلاغت کا زیاں
کبھی کرتے ہیں یہ دعوا مری ہم چشمی کا
نہیں معلوم مجھے ان کی گئی عقل کہاں
مجھ کو بتلاوے تو کوئی کہ بھلا جرم سہا
کون سے روز ہوا روکش مہر تاباں
کوئی درپے ہے کہ باتوں میں مجھے دیوے زک [1]
کوئی ڈھونڈے [2] ہے کہ عیب اس کے سخن میں ہے کہاں
بعضے ان میں سے جو شاگردی کا دم بھرتے ہیں
وہ بھی درپے ہیں مرے، خواہ عیاں، خواہ نہاں

شعر پڑھتے ہیں مرے، نام سے اپنے ہرجا
چاہتے ہیں کہ ملے ہم کو بھی کچھ نام و نشاں
اور تو سادہ دلی دیکھ مری میں ان سے
اس پہ بھی آپ سے جاتا ہوں ملا روز و شباں
لکھنؤ والوں کو کیا دوش کہ دلّی کے بھی
عمرِو عیار تھے ایسے ہی مرے شاگرداں
سن کے آبادی کا شہرہ طرف مشرق کی
چھوڑ کر دلّی کو یکبار جو آیا میں یہاں
میرے اشعار زبانوں پہ لگے جب پھرنے
چونک اٹھے سن کے انھیں تھے جو یہاں کوہ گراں
بعضے [3] کچھ سوچ کے آکر ہوئے میرے ہمدم
بعضے [4] بھکے رہے پھر ہاتھ میں لے تیرو کماں
پر میں ڈرتا تھا کوئی تیرو کماں سے ان کے
کیوں کہ تھا مجھ کو فنِ تیر بری میں جولاں
آخرِ کار خبر آنے کی سن کر میرے
صحبتِ شعر کا بانی ہوا اک طرفہ جواں
روز اک زمرۂ شعر کا تعیں کرکے
آیا مجھ پاس کہ کل آپ مقرر ہوں وہاں
میں کہا اس سے کہ البتہ میں حاضر ہوں گا
پر بتا دو مجھے اس جا کا وہ صحبت ہے جہاں [5]

الغرض میں جو وہاں جا کے ادب سے بیٹھا
دیکھ کر مجھ کو ہوئے بعضے جو فق خنداں
مجھ میں ہرچند بظاہر تو نہ تھا عیب کچھ اور
غیر اس کے کہ پریشانی تھی اک مجھ سے عیاں
بزم نا محرم و مردم ہمہ بیگانہ [6] تمام
دیدہ وحشت زدہ دل بہ بغل بود تپاں
ہوئی القصہ جو تاریکی شب جلوہ فروش
بزم کے بیچ رکھیں لاکے دو شمع سوزاں
شعر خوانی ہوئی آغاز بڑے لوگوں سے
نام کس کس کا میں لوں یعنی فلاں ابن فلاں
شد اور مد سے غزل پڑھتے تھے باہم وہ تمام
اور باہم ہی بہ تحسین تھے فریاد کناں
آخر آخر ہوئے سب گوش، زباں کرکے بند
آئی جب دورے میں نوبت مرے پڑھنے کی وہاں
بعضے [7] بے خبری سے خاطر میں نہ لائے مجھ کو
جی ہی جی میں گئے بعضے [8] سمجھ انداز بیاں
ایک تو میں تھا، مرے ساتھ مرا یار قتیل
دوسرا رات کے رہنے میں شریک اس کے یہاں [9]
الغرض یوں ہی جو ہونے لگی صحبت ہر ماہ
اور مرے رخش طبیعت نے کیا تک جولاں
جھڑیں وہ غزلیں قلم سے مرے اعجاز کی شکل
جن کو سن کرکے بہت دنگ رہے پیرو جواں

بعضوں نے کام حسد کو جو ذرا فرمایا
اور یہ سمجھے کہ ہیں ہم شاعر با نام و نشاں
مجھ کو پرواہ ہی تھی کب ان کی کہ میں تھا شہ زور
مورچے کی کبھی پروا نہ کرے پیل دماں
اسی صورت سے جو گزریں کئی صحبت باہم
قوت طبع مری ان پہ ہوئی خوب عیاں
جب غزل پڑھنے لگے وہ تو بہ گوشِ سامع
رونے اور پیٹنے کے چھٹ نہ گیا ان کا بیاں
تس پہ شاگردوں کی وہ بے محل ان کے تحسیں
اور سخن ان کے میں یہ سوز کہ خود مرثیہ خواں
جب غزل میں نے پڑھی خیل مخالف سے وونہی
شورِ تحسیں کا گیا تا بہ سپہرِ گرداں
آخرِ کار جو ہونے لگی ان کی خواری
اور ہوئے تیغ زباں سے مری جی میں ترساں
مجھ کو پیغام دیا صلح کا عاجز 0 1سے ہو کر
نہیں لازم جو کروں اس کا بہ تصریح بیاں
میں تو کچھ دل میں نہ رکھتا تھا انھوں سے کینہ
کینہ اپنی ہی وہ کرتے تھے غزل کہہ کے عیاں
سو ملاقات کے دن آئے جو سو عذر بہ پیش
اٹھ گیا بغض و حسد ، آئی صفائی بہ میاں

حاصل اس بات سے یہ ہے کہ شب و روز کے بیچ
ہے بڑا فرق اگر کام کرے وہم و گماں

در تساوی پہ نظر اس کی کسی کی گر جائے
مانتے ہیں کوئی اس بات کو روشن طبعاں

مصحفی مجھ سے قصیدہ پہ ہوا جب 1 1 ے اتمام
اس قصیدے کا رکھا نام میں ''تیغ براں''

✿✿✿

36۔ قصیدہ در مدح سید مہدی بہ سفارش میرزا قتیل کہ معشوق او بود

جشن نوروز سے ہے بس کہ جہاں روے نگار
جس طرف دیکھیے واں جلوہ گری میں ہے بہار

گل کی پیشانی کو ملتی ہے صبا صندل سرخ
فندق غنچہ نے باندھا ہے کمر سے زنار

جوشش نامیہ یاں تک ہے کہ اطلس پوش
مخمل سبز سے سبزے کی چمن کے دیوار

استخوان ریزۂ خرما جو رکھیں[1] خاک کے بیچ
کیا تعجب ہے کہ اک پل میں بڑھے[2] جیسے چنار

بس کہ شبنم ہے درختوں پہ پڑی سرتا سر
باغ سارا نظر آتا ہے مرصع اشجار

گرمِ بازاریِ گل دیکھ کہ[3] ہے بلبل کی
نفس گرم سے جوں شعلۂ آتش منقار

سبزہ اگتا ہے زبس خاک سے گنبد باندھے
ٹٹیاں مہندی کی ہیں جیسے زمرد کی جدار

زعفراں رنگ ہے خوبی سے زمینِ گلشن
زرد پھولوں نے کیا ہے اسے از بس بودار

گھنڈیاں اوس کی ہیں گل کی قبا پر جو ٹکیں
شکل الماس کے دانوں کے وہ دیتی ہیں بہار

جعفری کرتی ہے کندن کی ڈلک پر طعنہ
اور شبو کو ہے ہم نسبتی سیم سے عار

موتیا چشم کبوتر کی ہے پر موتی چور
گل اورنگ پہ ہے رنگ گل خال نثار

جس طرف کیجیے نظر موقع پہ اپنے اپنے
کہیں ہے نرگس شہلا تو کہیں پیک بہار

کیا عجب ہے جو رطوبت سے ہوا کی ہو جائے
نیم کی پتی کے مانند مطرا منشار

کیا مگر جیب میں سنبل کی ہیں لاکھوں نافے
جس سے کھولی ہے صبا نے یہ دکانِ عطار

شاہدان چمن از بس کہ ہیں سرگرم نشاط
دیکھ سکتے نہیں نرگس کو نحیف و بیمار

الغرض نامیہ یاں تک ہے کہ ہر بلبل کا
خود[4] بخود بند ہوا جا ہے شگافِ منقار

بویئے دانۂ انجیر زمیں میں تو وونہی
بڑھے اتنا وہ کہ بڑھتے ہی کدو لاوے بار

بس کہ تحلیل ثقالت ہے ہوا کو منظور
استخواں سے نظر آتے ہیں تہی دانۂ نار

باغ سر سبز ہے اور جوش گل و بلبل ہے
پر مزا جب ہے کہ آوے وہ گل تازہ بہار

صاحب خلق و کرم یعنی کہ سید مہدی
جس کی خوبی کے ہیں مداح صغار اور کبار

علم اور خلق کا کیا اس کے بیاں کیجیے کہ وہ
اتنا خوش خو ہے کہ ویسا نہیں کوئی زنہار

روبرو آوے اگر آئینہ زنگ زدہ
جنبش یک مژہ میں اس کی چھڑاوے زنگار

ترکتازی پہ جو آوے تو کبھی گھوڑے کی
کھولنے دیوے نہ رستم کو بھی ہرگز افسار

تیغ جب ہاتھ میں لیتا ہے وہ خوں آلودہ
گہہ کے قبضہ دل افشار کو دیتا ہے فشار

باغ میں با رخ افروختہ گر جا نکلے
کیا تعجب ہے اگر سرد ہو گل کا بازار

اس کے نقرے کی میں تعریف کروں کیا کہ وہ ہے
چھوٹ جانے میں شب افروز نمط آتش بار

اتنا دلکش ہے کہ سایے کی طرح پھرتے ہیں
گرد اس نقرے کے روح[5] سم الفرس اور لیل و نہار

کوٹ کھائی کا تو کیا ذکر کہ طے کرتا ہے
کوہ و صحرا کے تئیں مثل زمین ہموار

دیکھ کر اس کے تئیں کیوں نہ پری گل کھاوے
خندہ کبک دری جس پہ کرے پھول نثار

زین کسوا کے اک انداز سے با شوکت و شان
جست کر اس پہ وہ جس وقت کہ ہوتا ہے سوار

خانہ زیں میں اسے دیکھ کے یوں کہتی ہے خلق
صاف شعلہ ہے مصور بہ دہان و رخسار

جس[6] گھڑی بر میں وہ پہنے ہے قبائے کمخواب
نظر[7] آتا ہے وہ قد جیسے کہ سرد گلزار

نگہ قہر سے دیکھے وہ جو دشمن کی طرف
مرگ کا چہرے پہ اس کے ہو نمایاں آثار

اور جو منظور تلطف ہو کسی پر اس کو
بید کا نخل اگر ہو تو ابھی لاوے بار

جنس سے چاہئے نفرت نہ اسے لازم ہے
ہاتھ میں قیس کے ہو ناقہ لیلیٰ کی مہار

تم ہی انصاف کرو یارو رہے خاک تمیز
مست اک مے سے ہوں جس بزم میں مست و ہشیار

مدح غائب کا تو عرصہ ہے بہت طول ولا
روبرو مطلع ثانی کی کروں اب تکرار

مطلع

تو ہے وہ فخر عرب اے مہ گردوں مقدار
نور سے جس کے ہے جوں روز منور شب تار

خوبیاں ذات میں تیری ہیں یہاں تک جن کا
تا ابد ہو نہ کبھی ریگ بیاباں سے شمار

اصل تیری ہے عرب تو ہے مولد یعنی
خاک دہلی میں کیا ہے ترے آبا نے گزار

اس لئے یہ چمن شستہ و رفتہ سارا
اے گل تر تری رعنائی کا ہے آئینہ دار

خاک دہلی میں نہ ہوتا جو تولد تیرا
خاک ہی ڈالتا پھر سر پہ یہ چرخ دوار

نگہ تیز تری دوڑے ہے لے تیغ اس پر
فتنہ ٹھوکر سے جو ہو پاؤں کی تیرے بیدار

مصحفی نے جو قصیدہ تری مدحت میں کہا
چاہتا کچھ نہیں تجھ سے وہ درم اور دینار

لیکن ایک اس کا صلہ اور ہے مجھ کو منظور
تو جو پوچھے گا تو میں اس کا کروں گا اظہار

اب تو مانگوں ہوں دعا حق سے تری حشمت کی
یعنی جب تک کہ ہے یہ دور سپہر دوار

تو رہے جلوہ نما مسند رعنائی پر
اور ترے سر پہ یہ سورج کی کلاہ زرتار

۞۞۞

37۔ قصیدہ در مدح میرزا جعفر ہمشیرزادۂ نواب نجف خاں

مجھ کو گویائی سے اے یارو رہا کیا سروکار
کہ میں حیران تو ہوں صورتِ نقشِ دیوار

گرچہ میں بلبلِ گلزارِ معانی ہوں ولے
روکشِ غنچۂ تصویر ہے میری منقار

دل ہی دل میں ہے مرے جوشِ معانی پیہم
لیک کرتا نہیں میں اس کی لبوں سے تکرار

ان دنوں قطع ہے کچھ میری لسانِ تقریر
ان دنوں لال ہے کچھ میری زبانِ گفتار

نہ رہا ربط قلم کو بھی بناں سے میرے
نہ رہا اُنس زباں کو بھی مری با اشعار

تفرقہ میرے حواسوں میں یہاں تک ہے کہ اب
جمع کرنا مجھے ان کا بھی ہوا ہے دشوار

دل جو پہلو میں ہے سو اس کی یہی حالت ہے
لے گیا ہے کوئی گویا کہ نکال اس کا قرار

عمر گذری کہ میں اس بات سے واقف ہی نہیں
کس کو کہتے ہیں سخن، ہوتے ہیں کیسے اشعار

کوئی تقریب نہیں ایسی کہ پھر بلبلِ طبع
شاخِ گلبن پہ نواکش ہو درِ ایامِ بہار

ہاں مگر مدحتِ ممدوح ہو باعث تو کوئی
لب پہ آوے مرے مضموں بہ طریقِ افکار

خسروِ مصر سخا یعنی کہ مرزا جعفر
کمتریں بندہ ہے جس کا یہ سپہرِ دوار

عظمت و شان پہ کرتا ہے نظر جب اس کی
دونوں ہاتھوں سے فلک تھامے ہے اپنی دستار

گر سوال اس سے ہو سائل کا بقدر خردل
عالی جاہی اسے دیوے [1] وہ بقدر خروار

اس کی بخشش کو اگر تولنے بیٹھے کوئی
ہوسکیں سنگ ترازو نہ زمیں کے کہسار

امرا یوں تو زمانے میں بہت ہیں لیکن
میں نے دیکھا نہیں اس جود و سخا کا دربار

نہ کرے دیکھ کے سائل کو کبھی چیں بہ جبیں
بلکہ ہو کاسۂ دریوزہ پر اس کی دربار

اس کے آگے نہیں کچھ مال یہ لعل و گوہر
اس کے آگے نہیں کچھ چیز درم اور دینار

میں ترے رخش سبک سیر کے کیا وصف لکھوں
پھیرنے کے لئے راکب ہو اگر اس پہ سوار

دونوں ہاتھوں میں جو پانی کے کٹورے ہوں بھرے
ایک قطرہ نہ گرے ان سے ہے ایسا رہوار

ٹاپ کا اس کی یہ عالم ہے زمیں پر گویا
ناریل توڑتا جاتا ہے بہ وقت رفتار

گرگ [2] دوڑ اس کو جو دوڑائے سوار اس کا تو پھر
کیا تعجب ہے جو وہ شیر کو کر لیوے شکار

چال ہر طرح کی اس رخش کے ہے پاؤں تلے
اک ترارے میں کرے ہے وہ زمانے سے فرار

تس پہ اسرع ہے پھر اتنا کہ گر اس کا راکب
لب پہ حرف آب کا لاوے پئے اطفائے بخار

سیر کر مغرب [3] و مشرق کی پھر آوے وہ رخش
اتنے عرصے میں ہو لب سے نہ لب بوس و کنار

اب تو کرتا ہوں میں تعریف ترے ہاتھی کی
جس کے پاسنگ کا ہم سنگ نہ ہو کوہ وقار

ساتھ خرطوم کے دانتوں کا کہوں کیا عالم
تو کہے دست و گریباں ہیں بہم لیل و نہار

وقت رفتار وہ اس پیل کو آ کر دیکھے
کوہ دیکھا نہ ہو جس نے کہ زمیں پر سیار

تس پہ جنگی ہے پھر ایسا کہ اگر روز نبرد
ناگہاں [4] رزم کے میدان میں ہو اس کا گزار

دیکھ کر پیل [5] سپاہ فلک اس کی صورت
پچھلے پاؤں ہی کرے لشکر [6] ہیجا سے فرار

رنگیں مستک کو اگر اس کی بہ روز تزئیں
شجر طور تجلی کی دکھاوے وہ بہار

اور جو دانا کی نظر غور سے جاوے تو کہے
قیرہ گوں تختے پہ ہے بوقلموں نقش و نگار

دیکھ کر تیغ کے جوہر مرے جی میں میں گذرا
یک دو مصرع [7] کی کروں وصف میں اس کے تکرار

مطلع

کوہ آہن پہ لگاوے تو گر اپنی تلوار — ناف سے گاو زمیں کی بھی تو کر جائے گزار

جوہروں کا یہ ہجوم اس میں کہ جوں مور و مگس — راست خم اور رسا ایسی کہ جوں ابروے یار

اس کے قبضے کی سجاوٹ پہ پری کا عالم — تس پہ پھر گہ میں درست ایسی کہ جی کیجے نثار

خواب میں چکھے اگر اس کی برش کی لذت — آوے[8] بالیں پہ نہ ہرگز سر دشمن کو قرار

مصحفی اب یہ دعا ختم سخن کرتا ہوں — مجھ کو کرنا ہے کچھ اک اپنا بھی مطلب اظہار

یعنی دلی سے میں یاں آکے ہوا ہوں نادم — زخم افلاس سے ہے نت مری خاطر افگار

شام کی قوت کی یاں مجھ کو ہے سرگردانی — فکر ہے صبح کے کھانے کی بھی ہر لیل و نہار

شاعری میری یہ کچھ تس پہ یہ قسمت کی بدی — شاعری ایسی سے البتہ پڑھوں استغفار

غرض اس بات سے یہ ہے کہ تو اے ابر کرم — برس اس طرح کہ دھو ڈالوں میں خاطر سے غبار

جب تلک ہیں یہ ستارے فلک اطلس پر — روز و شب پر یہ زمانے کا ہے جب تک کہ مدار

دوستوں کو ترے ہو حفظ ید اللہ سپر

دشمنوں کی ترے ہو تیغ ملامت سرخار

38۔ قصیدہ شہر آشوب دہلی

یہ گوے، یہ میداں، یہ زباں اور یہ بیاں ہے — دعوا ہو جسے شعر کا آوے نہ، کہاں ہے
سودا کے تئیں کہتے ہیں تھا شاعر مغلق — سو شاعری اس کی بھی بلیغوں پہ عیاں ہے
مضمون و معانی سے نہیں بہرہ کچھ اس کو — سچ پوچھو تو اردو کی فقط صاف زباں ہے
سو اس میں بھی تو غور سے دیکھے تو بہت جا — معنی ستم لفظ سے فریاد کناں ہے
پر مجھ کو مناسب نہیں اس بات کا کہنا — سودا کے تئیں دوکھوں میں، میرا یہ وہاں ہے
کس واسطے، گزرا ہے وہ مقبول طبائع — ویسا بھی کوئی ڈھونڈے اگر اب تو کہاں ہے
اک میر ہے سو یہ تو کبھی ہجو و قصیدہ — کہتا نہیں ہرگز کہ مشیخت کا زیاں ہے
ہوتی ہے غزل سے ہی عیاں شاعری اس کی — جیتا رکھے اللہ، عجب سحر بیاں ہے
سچ پوچھو جو مجھ سے تو انھی لوگوں کی دولت — یہ ریختہ گوئی کی جو[1] دلی میں زباں ہے
سودا[2] ہی ہر اک شخص سے یاں سینہ سپر تھا — یہ جملہ اٹھاوے یہ کسے تاب و تواں ہے
پر جب تئیں میری بھی زباں تر ہے، زباں سے — ہرگز نہ کہوں گلشن معنی میں خزاں ہے
اک ہجو کے کہنے میں زباں[3] میری ہے قاصر — ورنہ جو قصیدہ ہے مرا کوہ گراں ہے

سو اس کی قباحت جو شناسائے سخن ہیں — محتاج بہ تقریر نہیں، ان پہ عیاں ہے
کچھ اتنا بڑا کام نہیں ہجو کا کہنا — لیکن کوئی ہو اس کے بھی قابل، سو[4] کہاں ہے
نایاب ہے طالب ہی زمانے میں وگرنہ — سینے میں مرے معدنِ الماس نہاں ہے
اور ہے تو شہنشاہ جہاں خسرو عادل — آباد یہ کچھ جس کی عدالت سے جہاں ہے
کہتی ہے اسے خلقِ جہاں سب شہ عالم — شاہی جو کچھ اس کے ہے سو عالم پہ عیاں ہے
اطراف میں دلی کے یہ لٹھ ماروں کا ہے شور — جو آوے ہے باہر سے سو بشکستہ وہاں ہے
اور پڑتے ہیں راتوں کو جو نت شہر میں ڈاکے — باشندہ جو واں کا ہے بہ فریاد و فغاں ہے
اس شہر کا جس دن سے ہوا سندھیا حاکم — چوروں کی وہاں سیندھ سے ہر اک نگراں ہے
بیداد سے نائب کی یہ احوال ہے واں کا — ہر روز نیا قافلہ پورب کو رواں ہے
اتریں ہیں وہاں پگڑیاں بس شام کے ہوتے — چالاکی دست ایسی، یہ اندھیر کہاں ہے
دو چار تلنگے جو کھڑے رہتے ہیں ان سے — بس قلعے کے نیچے ہی تک اک امن واماں ہے
جز دیدۂ گریاں نہیں منبع کسی گھر میں — ناسور ہے سینے کا اگر آب رواں ہے
آتا ہے نظر جوں دلِ عشاق شکستہ — اس شہر میں جو قصر فلاں ابن فلاں ہے
بیٹھیں تھے جہاں کج کلہاں تکیہ لگا کر — واں اب جو نظر کیجیے تو تکیے کا مکاں ہے
وہ[5] رنگ نزاکت نہیں دروازوں کے منہ پر — محراب جو ان کی ہے سو خم دیدہ کماں ہے
خون ریزی ہی اس خاک پہ رہتی ہے ہمیشہ — اب سنگ بھی واں ہے تو یہی سنگ فساں ہے
روتا ہوا گزرے ہے جو کوئی ابر کا ٹکڑا — احوال غریباں ہی پہ وہ اشک فشاں ہے
آ کر کے رمہ میں ہے دھنسا گرگ حوادث — افسوس کہ کیا خواب فراغت میں شباں ہے
اس شہر کے باشندوں سے جا کر کوئی پوچھے — جز خون جگر کچھ بھی غذائے دل و جاں ہے
ملتا ہے بصد رنج انھیں رزق کم و بیش — اور چاہیں فراغت سو فراغت تو کہاں ہے
خورشید دکھاتا ہے سحر دور سے گردا — اور شب کو مہ نو گہے ہے تو لب ناں ہے

بت خانہ و مسجد میں جو پھیلی ہے خرابی
ناقوس کا نالہ نہ موذن کی اذاں ہے

بازار نشیں تھا جو کوئی صاحب حرفہ
اس شہر میں سو اس کو کہوں کیا وہ کہاں ہے

زیں دوز کی صورت نظر آتی نہیں مطلق
اور ہے بھی تو جوں سوزن گم گشتہ نہاں ہے

کس واسطے اک آن میں حاکم کا پیادا
آتا ہے ابھی پوچھتا زیں دوز کہاں ہے

تہ کرکے دو شالوں کے تئیں اپنے رفوگر
بقچے کے تئیں مار بغل گھر کو رواں ہے

جوں تیر فرار اس نے بھی بدعت سے کیا ہے
دکان مقفل ہے، کماں گر نہ کماں ہے

زردار سا دیکھے ہے جسے راہ میں جاتے
طرار بھی پیچھے ہی ہے جوں سایہ رواں ہے

صرّاف لے جائے ہے کاندھے پہ جو تھیلی
اتنے میں اسے پھر کے جو دیکھے تو کہاں ہے

نواب نہ خاں شہر[6] میں کوئی رہا باقی
نواب جو گوجر ہے تو میواتی بھی خاں ہے

گو گاؤکشی شہر میں موقوف ہوئی ہے
اب ان کی جگہ خون رعیت کا رواں ہے

احوال سلاطیں کی لکھوں کیا میں خرابی
یعنی کہ مہ عید اب ان کو لب ناں ہے

فاقوں کی زبس مار ہے بیچاروں کے اوپر
جو ماہ کہ آتا ہے وہ ماہ رمضاں ہے

اک سوچ میں بیٹھا ہے کہ اب آئے ہے خاصہ[7]
اک در کی طرف دیدۂ دل سے نگراں ہے

اک[8] بغلیں بجا خوان کو یوں دیکھ کہے ہے
کچھ نام خدا آج تو یہ خوان گراں ہے

اتنے میں اتارے ہے جو سر پر سے کہاری
ہیں ڈھیریاں دانوں کی وہاں، خاصہ[9] کہاں ہے

گل جائے زباں میری کروں ہجو گر ان کی
یہ تنگ معاشی کا سلاطیں کی بیاں ہے

کہتے ہیں جسے سلطنت القصہ کہ یارو
نے نام ہے اس چیز کا اب تو نہ نشاں ہے

اے مصحفی اس کا کروں مذکور کہاں تک
ہے صاف تو یہ گلشن[10] دہلی میں خزاں ہے

39۔ در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ

یہ جوش نامیہ اب کے ہوا ہے فصل بہار		کہ دانہ ہو ہے ہرا مرغ کی تہ منقار
ہے انبساط ہوا یاں تلک کہ غنچہ صفت		کھلے ہے ناف میں آہو کے نافۂ تاتار
وفورِ نشوونما سے عجب نہیں کہ ہو		شکم میں مرغ کے تا سنگدانہ سوزن دار
ملائمت یہ بہم پہنچی ہے درشتی میں		کہ حکم سبزہ تہ پا رکھے ہیں[1] نشتر خار
جو کھینچے سنگ پہ نقاش کبک کی تصویر		تو وہ بھی اٹھ کے کرے ہے چمن چمن رفتار
بہ اقتضائے فضائے بہار گلشن میں		رہے ہے بال فشاں مرغ صورت دیوار
دم نسیم میں ہے معجزہ مسیحا کا		"ونصحت فیہ" کا ظاہر گلوں سے ہے اسرار
گر آگ پر کوئی مرغ کباب کو رکھے		بہ بال شعلہ اڑے سیخ پر، ہو مثل قرار
زبس کہ فیض رطوبت سے باغ ہے سرسبز		ہرے بھرے نظر آتے ہیں، تھے جو خشک اشجار
بساط سبزہ گو گلشن میں کون پوچھے ہے		کہ فرش مخمل سبز است سایہ دیوار
دہان غنچہ تصویر کو ہے یہ واشد		کہ لب سے لب نہیں ملتا ہے جوں لب سوفار
پڑے ہے عکس جو پتوں پہ شب کو تاروں کا		تو ڈالیاں پر طاؤس کی سی دیں ہیں بہار

یہ سرو درختی کی سبزی میں اک سیاہی ہے کہ دن دیے نظر آتی ہے باغ میں شب تار
شب سیہ سے [2] ہے گویا عیاں سپیدۂ صبح جب اس پہ بیٹھیں ہیں پھیلا پیروں کو بوتیار
نسیم سے نہ کر فرق اس کو ذہن سلیم سموم کا بہ تصور ہو گر چمن میں گزار
یہ بڑھ چلا ہے کہ شوخی سے اس کی دور نہیں کرے جو پنجہ بہ کف الخضیب دست چنار
چمن کی خاک میں بلبل کے استخواں ریزے ہوئے ہیں رن سے پھولوں کے رشک دانہ نار
ہوئی ہے سبز اب ایسی کہ سوجھتی ہی نہیں زمین جادہ کہ تھی وقف شوخی رفتار
یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہے دلچسپ دار بست کی چھاؤں کہ پائے خفتہ کو ہے جاگنا وہاں دشوار
روش پہ اس کو جو رکھ دیجئے عجب کیا ہے کہ وقف ریشہ دوانی ہوں ساز خشک کے تار
فلک یہ تر ہے کہ چنداں [3] نہیں زمیں یا بس زمیں یہ نم ہے کہ اٹھتا نہیں فلک سے غبار
حمل میں خسرو انجم نے جو کیا ہے جلوس کھڑے ہوئے ہیں گل و غنچہ باندھ کر کے قطار
سر اپنا نخل جھکاتے ہیں اس کے مجرے کو قشون دستہ نرگس ہے چشم بر دیدار
مزہ تو تب ہے کہ ایسے میں بہر نزہت طبع مرے بھی شہ کی سواری ہو باغ کو تیار
فلک وقار سلیماں شکوہ عالی جاہ کہ جس کا غاشیہ لے کر چلے ہے شہ جنگار
زہے سخائے مجسم کہ جس کا ابر کرم کرے جو سایہ کبھی کشت خشک پر یکبار
تو تابہ روز جزا اس زمیں سے موسم دے بجائے دانہ ہر اک نخل لائے گوہر بار
دکھاوے قوت نیسانی اس کا ہاتھ جو گر تو بطن سنگ سے نکلے گہر بجائے شرار
یہ جو دیکھ کر بخشش میں اس کا دست سخا ملے ہے پیشتر از جنبش لب اظہار
پھر اس پہ ہے یہ [4] وہ اشجع کہ روز حرب صفوف اگر میان سے کھینچے ولایتی تلوار
تو مارے خوف کے گودرز و سام و رستم و گیو کریں مقدمۃ الجیش سے عدم کو فرار
برش [5] یہ اس میں کہ اگلے اگر بہ تیغ کوہ تو ناف گاؤ زمیں سے نکل پڑے اک بار
اگر میں وصف لکھوں اس کی آب گیری کا تو ہو زبان قلم کو بھی تیزی گفتار

تساوی عدل کی شہ کے بیاں کروں تو وونہی
زمیں میں آپ کو پنہاں کرے ہر اک کہسار

غرض کہ عہد میں اس کے یہ سرکشی ہے منع
کہ شاخ گل سے نکلتا ہے واژگوں سر خار

کھلا ہے جب سے گل عدل اس کا رہتا ہے
ہمیشہ کانٹے کی تول اعتدال لیل و نہار

کیا ہے اس نے یہ غالب کو دہر میں مغلوب
کہ سوے گربہ ہے مانند گربہ حملۂ مار

جو عدل اس کا کرے سرکشوں کی جاسوسی
روئی میں شعلہ چھپے جا کے جوں گہر ناچار

وگر مزاج تک آجاوے رفع بدعت پر
تو کہکشاں کی فلک پھینک دے وونہی مزمار

خبر یہ سن مہ و خورشید کے جلاجل کو
نہ کف میں لے کے بجاویں دو دست لیل و نہار

ہے زور پنجے میں اس کے یہاں تلک کہ اگر
غضب میں آ کے وہ دے گوے آسماں کو فشار

تو ہو نجوم پراگندہ میں یہ آمیزش
کہ ایک جا نظر آویں بہ رنگ دانۂ نار

پھر اس کے بعد اگر اور بھی وہ ٹک مسلے
بہم رہے نہ ذرا فرق ثابت و سیار

سمٹ کے نیر اعظم ہو دانہ خردل
ستارے اور جو ہیں ان کا جرم کس مقدار

صفاے شست تری کیا بیاں کروں شاہا
تو فاق بند کرے جس گھڑی لب سوفار

پھر اس کے بعد کشش میں کماں کی اپنا بدن
چھپا کے تیر فگن بوقت کند و گزار

نشانہ ہو جو ترا آسماں پہ جرم سہا
تو سفتہ آئے نظر مثل روزن دیوار

وگر تو تیر ہوائی کو پھینکے سوے فلک
اور اس طرف وہ پھرے کر کے طے خلا یک بار

بہ رنگ قطرہ ہو پیکاں جو خاک میں سر ڈوب
توے کو توڑ زمیں کے کرے زمیں سے گزار

ہے پالکی جو سواری کی تیری اے ممدوح
برنگ تخت سلیماں بہر طرف سیار

میں اس قبہ زریں کی کیا کروں تعریف
کہ چرخ کھائے ہے نت جس پہ گنبد دوار

دروں کی اس کے ہے از بس کہ شکل محرابی
کریں ہیں سجدہ اسے دیکھ کافر و دیندار

اسی سبب تو جو بیٹھے ہے تو، قمر اس میں
کہیں ہیں برج کماں اس کو مردم ہشیار

وہ ڈانڈے اس کے جو ہیں دوش پر کہاروں کے
تمام لطف و ترحم بہ رنگ دست نگار

فلک نہ کیوں کہ کہوں میں کہ ذیل میں اس کے　　لگے ہوئے ہیں بہم خط استوار کردار
بیاں شکوہ گر اب کیجیے تیرے ہاتھی کا　　تو اس کی شان سے دب جائے رفعت کہسار
شب فراق تو کہتا نہیں میں اس کو ولے　　شب وصال کے مانند ہے سبک رفتار
نہ لیوے اس سے کبھی پیل آسماں ٹکر　　جو لیوے بھی تو صدا اس سے نکلے یہ زنہار
نجھول چال میں ، چہرہ بلند پیشانی　　کمند حلقہ خرطوم رشک زلف نگار
نگاہ کی جو میں اس کے صفائے دنداں پر　　مرے خیال میں گزرا یہ اس گھڑی اے یار
نہیں ہیں دانت کہ از بہر افعی خرطوم　　یہ غار کوہ سے نکلیں ہیں دودھ کی دو دھار
کبھی[6] جو رنگے ہے مستک کو فوجدار اس کی　　تو اس گھڑی نظر آتی ہے طرفہ اس میں بہار
کہ جیسے برسر کوہ بلند موسم گل　　ہوا کے فیض سے پھولے ہے تختہ گلزار
کھجاوے ہے جو کبھی پاؤں پر وہ دھر کر پاؤں　　تو دل کو ہووے ہے مردے کے حکہ[7] دیدار
دو چشم اس کی ہیں فنجان بادۂ گلگوں　　دے کہ ٹپکے ہے مستی میں مثل ابر بہار
چلے ہے اس کے سدا آگے آگے روز نبرد　　لیے شہاب کے بھالے کو چرخ کج رفتار
نہ بان کا اسے کچھ ڈر نہ بیم چرخی کا　　وہ ایسے آگ بگولے کو جانتا ہے شرار
پڑی ہے پیٹھ پر اس کی جو جھول مخمل کی　　ہوا میں ابر شفق رنگ سادہ ہے سیار
ورق اگرچہ وہ چوکور ہے مرقع کار　　ولے دقیقے نہایت ہیں اس میں پہلودار
تکک کا جلوہ فلک دیکھ اس کی مستک پر　　ہلال عید کو کہتا ہے بس نہ کر تکرار
لکھوں میں[8] رخش کی تعریف اس گھڑی کہ قلم　　کرے ہے صفحہ کاغذ پہ زور ہی رفتار
وہ رخش ہے کہ چھلاوا کہ برق کا ٹکڑا　　وہ شعلہ ہے کہ شرارہ کہ ابر آتش بار
کبھی دو گام چلے اور کبھی چلے سہ گام　　کبھی وہ یرغہ چلے اور کبھی چلے رہوار
برنگ تو سن ایام ہے پر از نیرنگ　　ہر ایک وقت میں ہے اس کی اک جدی رفتار
سریع اس پہ ہے اتنا کہ اس کے پیچھے پر　　پڑے جو سایہ دست خیال مرد سوار

بھرے شلنگ اک ایسی کہ مثل کرۂ وہم
گزر بروج و کواکب سے لامکاں کے ہو پار

کھندل کے کھیت وہ لالہ کو گویا آیا ہے
یہ اس کے رنگِ حنا کی شکم تلے[9] ہے بہار

جو دیکھے اس کو تو روح القدس[10] بھی سمجھے روح
ہزار جان سے صدقے ہو اس پہ لیل و نہار[11]

پھر اس پہ ساز مرصع کی کیا لکھوں تزئیں
عروس کو نہ میسر ہوا کبھی یہ سنگار

ہوس ہے پان کی مہ کو تو کہتے ہیں تارے
بنیں نہ بانتی ہم مل کے کیوں سبھی یکبار

لباس میں ہوتا جبیں کا اس کی چاند
اسی فریب میں ہوتے گلے کا اس کے ہار

گلے میں اس کے جو ہیکل پڑی چمکتی ہے
صدا سے جس کی دل درد مند پائے فشار

یہ اس میں اس لئے ہے اتنی کثرت تعویذ
کہ چشم بد کا[12] نہ ہووے طرف کو اس کی گزار

ہوا میں یاں پری کا دکھاوے ہے عالم
صبا سے کرتی ہے دم اس کی شوخیاں ہر بار

خموش مصحفی اتنا نہ دے کلام کو طول
ادب کی جا ہے میاں[13] بادشاہوں کا دربار

زباں کو بند کر اب اور دعا میں ہاتھ اٹھا
رجوع دل سے بہ درگاہ داور دوّار

الٰہی جب تئیں ہے رسم عید نوروزی
الٰہی جب تئیں ہے باغ[14] دہر کی گلزار

خدا کرے کہ رہے بزم تیری رشک چمن
شگوفے میوے کی ڈالی کیا کریں تیار

جو خیر خواہ ہیں اس آستانِ دولت کے
غمِ زمانہ نہ دیوے دلوں[15] کو ان کے فشار

خصوص یہ جو ترا خانہ زاد خاں ہے غلام
رہے ہمیشہ مدار المہام اور مختار

جنھوں کا نوع دگر ہے خیال، ان کا رہے
بہ رنگِ گل چمنِ زندگی میں سینہ فگار

40۔ درمدح صاحب عالم سلیمان شکوہ

گر باز معانی کا مرے ہووے ہوا گیر
پیدا کریں احرار ہوا حکم عصافیر

لیتا ہوں کماں فکر کی جب ہاتھ میں اپنے
پاتا ہوں میں عنقا کے تئیں اس کے سرتیر

اور باندھوں ہوں جب شست نشانے پہ سخن کے
رہ جائے یہ منہ دیکھ مرا دیدۂ زہ گیر

ہر بیت غزل کے مرے یوں چست ہیں مصراع [1]
اشجع کوئی جس طرح کہ باندھے ہے دو شمشیر

یوں چاہئے، لاوے جو کرے شعر کا دعوا
میرا سخن اور میری زباں اور مری تقریر

دیوان کو میرے نہ لگا ہاتھ کہ ناداں
ہر صفحہ کاغذ پہ ہے یاں شیر کی تصویر

اعجاز خلیلی کو کوئی پہنچیں ہیں وہ لوگ
چالاکی سے ہاتھوں کی بجاتے [2] ہیں جو زنجیر

ہر چند کہ دونوں کا مربی تو ہے نیساں
پر قیمت کافور کو کب پہنچے طباشیر

پھبتا ہے کب اس کے تئیں عطاری کا دعوا
دکان میں ہو جن کی نہ ہاون نہ عقاقیر

بعضے حمقا کا جو پدر ہووے ہے گا ہے
آنے سے سفیدی کے جوانی ہی میں جوں پیر

از روے شباہت وہ اسے زال سمجھ کر
کہتے ہیں کہ رستم دستاں کے ہیں ہم شیر

پھر اس پہ یہ دعوا کہ کہیں شیر ہے مارا
کر لاویں جو صحرا سے سیہ گربہ کو نخچیر

پر وہ جو ہیں ٹک سیرت و صورت میں ممیز
کب شیر کے بچے سے کریں نسبت خنزیر

کیا اسپ معانی کو کداویں گے وے جن پاس
نے پوزی نہ پٹا نہ فراخی ہے نہ خوگیر

خشخاش کے دانوں کو اگر دودھ میں رکھیں
شیرینی نہ پیدا کریں جوں دانہ انجیر

ہر چند کہ یاقوت کے ڈھنگ اس میں ہوں سارے
پر ہووے گمیدک کو نہ یاقوت کی توقیر

مصرعے سے بصد خون جگر مصرعے کو چسپاں
کرتے ہیں تو پھر وہ بھی دورنگی کی ہے تعمیر

میرا نہ چھچھوروں کی طرف روئے سخن ہے
اس بات کو وہ سمجھیں گے ہوویں جو گمبھیر

کہتے ہیں کہ سودا نہیں اس عہد میں، ہے ہے
یہ حرف بھی کیا محض غلط رکھتا ہے تشہیر

سودا جو نہیں ہے تو نہ ہو میں تو ہوں بیٹھا
سودا کی جگہ مسند معنی پہ بہ توقیر

پر دیدۂ انصاف زبس کور ہیں، مجھ کو
دردی کش سودا بھی سمجھتے نہیں بے پیر

سودا سے قصیدہ میں کہا نغز یہی نہ
کچھ اس کے سوا اور تو میری نہیں تقصیر

آویں نہ کریں مجھ سے فن شعر میں پنجہ
سودا نہیں بیٹھے تو ہیں سودا کی جگہ میر

سودا تھا قصیدے میں اگر دوسرا بہزاد
میرے بھی قصیدے کی ذرا دیکھیے تصویر

اور میر غزل میں ہیں گر استاد زمانہ
کرتا ہوں غزل بھی میں زباں ان کی میں تحریر

سو اس کا یہ مطلع ہے کہ جس مطلع کے آگے
خورشید کے مطلع کو نہیں [3] رونق تنویر

غزل

یاروں نے عبث کی ہے مرے قتل کی تدبیر
میں وہ ہوں کہ پھر جائے جسے دیکھ کے شمشیر

ازبس کہ میں آہوں سے اسے دی ہے اذیت
نت کوستی ہے مجھ کو مری آہ کی تاثیر

پہلو پہ مرے زخم ستم کس کے لگے تھے
جو اس کو غلط کرتے ہیں اطفال فقط گیر

قامت سے دوچار اس کی ہوئی کیا کہیں رہ میں
آنے میں قیامت نے بہت کی ہے جو تاخیر

یوں گرد عذار اس کے خط مورچہ یہ ہے
قرآن پہ جوں خط شفیعا کی ہو تفسیر

جکڑا تو ہے یاروں نے مجھے مستی میں لیکن
خمیازہ لیا میں نے تو کھل جاوے گی زنجیر

صفحے پہ نزاکت کے مصور نے لکھی ہے
حل کر کے گل و لالہ ترے رنگ کی تصویر

تو غفلت دنیا سے ذرا جیتے تو غافل
ہے آنکھ کے کھلنے ہی میں اس خواب کی تعبیر

یا رب وہ عمل کون سا ہے مجھ میں کہ ہوگا
دن حشر کے میرا سبب عفو تقاصیر

اے مصحفی چاہے ہے گر اس دعوے کو صادق
تو مدح کو کر اپنے تو[4] یہ ممدوح کی تحریر

یعنی بہ ثنا گستری صاحبِ عالم
دے صفحہ کاغذ کے تئیں رونق تسطیر[5]

وہ صاحب عالم کہ فلک رخش کا جس کے
ہنگامِ سواری ہے غلامانہ جلو گیر

جوں شعلۂ آتش وہ اگر اس کو کرے گرم
چہرے پہ صبا کے ہو نمایاں خوی تشویر

یوں خانہ زیں میں وہ نظر آئے کہ جیسے
ہو جلوہ نما آن کے جوزا میں کبھی تیر

ہے اس کی شجاعت کا زبس شور جہاں میں
کانپے ہے دم تیغ سے اس کے فلک پیر

اور عدل بھی یاں تک ہے کہ بن چور کے دیکھے
کاٹے نہ سر شمع کو آبزم میں گلگیر

معدن پہ پڑے اس کے جو گاہے نگہ قہر
آجاوے طبائع فلزات کی تعبیر

اور دیکھے جو گردوں کی طرف، رعب کے مارے
مریخ کے قبضے سے وونہی گر پڑے شمشیر

رزمیہ سے خالی نہیں بزم اس کی کہ جس میں
ذکر لب سوفار ہے یا دیدۂ زہ گیر

ہے بس کہ وہ یکتائے جہاں علم و عمل میں
کہتی ہیں فلاطوں اسے یوناں کی تحاریر

اٹھتا ہے کوئی مدحت غائب کا تکلف
تا مطلع ثالث کی نہ ہو روبرو تقریر

مطلع ثالث

تو ہے وہ سلیمانِ جہاں صاحب تسخیر
جس کی نگہ لطف ہے بے ساختہ اکسیر[6]

بہرام غلاموں میں ترے یوں ہے روانہ
گنجفے میں جس طرح کہ شمشیر کا ہو میر

ہو وقت ترشح جو ترا ابر کف اونچا
بارش میں پھر اس کے تئیں نیساں کی ہے تاثیر

ٹل [7] جائے زمیں وہ نہ ٹلے اپنی جگہ سے　　تمکیں کا تری کوہ ہے ازبس کہ زمیں گیر
یاں تک ہے ترا عدل کہ گر آگ پہ سینکیں　　نقارے کو نقارچی، بم ہو نہ کبھی زیر
دیکھے جو کوئی جانب سے عہد میں تیرے　　ہر ایک مژہ چشم کو ہو دِرّہ تعزیر
کیا مطبخ والا کی کہوں تیرے بزرگی　　جس جامہ و انجم کو ہے حکم بصل و سیر
تیرے سگ دروازہ سے کیا غیر کو نسبت　　ہرگز سگ چوپاں کو نہیں رتبہ قطمیر
یوں خیل مخالف ترے میداں میں ہیں بچھڑے　　قربانی کے دنبوں کو کریں جیسے کہ تکبیر
مارے سر دشمن پہ اگر اپنا تو تیغا　　پہنچے وہ تہی گاہ تلک اس کی کمر چیر
سیکھے ترے ہاتھوں سے کوئی تیر لگانا　　صنعت سے نشانے پہ بناتا ہے تو تصویر
اور رو بہ ہوا پھینکے تو قرص مہ کامل　　پانی میں نظر آئے پڑا جیسے کہ کف گیر
ہاتھی کی کہوں کیا میں ترے اور شجاعت　　اتنا وہ دلاور ہے کہ کہیے جسے رندھیر
دانتوں سے لیا روم کو باتیغ دو دستی　　خرطوم کی چوگاں سے کیا شام کو تسخیر
زنجیر جو پھینکے وہ زمیں پر تو ہے ثعباں　　اور اس کو اٹھالیوے تو ہے عرش کی زنجیر
یوں مخمل گلگوں کی ہے جھول اس پہ کشیدہ　　جوں جلوہ نما ہووے شفق برفلک قیر
اور حاشیے پر اس کے ٹنکے ہیں جو ستارے　　گرد چمن گل ہے وہ بابونہ کی زنجیر
کہتی ہے یہ مستک پہ چمک اس کی کجک کی　　آئی ہے نکل برق دماں ابر سیہ چیر
دیکھ اس کی عماری میں تجھے خلق کہے یوں　　خورشید کو دیکھا نہ تھا کرتے ہوئے شبگیر
اور جو سواری کا تری خاص ہے گھوڑا　　جوں طائر اندیشہ فلک سیر و زمیں گیر
محبوب ہے اتنا کہ جو یال اس کی پریشاں　　ہوجائے تو اڑنے میں پری کی ہے وہ تصویر
سرعت کا بیاں کیا کروں اس کی کہ فلک دار　　ہر لحظہ ہے اس کو کرۂ خاک پہ تدویر
نعل اس کا ہے نون اور زمیں اس کی ہے نقطہ　　اس سے ہی سمجھ لے تو کہ ایسا ہے وہ رن گیر
شاہا تری تعریف کروں کیا مرا مقدور　　کس واسطے باہر ہے وہ از حیزۂ تقریر

از بس کہ تو ہر فن میں ہے استاد صنائع
کرتا ہے ادب دیکھ فلاطوں تری تصویر

کہتا ہے فلک کو ترا شاگرد کمینہ
بہتر ہے نئے سر سے ہو اس قصر کی تعمیر

یہ عید تو کیا ہوں تجھے سو عید مبارک
تا صحنک گردوں میں ہیں انجم کے دنانیر

دیکھوں میں تجھے عید دگر تختِ شہی پر
حکام کو جاویں تری بیعت کے مناشیر

آجاوے تصرف میں ترے بلخ و بخارا
اور روے زمیں قبضے میں کر لے تری شمشیر

باقی نہ رہے کوئی کہ نوکر نہ ہو تیرا
کثرت ہو یہاں تک بحقِ شبّر و شبیر

قاروں کا دفینہ [9] ہو نویسندہ کو حاصل
ہر فرد سے گر ربع درم لے حق تحریر

اے مصحفی اب طول کلام اپنے سے پھر کر
مشغول دعا ہو کہ کہیں آمیں جماہیر

اوراق فلک جب تئیں تاروں کے نقط سے
ہیں جلوہ نما جیسے کہ اوراق تصاویر

ہو خون سے دشمن کے ترے روز کشایش
میداں میں زمیں رشک دہِ گلشنِ کشمیر

اور وہ جو ہیں پرچم کے ترے سائے میں شاہا
یا رب کہ ذرا ان کی نہ پھوٹے کبھی نکسیر

۞۞۞

41۔ در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ

علم کیے ہوئے ہے ترک آسماں شمشیر — ہے اس کے ہاتھ میں یہ مد کہکشاں شمشیر
جنابِ عشق میں سر کاٹ کر چڑھا دیجے — یہ وہ جناب ہے، ہے جس کا آستاں شمشیر
پڑا ہے دستِ حنائی کا کس کے بحر میں عکس — کہ موج آب ہے مانند خوں چکاں شمشیر
رہے ہے اس کو شبِ وصل بھی جو مجھ سے نزاع — وہ ساتھ سووے ہے پر رکھ کے درمیاں شمشیر
کٹے نہ کیوں کہ عدو دیکھ دیکھ اس کے تئیں — کہ سرگذشت سراپا ہے جوں زباں شمشیر
نہ پاوے ناز[1] کے جوہر ہزار اگر حداد — بنائے شکل خم ابروے بتاں شمشیر
چمن میں آ کے ترے ہم نے بس یہ پھل پایا — کہ موج سبزہ ہوئی ہم کو باغباں شمشیر
کہا میں تجھ کو اس ابرو کے منہ نہ چڑھ اے خضر — بہار عمر کو کر دیوے ہے خزاں شمشیر
ڈرا اے عدو مری تیغ زباں ہے وہ پر گوشت — کہ جس کے زخم سے مانگے ہے خود اماں شمشیر
میں خال گوشہ ابرو سے کیوں کہ ہوں ایمن — کمر پہ باندھے ہے کج اپنے ہر[2] جواں شمشیر
ہے اس سے لاگ جو اس کو تو تیرے دشمن کی — ہما کی طرح سے کھاتی ہے استخواں شمشیر
نہ کیوں کہ ہو اسے معراج بعد قتل کہ ہے — شہید تیغ شہادت کی نردباں شمشیر
میں اتنا تنگ چمن ہوں کہ مجھ دوانے پر — یہ برگ بید بھی کھینچے ہے ہر زماں شمشیر

یہ شہ کی تیغ کی دہشت کرہ میں نار کے ہے — کہ دستِ شعلہ میں کانپے ہے جوں زباں شمشیر
سپہر جود سلیماں شکوہ دشمن سوز — کہ ساتھ برق کے ہے جس کی ہم عناں شمشیر
وہ حکم قتل کرے گر فلک کو جوں مریخ — برہنہ ہووے بہ دست ستارگاں شمشیر
کشاکشی میں وگر امر امن جاری ہو — کرے محافظت چشم کشتگاں شمشیر
سجے ہے ہاتھ میں اس کے وہی جو روز وغا — رکھے ہے فتح کا قبضے پہ تہ نشاں شمشیر
ہے ٹوک جھونک شجاعت کو اس کی جو اس سے — وہ شاہ روم کو بھیجے ہے ارمغاں شمشیر
مٹا دے شکل تعدی جو وہ زمانے سے — ہلال کی سپر مہ میں ہو نہاں شمشیر
جو مرغ ہو نہ گلستاں میں اس کا مدح سرا — نکالے اس پہ ہر اک خار آشیاں شمشیر
گر اس کے در پہ رکھے بن کہے قدم دارا — برائے قتل بنے چوب درباں شمشیر
نہ کاں میں اتنے ہیں جوہر، نہ اتنی بحر میں آب — ہے اس کی حوصلہ پرواز بحر و کاں شمشیر
سیاست اس کی جہاں دے رواج سفاکی — بجائے چوب لگے رکھنے واں شباں شمشیر
بہ روز معرکہ ناگہ گر اس کا شحنۂ عدل — علم کرے پئے تنبیہہ سرکشاں شمشیر
تو اس سے معجزۂ ذوالفقار ہو یہ عیاں — کہ راست بیٹھے بہ فرق یگاں یگاں شمشیر
پھر ان کی لاشوں کے ٹکڑے جو کر بہم تولیں — حصص سے حق عدالت کرے عیاں شمشیر
وہ آبدار سا مطلع پڑھوں حضور میں اب — کہ جس کے رشک سے ہووے بہ خوں تپاں[3] شمشیر

مطلع

ہوا میں ہووے تری گر شرر فشاں شمشیر — کرے میان میں بجلی کی آسماں شمشیر
نہ تار و پود ہیں جوہر کے اس کے جزو بدن — یہ بر میں پہنے ہے پیراہن کتاں شمشیر
گر اس کی سخت بری کا میں کچھ کروں مذکور — تو کاٹے سنگ کو ہو کر مری زباں شمشیر
غضب میں آکے جو تو اس کو کوہ پر مارے — گزر کے ہو دم ماہی سے ہم زباں شمشیر
برش یہ اس میں، چمک کا پھر اس کی وہ عالم — کہ آفتاب کی دے جس کو ترجماں شمشیر
چلے تو تیر، چبھے تو سناں بہ ایں معنی — ہے آپھی تیر تو پھر آپھی ہے سناں شمشیر

جو رزم گاہ میں آ کر بروز حرب صفوف
کمر سے کھینچے تو اسے فخر[4] گورگاں شمشیر

یہ رستخیز پڑے پھر عدو کے لشکر میں
کہ پھینک پھینک دیں اپنی مبارزاں شمشیر

رہے نہ یہ بھی خبر ان کو بے حواسی میں
کہاں کماں ہے، کہاں ترکش[5] اور کہاں شمشیر

کہ کڑکڑا کے پھر اتنے میں مثل برق جہاں
اٹھوں کے سر پہ گرے تیری ناگہاں شمشیر

وہ آگے سے جو ترے[6] بھاگتے نظر آویں
بہ رنگ آب تعاقب میں ہو رواں شمشیر

اچک لے باگ جو تو اپنے رخش جنگی کی
یہ پیٹھ کر کے وہاں چلتی ہو جہاں شمشیر

کرے یہ درہم و برہم صف مخالف کو
کہ دیویں ہاتھوں سے پھینک اپنے سرکشاں شمشیر

پھر ان کے خون میں ڈوبیں جو اس کے کاسہ سم
ہر ایک نعل بنے اس کا خونچکاں شمشیر

کہیں یہ دیکھ کے میخوں کو نت تماشا ہے
عجب یہ ہے کہ ستاروں کا ہو مکاں شمشیر

اگر تہور پیل اب رقم کروں تو وونہی
نظر پڑے خم دنداں سے بے گماں شمشیر

دو نیم کرنے کو دشمن کے افعی خرطوم
کمر سے باندھ کے نکلا ہے تو اماں شمشیر

تو مدح سنج سلیماں ہے مصحفی تب تو
برائے قتل عدو ہے تری زباں شمشیر

دعا میں ہاتھ اٹھا اس کی جاہ و حشمت کی
کہ جس کے نام سے باندھیں ہیں خسرواں شمشیر

فلک پہ وقت غروب آفتاب سے جب تک
ہلال اپنی رکھے برسر فساں شمشیر

اور آفتاب غار نیام مشرق سے
نکل کے چمکے بہ ایں تیرہ خاکداں شمشیر

خدا کرے میں تجھے اس جلوس سے دیکھوں
کہ گرد تخت کے باندھے ہوں خسرواں شمشیر

چلیں رکاب میں تیرے پیادہ پا یکسر
علم کیے ہوئے ہاتھوں میں خونچکاں شمشیر

تو چار زانو ہو بیٹھا ہوا اور آگے ترے
دھری ہو بر سر مسند اعز و شاں شمشیر

بناوے اس کو پھر اپنا تو میر بخشی فوج
کرے سپرد کف خانہ زاد خاں شمشیر

بہ چار دانگ جہاں حکم ہو ترا نافذ
بندھاویں آ کے تجھے صاحب الزماں شمشیر

42۔ در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ

خورشید نہ ہو جس مہ تاباں کے برابر ہو کیوں کہ ہلال اس کے گریباں کے برابر
تجھ بن جو چمن میں کبھی جاتا ہوں اے گل ہر غنچہ لگے ہے مجھے پیکاں کے برابر
جز خون دل و اشک خجالت میں نہ دیکھے لعل و گہر اس کے لب و دنداں کے برابر
ہر چند کہ موزوں ہے دلے ہو نہیں سکتا سرو چمن اس سرو خراماں کے برابر
کس منہ سے مقابل ہو، کبھی ابر بہاری برسا نہ مرے دیدۂ گریاں کے برابر
رونے کو مرے پہنچے ہے کب گریۂ یعقوب سیلاب ہو کیا شورشِ طوفاں کے برابر
تودے پہ لگایا نہ کماندار فلک نے اک تیر ترے ناوک مژگاں کے برابر
یک شب نہ گیا ہاتھ مرا اس کی کمر تک کس منہ سے ہو پھر بہلہ[1] ترکاں کے برابر
دشوار ہے تشبیہ [2] مرے داغ جگر کی ہر لالہ نہ ہو لالۂ نعماں کے برابر
دکھلائیو مت اس کو خط پشت لب اپنا مرجائے گی طوطی شکرستاں کے برابر
کٹتی ہے ہر یوے کی زباں اتنے گنہ پر بولا تھا کہیں بلبل بستاں کے برابر
نسبت مری اور غیر کی اب یوں ہے کہ جوں چغد فریاد کرے مرغ خوش الحاں کے برابر

مجھ سا کوئی کم ہے کہ کلیسائے وفا میں
سجدے کیے ہیں بت کو میں رہباں کے برابر

کہتی ہے لبوں پر یہ ترے پان کی سرخی
یاں ہوتے ہیں خوں چشمۂ حیواں کے برابر

جلاد تو زنداں سے مجھے دور نہ لے جا
کر قتل بٹھا کر درِ زنداں کے برابر

ایام جدائی میں ترے برق بھی اک شب
چمکی نہ مرے کلبۂ احزاں کے برابر

دل کیوں کہ نہ ہو خانہ زنبور کہ اس نے
پیکاں جو لگایا سو وہ پیکاں کے برابر

جب آئے ترے تابہ کمر خون شہیداں
بہلہ نہ ہو کیوں پنجۂ مرجاں کے برابر

کیا لے گئی ہے سرو کو طرز روش اس کی
قد کش ہے جو دیوار گلستاں کے برابر

سو بار صبا مصر سے پھر پھر گئی آکر
یعقوب! ترے کلبۂ احزاں کے برابر

میں عشق کا کافر ہوں، گریبان کا میرے
ہر تار ہے زنارِ کشیشاں کے برابر

آتا ہے یہی جی میں کہ اس تازہ غزل کو
جا کر میں پڑھوں مرغ خوش الحاں کے برابر

غزل

یوں اشک رواں ہیں مری مژگاں کے برابر
دریا بہے جس طرح نیساں کے برابر

بسمل کو ترے پاس ادب بس کہ ہے تیرا
رہ جائے ہے آ کر ترے داماں کے برابر

بھیگے ہیں نہانے میں ترے بال جو کافر
ہم سمجھیں ہیں ان کو شب باراں کے برابر

ہیں بے سرو سامان بہت اور بھی عاشق
لیکن نہ ترے بے سروساماں کے برابر

غصہ نہ کر اتنا کہ ساجت کو تری ہاتھ
لے جائے ہر اک سیب زنخداں کے برابر

صیاد! قفس میں ہے بجاں مرغ گرفتار
دے چھوڑ اسے جا کے گلستاں کے برابر

کوچے سے کسے تو نے نکالا تھا کہ دی شب
روتا تھا کوئی روضۂ رضواں کے برابر

میرا یہ دہن ہے کہ شب وصل میں یارو
لے جاؤں لب اپنے لب جاناں کے برابر

نامہ کسی مشتاق کا ہے ہاتھ میں تیرے
لپٹے ہے جو یوں کاکل پیچاں کے برابر

صیاد گلستاں میں تو میرے بھی قفس کو
رکھ دے قفس بلبل نالاں کے برابر

لاکھوں غم و اندوہ کی شب دیکھی ہیں میں نے
لیکن نہیں دیکھی شب ہجراں کے برابر

اے مصحفی اب بعد غزل مدح کا مطلع
لکھ وہ کہ جو عرفی کے ہو دیواں کے برابر

مطلع

باذل نہ کوئی شاہ سلیماں کے برابر
مادح نہ کوئی مجھ سے سخن داں کے برابر

ہم روم کا مالک ہے تو ہم چین کا وارث
حشمت تری قیصر و خاقاں کے برابر

تیرا تو ہے کیا ذکر کہ ادنا ترے نوکر
خم ٹھوکتے ہیں سام و نریماں کے برابر

گر مردۂ بے حس کو کرے ٹک تو اشارہ
للکارے وہ اٹھ کر و نہی دستاں کے برابر

مجرے کو کھڑا ہووے ہے ہر صبح دم آکر
دارا بھی ادب سے ترے درباں کے برابر

دریاے سخاوت کا ترے پاٹ جو دیکھا
پھیلاؤ میں پایا اسے عماں کے برابر

لاریب ترا ہاتھ ہے ہنگام ترشح
درریزی و دربخشی میں نیساں کے برابر

ہے مایہ کہاں اتنا کہ جو ابر بہاری
برسے ترے دست گہر افشاں کے برابر

گر کیجیے بیاں تیری شجاعت کا تو رستم
لاوے نہ تگاور ترے میداں کے برابر

اور جی جو چلاوے بھی تو طالع اسے لے جائیں
رستے سے گرانے چہ خذلاں کے برابر

موج شط خوں ہے مری شمشیر برندہ
آب اس کی ہے پر آتش سوزاں کے برابر

بادل سے جہاں اُمڈے ہوں دل فوج عدو کے
واں چمکے ہے یہ برق درخشاں کے برابر

پھر کاٹ میں ایسی کہ سر خصم قوی [3] پر
وہ خصم کہ سر جس کا ہو سنداں کے برابر

مارے تو اگر اس کو تو کر صاف دو بخرے [4]
بارخش سلادے اسے میداں کے برابر

گر تیغ عدالت ہو تری دشمن سرکش
گردن کو رکھے اس کی گریباں کے برابر

منظور ہو گر تسویۂ روز و شب اس کو
خورشید نہ آوے کبھی میزاں کے برابر

خطرے سے حفاظت کے تری مس نہیں کرتے سو بار زباں آئے ہے دنداں کے برابر
اپنے سے بہت سعی کرے برق کا جولاں پہنچے نہ ترے رخش کے جولاں کے برابر
سرپٹ میں تو عاشق کی وہ ہے عمر شاباں کاوے میں وہ ہے گردش دوراں کے برابر
کیا ٹاپ کے دورے کا بیاں کیجیے کہ اس کا ہر کاسۂ سم ہے مہ تاباں کے برابر
اور دم وہ[5] جو اڑتی ہوئی جاتی ہے ہوا میں سو حور کی ہے جعد پریشاں کے برابر
اسرع ہے پھر اتنا کہ اگر خانۂ زیں پر تو آ کے کرے گرم اسے میداں کے برابر
اس عرصے میں طے عرصۂ عالم وہ کر آوے جو آوے نہ مژگاں کبھی مژگاں کے برابر
ممدوح سواری کا تری یہ جو ہے ہاتھی رفعت میں تومندیِ سیلاں کے برابر
جب سبز عماری سے شکوہ اس کا بڑھے ہے آتا ہے نظر گنبد گرداں کے برابر
انکش نہ سمجھ اس کی تو مستک پہ، مہ عید اس سال نکل آیا ہے کیواں کے برابر
رنگ اس کے سے ہے[6] جوں شب دیجور کو نسبت ہیں دانت بھی دو شمع شبستاں کے برابر
پر ہوتے ہیں اونچے تو لگا دیتے ہیں زینہ جا کر وونہی کسریٰ کے وہ ایواں کے برابر
خرطوم کا عالم یہ نظر آئے ہے ان میں جوں ابر کا لکّہ مہ تاباں کے برابر
اور وقت لڑائی کے پئے بلع حسوداں ہے معجز موسیٰ کے وہ ثعباں کے برابر
ہر چند نواسنج تری بزم کے سب ہیں سحباں کے برابر، کوئی حساں کے برابر
لیکن یہ جو مادح ہے ترا اس کو ممیز سب جانتے ہیں ناظم شرواں کے برابر
سو اس پہ بھی ہم اہل سخن ہیں سبھی شاہا آگے ترے اطفال دبستاں کے برابر
رنگینی و شفافی و موزونی میں ازبس ہے نظم تری لولوے مرجاں کے برابر
گر بے ادبی ہو نہ تو لکھ کر کے میں رکھ دوں ترجیع ترا سورہ رحماں کے برابر
آگے ترے فرماں کے رکھے کاتب تقدیر فرمان قضا کو خط بطلاں کے برابر
پاوے جو نفاذ ان پہ تو واللہ نصاریٰ انجیل نہ کھولیں ترے فرماں کے برابر

یوں چاہیے اے مصحفی اب دست دعا کو
لے جاؤں اٹھا گنبد گرداں کے برابر

یارب کہ ستاروں کی طرح اہل معانی
جب تک ہوں کھڑے کرسی شاہاں کے برابر

ہر روز ہو نوروز ترا اور تری مجلس
سرسبز رہے تازہ گلستاں کے برابر

پایہ تری حشمت کا یہ ارفع ہو کہ ہرگز
پہنچے نہ فریدوں ترے درباں کے برابر

مختار جو گھر کا ہے ترے خانِ ذوی القدر
نواب نہ ہووے کوئی اس خاں کے برابر

43۔ در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ

ہو کے آپس میں چہ روز اور چہ شب ساٹھوں ایک
تیری رکھتے ہیں اب اے ماہ طلب ساٹھوں ایک

تیس تیس اس کے دو ترکش میں ہوں گر تیر بھرے
جب الینڈے تو وونہی چلتے ہیں سب ساٹھوں ایک

جمع افراد سے حاصل نہیں جز عقدۂ دل [1]
کیوں کہ پڑتی ہے گرہ ہوتے ہیں جب ساٹھوں ایک

ماہ و خورشید ہے سیمرغ کا جوڑا جس کی
گن کے کرتی ہے عدد قدرت رب ساٹھوں ایک

میرے بتیس ہیں دانت اور تیرے اٹھائیس
بوسہ دے ڈال کہ ہوجاویں یہ اب ساٹھوں ایک

کیجیے غور تو ہے فرق شمار عشرات
ساٹھ پھر ساٹھ ہی ہیں، ہوتے ہیں کب ساٹھوں ایک

دل سی پارہ مضاعف ہے مرا ٹوٹنے میں
لاؤں ٹکڑے جو کریں اہل حلب ساٹھوں ایک
کل بھنا ہیں ٹکے حالی روپے کے پیسے
کردیے میں نے وہ پہلے ہی ندب ساٹھوں ایک
قتل شبیر ہوا جب تو بہ سال ہجری
تھی سیہ پوشی میں جوں قوم عرب ساٹھوں ایک
درجات قمری جان گئے اہل نجوم
ایک درجے کے دقیقے ہوئے جب ساٹھوں ایک
ہاتھوں کی لیلیٰ و شیریں کے حنائی پوریں
گہ نظر آتی ہیں جوں تازہ رطب ساٹھوں ایک
قیس و فرہاد کی کس طرح نہ ہوں تشنۂ خوں
عدد کم کی طرح ہیں یہ غضب ساٹھوں ایک
ساٹھ سر عشر کے بسم اللہ و ابجد کے حروف
لوح تعلیمی و ہم علم و ادب ساٹھوں ایک
دس حواس ، عقل دہوں ، چہل روز جہاں
اپنی ہستی کا یہ رکھتے ہیں سبب ساٹھوں ایک
جی میں آتا ہے کہ لے بارہ اماموں سے وام
انگلیاں داہنے ہاتھوں کی یہ سب ساٹھوں ایک
تیس اشعار لکھوں ایسے کہ جن کے مصراع
پاویں تعریف سلیماں میں لقب ساٹھوں ایک

وہ [2] سلیماں کہ مقابل [3] میں گر اس کے آویں
تیس تیس آکے عجم اور عرب ساٹھوں ایک

اور کمک کے لیے پیچھے سے پھر ان کے آویں
اور اس سے ہوں جونہی اہل لہب ساٹھوں ایک

تیغ قہر اس کی جو لے رخت حیات ان کا اتار
خون کا پہنیں وہ مقتل میں قصب ساٹھوں ایک

پھر معینوں کی بھی ہوجائے جو وضع جازم
سر بریدہ رہیں مہمل بہ تعب ساٹھوں ایک

گر ترے لطف کا ہوتا نہ گرو ذوالقرنیں
سال اس کے نہ گزرتے بطرب ساٹھوں ایک

شست میں تیر تو رکھتا ہے جب اپنا تو مجھے
بے کم و کیف نظر آتے ہیں تب ساٹھوں ایک

شش جہت کے نہ وہاں کیوں کہ ہم ہوں عشرات
گر نہ چاہے تو کہ ہوجاویں یہ اب ساٹھوں ایک

ہمرہ مرکب شہ ہوں جو سلح شور جواں
ہیں ہیں آکے چپ و راس و عقب ساٹھوں ایک

ان کی تکرار سے تضعیف جو ہوتی جاوے
پل میں کردیویں ارب اور کھرب ساٹھوں ایک

مصحفی سین سلیماں سے عدد لے کے توام
میں نکالے ہیں بہ انداز عجب ساٹھوں ایک

اب خدا سے یہ تمنا ہے کہ ہے خالی ہند
جلد اسے کر علم آرا کہ ہوں سب ساٹھوں ایک
پھر وہ شخص کہ ہوں دانت جنھوں کے بتیس
قطع کر دال دعا کردیں دو لب ساٹھوں ایک [4]
بعد تصنیف سن عمر طبعی عدد
تیرے مطبخ میں جلیں ہو کے حطب ساٹھوں ایک
یہ قصیدہ نہیں فخریہ بس اس میں مجھ کو
تھا یہ منظور کہ ہوویں کسی ڈھب ساٹھوں ایک

44۔ در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ

تلتا میں اس کے پلے میں ہوتا گر انوری
مرزا و میر سے مجھے کیا ہے برابری

دیوان فارسی کو مرے ٹک تو جا کے دیکھ
کیا کیا ہر ایک شعر میں ہے اس کے ساحری

مریم کی آستین میں ہے جوں نفخ جبرئیل
معجز کی میرے دم کے قلم میں فسوں گری

مالک رقاب ملک سخن جان کر مجھے
افسر کو اپنے باج میں دیتا ہے افسری

حسان عجم میں کیوں کہ بھلا پھر دوچار ہو
سحباں عرب میں کر نہ سکا میری ہمسری

فردوسی زمانہ میں ہوں نظم شعر میں
سمجھے حقیر گو مجھے ثروت سے عنصری

شانے پہ میرے مہر نبوت نہیں، نہیں
کرتا میں صاف دعوئی وحی و پیمبری

انصاف کر کے میرے کلام نفیس کو
حاصل جہاں میں حسن ہے، مجھ کو یہ اشعری

کہیے جو معجزہ ہے تو عیسیٰ کا معجزہ
کیجیے قیاس سحر تو ہے سحر سامری

توبہ! میں کیا بکوں ہوں گیا کس طرف خیال
کیسا کمال شعر، کہاں کی سخن وری

شعر و سخن ذلیل ہے ایسا کہ ان دنوں
ہر ایک کور و کر کو ہے دعوائے شاعری

ہر بے بصر جو شعر کا دعوا کرے تو پھر
نرگس کا کیا گنہ جو کہے ہوں میں عبہری

اظہر ہے آفتاب سے میرا فروغ شعر
ہر چند اپنے وقت کا ہو کوئی اظہری

لیکن میں اس پہ کچھ نہیں کرتا مفاخرت
گر فخر ہے تو در کی سلیماں [1] کے چاکری

اس گھر کے ہر غلام کا ہے عرش پر دماغ
اس در کے ہر گدا کو ہے دعواے قیصری

ہوجاوے اس سے معجزہ عیسیٰ کا آشکار
مردے پہ گر کرے نگہ لطف سرسری

چرخ کمان سبز اگر لے وہ ہاتھ میں
چلّے کو اس کے دیکھ رہے چرخ چنبری

پنجے پہ پھر پڑے جو نظر اس کی یوں کہے
آیا ہے برج قوس میں خورشید خاوری

جوف فلک میں تو خط محور نہ جانیو
ناداں دو سار تیر کی اس کے یہ ہے سری

کرتا ہے عہد عدل میں اس کے یہ اختلاط
آہو برہ سے شیر کا بچہ برادری [2]

پڑھتا ہوں اب میں مطلع ثانی حضور میں
غائب کی مختصر ہی بھلی ہے ثنا گری

مطلع

رکھتا ہے تو جہاں میں گر اقبال سنجری
میں شاعروں میں ہوں ترے شاعر بہ انوری

مجھ کو نہ دیکھ دیکھ تو میرے کلام کو
قول اسیر کو نہ سمجھ اتنا سرسری

مادح کو مجھ سے تجھ سا ہی ممدوح تھا ضرور
تو حیدری اگر ہے تو ہوں میں بھی قنبری

انصاف کو تو ہاتھ سے مت دے تو وہ خدا
گر بندہ پرورانہ کنی بندہ پروری

رستم کو تیری تیغ سے دشوار ہے گریز
ارجن کو تیرے تیر سے مشکل ہے جانبری

ہوتی ہے تیغ قہر تری جس جگہ علم
شیر فلک رکھے ہے وہاں حکم بربری

شاہا جہاں لکھوں میں ترے روز و شب کا ذکر
واں دو ورق سوا نہ ہو آئین اکبری

از راہ لطف اس کو اگر ہاتھ پر تولے
سکھلائے باز کو ترا پنجہ غضنفری

روے عتاب ور تو کرے سوے آسماں
خورشید کے بدن میں مضاعف ہو تھرتھری

ہوتی جو تری راے نہ جامع تو پاتی راہ
دیوان ممکنات کے اجزا میں ابتری

نسبت ترے عدو کو جو برگ خزاں سے دوں — چہرے سے اس کے جائے نہ تربت میں اصفری
بازار گرم ہے تری بخشش کا جس جگہ — واں کوڑیوں کے مول بکے ہے تونگری
قائم ہے آسماں ترے بے چوبہ کے تلے — یوں جس طرح کھڑی ہو اک ادنا قلندری [3]
کرتا ہوں اب بیاں میں تری تیغ تیز کا — ہے باڑھ سر پتے کی طرح جس کی دردری
برش میں اس کے سامنے یکساں ہے سخت و نرم — گینڈے کی کھال [4] ہووے و یا سوت کی نری [5]
ہشتم فلک پہ تو اسے مارے تو اس کا وار — دکھلاوے ناف گاو میں خشکی سے کچھ تری
بل بے صفائی ہاتھ کی اللہ رے تیرا کاٹ — گووے زمیں کو جس سے ملی شکل ساغری
جوہر لعاب و لنگر و جم اس کا بے نظیر — قبضہ پہ شکل شیر عیاں، پھل سے اژدری
بے بال و پر اڑے ہے وصف رخش میں — کب کر سکے صبا مرے خامے کی ہمسری
ڈپٹے اگر تو اس ہمہ آتش کو زور جنگ — اور گرم ہو کے کرنے لگے وہ بھی صرصری
مارے حسد کے دیکھ وونہی اس کی چال کو — کھاوے زمیں پہ رخش سکندر سکندری
سرعت رکھے ہے تس پہ پھراتی کہ یہ بیاں — کرتا ہوں اس کی تیز روی کا میں سرسری
پھینکے تو نیم روز اگر اس کو شرق سے — تا حد روے پوشی خورشید خاوری
عرصے میں اتنے اس کی شد آمد ہو لاکھ بار — تہ کو گھڑے کی آب کے نیچے نہ ہو مری
اب سوے وصف پیل سواری ہے میل طبع — چالش کو جس کی لگ نہ سکے چرخ چنبری
آئی تنے میں سب کو نظر شکل اژدہا — خرطوم اس نے کوہ کی چوٹی پہ جب دھری
گر وہ کمند ہے تو پھر اس کے وہ دونوں دانت — دیو سپید کی ہیں دو ساعد بھری بھری
مستک کو اس کی دیکھ کے رنگیں کہے ہے چرخ — ہے دیو کا سا روپ پہ چہرہ ہے کچھ پری
کدہ سمیر [6] پہنچے ہے کب اس کی شان کو — ادنا تریل جس کی ہو یہ چرخ چنبری
کیوں کر فلک کے پلے میں اس کو نہ تولیے — کجباک کو ہو جس کی مہ نو سے ہمسری
یوں جھول اس کی پیٹھ پر مخمل کی ہے یہ سبز — ہو جیسے تیغ کوہ پہ کھیتی کہیں ہری

چرخی و بان سے کوئی ڈرتا ہے جوں نہنگ آتش کے بحر میں وہ کرے ہے شناوری
طے ہو چکے مراتب تحمید مصحفی سوے دعا قلم کی کر اب اپنے رہبری
ناداں مقام مدح شہاں بس بلند ہے جانے ہے کیا تو قاعدۂ مدح گستری
تخت شہی نصیب ہو یارب تجھے شتاب چمکے ترا ستارۂ فرخندہ اختری
یاں تک کہ ایک پل میں اقالیم سبعہ کو لیں گھیر جا کے تیرے قشونی و لشکری
شاہان دہر سب تجھے آ کر خراج دیں آفاق میں بجے ترا کوس سکندری
ہو خانہ زاد خاں کا ترے پھر وہ مرتبہ یوں دیکھ کر کے جس کو کہے چرخ چنبری
یہ خانہ زاد خاں ہے کہ نائب مناب ہے بشرے سے جس کے چمکے ہے لمعان سروری

تیرا ہی دور دور رہے پھر بہ زیر چرخ
جب تک کہ دور چرخ ہے اور ماہ و مشتری

45۔ در مدح صاحب عالم سلیمان شکوہ

یہ عکسِ ماہ سے ہے چہرۂ زمیں پر نور
کہ شکل جادہ ہے صحرا میں رشک ساعد حور

وہ کیوں نہ ساتھ ستاروں کے ہووے چشمک زن
ہر ایک ریگ کا ذرہ ہے حسن پر مغرور

پروئے موتی ہی رشتے میں موج کے اس نے
ہوا حباب کا شیشہ کبھی جو چکنا چور

صباحت ایسی جمادات میں سمائی ہے
کہ چہرو سنگ سیہ کو تو نکلے اس سے بلور

حباب بحر نظر آویں ہیں وہ اولے سے
کہ جس سے ہوتی ہے رفع حرارت محرور

عجب نہیں جو لطافت سے پرتو مہ کی
خلط بہ خوشہ شبنم ہو خوشہ انگور

یہ ہے بہشت کا عالم کہ ہر بیاباں میں
جو چشمہ تھا نظر آتا ہے چشمہ کافور

صفا یہ آب میں پیدا ہوئی ہے عینک کی
کہ چشم پیر سے ریگ زمیں نہیں مستور

شمال دیتی ہے عظم رمیم کو ترتیب
نسیم کرتی ہے احیائے خفتگانِ قبور

ہر ایک نخل گہر پوش ہی پڑے ہے نظر
سلوک پر ہے جو گلزار سے ہوا کا قطور

بفرض ماہ فلک چاہتا ہے اب کہ کرے
علاج تیرگی بخت عاشق مہجور

بیاض خاک پہ گم ہے سواد عمر انات
کہے تو آب بصل سے لکھی تھیں اس کی سطور

چھپی ہے پرتو مہتاب کی تعدی سے سیاہ خیمۂ لیلیٰ میں جا شب دیجور
زمیں ہے ساغر لبریز شیر کے مانند مگس سی اس میں جھلک جائے ہے سیاہی طور
نگاہ [1] بازی کو دریا و کوہ و صحرا کی کہ جن کی دید سے مشکل ہے باصرہ ہو صبور
زمیں سے دیدۂ اموات ابھی نکل آتے پہ کیا کریں کہ وہ خواب عدم سے ہیں مجبور
یہ چاندنی کا سماں دیکھ چودھویں شب میں کہا میں دل سے کہ اے ماہ برج عقل و شعور
فلک پہ شعور ہے ہر سو تری بلاغت کا زمیں پہ تیری فصاحت ہے ہر طرف مشہور
وہ شستہ رفتہ ہے تیرا کلام جوں شب ماہ کہ جس سے دیدۂ بد بیں کی ہے سیاہی دور
مدیح شاہِ سلیماں شکوہ چرخ سریر لکھ اس کمال ادب سے جو ہے ترا دستور
نہ رہ خموش تو ایسے کے سامنے ہرگز نہیں [2] ہے قدر زر و سیم خاک جس کے حضور
سخاوت اس کی سے ہے دامنِ زمیں پُر زر نوازش اس کی سے ہے کیسۂ فلک معمور
جو برسے ابر کرم اس کا شکل نیساں کی تو فوراً اس سے یہ انواع فیض کا ہو ظہور
صدف میں در کرے اور منہ میں مار کے مہرہ بنائے نے میں طباشیر کیلے میں کافور
زہے کمال حفاظت کہ آشیاں سے گزر پلے ہے پنجہ شاہیں میں بچہ عصفور
بہ رنگ آب رواں ہووے بہر استقبال نفاذ پاوے اگر اس کا کوہ پر منشور
سنا ہے میں کہ قزل ارسلاں بہ روز نبرد نہ پہنچا اس کی سواری میں بس کہ تھا معذور
یہ کی ہے اس نے زمانے میں تاج بخشی عام کہ سر پہ نافہ آہو کے ہے کلاہ سمور
جہاں کہ برسے ہے بارانِ مکرمت اس کا رکھے ہے حکم جو انسے کا واں سرِ پر شور
غضب ہے اس کا یہ قہر خدا کہ جس پر ہو تمام نسل رہے اس کی تا ابد مقہور
یہ اس کے عہد میں جسم مرض ہوا ہے نقیہ کہ سنے سے بھی نہیں اٹھتا ہے نالہ رنجور
کیا ہے رفع مناہی جو اس نے شیشے سے شکست پہنچی ہے تا تار کاسہ تنبور
یہ دخل کیا ہے کہ زنجیر عدل چھٹ اس کی بندھے کسی پہ کسی کا خیال فسق و فجور

رکھے ہے ماہ سے چونے کی ٹوکری [3] سر پر
فلک کمینہ عمارت کا اس کی ہے مزدور

کرے جو مردم آبی کو اس کا شحنۂ عدل
ظرافتاً پے تنبیہہ سرکشاں مامور

بوقت شعلہ زدن اس خبر کے سنتے ہی
بہ سوے خاک ہو آتش کو استحالہ ضرور

حیاے چشم و مروت کا ہے وہ بحرِ محیط
کہ جس کی ذات سے مشتق ہیں سب عیون وبحور

بہ ایں صفات جو ہو متصف تو لازم ہے
کہ اب یہ مطلعِ ثانی پڑھوں میں اس کے حضور

مطلع

تو ہے وہ شمعِ سبستاں دودۂ تیمور
کہ جس کی ذات سے ہے عرصۂ جہاں پرنور

سوار ہونے لگے تو تو تیرے گھوڑے کی
رکاب لیویں دو جانب سے قیصر و فغفور

جہاں کہ تیرے سواروں نے نیزے گاڑے ہیں
بنا ہے سطحِ زمیں رشکِ خانۂ زنبور

کبھی نکل کے جو تو ان کی عرضِ لشکر لے
تو پہنچے پھر تجھے لشکر کشی میں سام نہ تور

دونہی عراق وخراساں میں کھلبلی پڑ جائے
جو فوج قاہرہ تیری کرے اٹک سے عبور

پڑے چہار طرف ہول [4] روز رستاخیز
پھنکے جو وقت سواری کے کرنا چوں صور

جبال صدمہ پیلان کوہ پیکر سے
غبار ہو کے اڑیں ہو یہ شور روز نشور

جہاں ہے مجمرہ بردار آفتاب ترا
فلک نے ہاتھ میں جوزا سے لی ہے واں زنبور

جب آئے تابہ گلو اس کے آب تیغ تری
عدو کی عمر کا پیمانہ کیوں نہ ہو معمور

تری سناں کا تصور کرے جو روئیں تن
تو اس کے ہر بن مو پر رواں ہو اک ناسور

جہاں ہے ماہ ترا عود سوز چاندنی کا
شب اپنی عنبر سارا کا واں کرے ہے بخور

کیا ازالہ تاثیر مے یہ تو نے کہ اب
سفال خم سے جو نرگس اگے نہ ہو مخمور

کمر کی ہے جو تری تیغ مثلِ قطرۂ آب
نظیر اس کی صفا کی ہو موج کیا مقدور

جو پیلے پہ نظر کیجیے تو ہے دم مار
جو جوہروں کی طرف دیکھیے تو ہیں پر مور

یہ آبداری ہے اس میں کہ برش اس کی اگر
کرے خیال میں رستم کے وقت خواب خطور

نہ اٹھے سر سر بالیں سے حشر تک اس کا
وگر اٹھے تو گرے ہو وہ کاسہ تنبور

اچھل کے خانہ زیں سے تو مارے گر اک ہاتھ
دو پارہ ہووے فلک جیسے لوہے کا ہو تنور

بیاں جو رخش کی سرعت کروں مرا کیا منہ
کہوں جو اس کو چھلاوا یہ عقل کا ہے قصور

کڑک یہ اس میں کہ بجلی کے ہوش اڑ جاویں
چمک یہ اس میں کہ جوں لمعہ تجلی نور

سوار اس کا جو کج ہو کے خانہ زیں پر
کرے نگاہ کفل کی طرف بحکمِ غرور

منہ اس کا پھرنے نہ پاوے کہ اتنے عرصے میں
پھر آوے کر کے وہ طے عرصۂ سنین و شہور

ملائمت میں اگر وہ جتائے اپنا ہنر
نہ پہنچے گرد کو اس کی کبھی صبا و دبور

گئی جو پیل کی جانب نگاہ غور مری
تو اس کے وصف میں مضموں[5] ہوا یہی مسطور

نہیں یہ پیل کے دنداں[6] تیری حشمت کی
اٹھا کے ہاتھ دعا مانگے ہے شب دیجور

سوائے اس کے جو سوچا تو مجھ کو یہ سوجھا
کہ آبنوس سے پھوٹی ہیں یہ دو شاخ بلور

شہا جو کچھ کہ مدارج ہیں مدح کے تیری
میں کر سکوں گا بیاں ان کا، اس کا کیا مذکور

یہ شرح و بسط رقم مجھ سے کب ہوئی کہ وہ ہیں
احاطۂ قلم ہندسی سے تا محصور

غرض کہ تجھ سا نہیں دوسرا زمانے میں
ہیں میرے قول مدلل پہ متفق جمہور

اب اس حضور معلّیٰ میں ہے یہ عرض غلام
کہ ہر طرح سے رہے اس کی پرورش منظور

بر آئیں سارے مقاصد مرے اسی در سے
نہ جاؤں غیر کے در پر ترا رہوں مشکور

قصیدہ ختم ہوا مصحفی تو دست دعا
اٹھا یہ درگہ دادار عیب پوش و غفور

منا میں تا ہوں بزد گوسپند قربانی
اور اک طرف کو شتر بھی پڑے ہوئے منحور

مثال جدی اسد سر رکھے ترے تہ تیغ
پئے ثواب کہ قربانیوں میں ہو محشور

جلوس تخت شہی پر ہو تیرا عید کے دن
دو چند جس سے ہو عالم میں خوش دلی و سرور

یہ غٹ کے غٹ امنڈ آویں بکثرت و انبوہ
کہ جن کو لگ نہ سکے مور اور ملخ کا وفور

پرے سواروں کے یاں اور نشان بادلے کے — گلال پارہ وہ ایسے جوں شفق کا ظہور
سوار بجلی کی کوند اور پیادے عرش رعد — کہ جن کے رعب سے ہو لشکر عدو میں فتور
یہ حوت و ماہ بنیں ماہی و مراتب اور — چلیں رکاب میں اس طرح سے جو ہے دستور
دکن کو فتح کرے جا کے مثل عالمگیر — پھر آوے ہند میں واں سے مظفر و منصور
یہ پشت پیل پہ نقارہ گونجے صور کی طرح — کہ چونکیں خواب سے اٹھ اٹھ کے خفتگان قبور
فرنگیوں کی طرح کہکشاں و مہ سے فلک — چلے جلو میں بجاتا ہوا نے و تنبور

جو ہیں غلام انھوں کو ہو عید قربانی
جو خیرہ سر ہیں گلا ان کا ہو تہ ساطور

✿✿✿

46۔ در مدح اسپ کہ یار وفادار نام داشت

ہم ماہ سریع ہے ترا سم ہم زلف طویل ہے تری دم
رجعت تری آمد قیامت خیزش تری برق کا تبسم
ہرگز لب برق کو نہ دیوے سرپٹ تری فرصت تکلم
ہے دورۂ سم میں تیرے پنہاں دور فلک و ہلال و انجم
چلتا ہے جو تو ہوا پہ تجھ کو ہے گاو زمیں پہ یہ ترحم
مہ نسبت نقش سم سے تیرے کرتا ہے فلک پہ آپ کو گم
کرتے ہیں سپند تجھ پہ جس جا واں عود جلے ہے جاے ہیزم
ٹوٹا تہ پا کبھی نہ تیرے دریا[1] میں کسی حباب کا خم
کھندلے کی ترے لحد پہ سرزد عیسیٰ سے نہ ہو ترانہ قم
انگیزش گرد پا سے تیری ڈرتا ہے محیط کا تلاطم[2]
ہر کاسہ سم ترا زمیں پر ہے افسر فرق چرخ ہفتم
لاتا ہے تری خوید کو ماہ مزرع سے فلک کے سبز گندم

ہرنا تری فاش زیں کا واللہ ہے حق میں عدو کے نیش کژدم
یہ جلد میں ہے تری نزاکت جس کو نہ لگے صفاے قاقم
سرعت میں جو ساق پا ہے تیری ہے ماہی سیر ہفت قلزم
امکاں نہیں یہ کہ فلسفی کا پہنچے تری گرد کو توہم؟
پاتا ہے بگاہ خواب تجھ کو اندیشہ بر اوج چرخ ہفتم
پہنچے جو النگ آسماں پر پشنک سے تری کبھی تصادم
جوں خشت زہم گستہ گر جائیں ٹکڑے ٹکڑے ہوز میں پہ ماہ و انجم
گر آب پہ ہو تو سایہ افگن یونس کرے خاک سے تیمم
کرتی ہے بہ درگہ سلیماں شوخی سے تری صبا تظلم
وہ خسرو انس و جاں کہ جس کے ہیں کوہ گراں تہ تحکم
حاصل ہے کرم کو جس کے در سے صد گونہ فراغت و تنعم
دیکھا نہیں خواب میں بھی اس نے یہ اوج ، یہ جاہ یہ تحشم
تو شہ کا جو یار ہے وفادار ہیں جس کے مطیع امر مردم
عاجز ہے تری ثنا گری میں چالاکی قوت تفہم
اس واسطے مصحفی کرے ہے اب خاتمے پر رہِ ثنا گم

یارب کہ بنفشہ گوں رہے تو
زیر فلک بنفشہ طارم[3]

✿✿✿

47۔ خطاب بہ انشاء اللہ خاں[1]

اے آں کہ معارض ہو مری تیغ زباں سے
تو نے سپر عذر میں مستور کی گردن

ہے آدم خاکی سے بنا خاک سے پتلا
گر نور کا سر ہووے تو ہو نور کی گردن

میں لفظ سقنقور مجرد نہیں دیکھا
ایجاد ہے تیرا یہ سقنقور کی گردن

لنگور[2] کو شاعر تو نہ باندھے گا غزل میں
کس واسطے باندھے کوئی لنگور کی گردن

گردن کی صراحی کے لیے وضع ہے ناداں
بے جا ہے خم بادۂ انگور کی گردن

اس سے بھی میں گزرا غلطی اور یہ سنیئے
باندھے ہے کوئی خوشۂ انگور کی گردن[3]

کافور تو میت کا اسے سمجھے بہ ایں عقل
اور آپ جو پھر باندھے تو مغفور کی گردن

یہ لفظ مشدد ہی[4] درست آیا ہے تجھ سے
خم ہوتی ہے کوئی مری بلور کی گردن

اتنی نہ تمیز آئی تجھے ربط بھی کچھ ہے
ہر قافیے میں تو نے جو منظور کی گردن

یوں سیکڑوں گردن تو گیا باندھ پہ[5] وائے
سوجھی نہ تجھے حیف کہ مزدور کی گردن

جو گردنیں میں باندھی ہیں لا تجھ کو دکھادوں
تو مجھ کو دکھا دے شب دیجور کی گردن

گردن کے تئیں چاہیے اک شکل کشیدہ
خم کرکے سمجھ ٹک سر مغرور کی گردن

مضمون[6] وہ میرا ہی ہے گو اور طرح سے
باندھے تو گماں اپنے میں رنجور کی گردن

گر قافیہ پیائی ہی منظور تھی تجھ کو
تو باندھی نہ کس واسطے مقدور کی گردن

لاکھوں ہی معانی کو کیا قتل پر افسوس
سوجھی نہ تجھے دستہ ساطور کی گردن

منصف ہو تو پھر نام نہ لے دعوے کا ہرگز
یہ بوجھ اٹھا سکتی نہیں مور کی گردن

منظور ہے گر نیش زنی تجھ کو تو باللہ
باندھے[7] نہ گر اب خانۂ زنبور کی گردن

ٹوٹے ہوئے نیچے کی طرح میرے قلم سے
جاتی ہے پچک شاعرِ مغرور کی گردن

انصاف تو کر آپھی کہ اک تیغ[8] میں کیسی
میں[9] کاٹ کے دعوے کی ترے دور کی گردن

کھڑاگ یہ گایا پہ ترے ہاتھ نہ آئی
افسوس کہ اس تان پہ تنبور کی گردن

سوجھا نہ تجھے ورنہ بناتا تو اسی دم
ناسور[10] کی بتی کو بھی ناسور کی گردن

انصاف کیا اس کا میں اب شہ کے حوالے
جھکتی ہے جہاں مار کی اور مور کی گردن

وہ شاہ سلیماں کہ اگر تیغ عدالت
ٹک کھینچے تو دو ہو سر[11] فغفور کی گردن

جس سر پہ ٹک اپنا وہ رکھے دست نوازش
اس سر کا بنے تکیہ سر حور کی گردن

اس در کا جو سجدہ انھیں منظور نہ ہوتا
ملتی نہ فرشتوں کو کبھی نور کی گردن

اے مصحفی خامش یہ[12] سخن طول نہ کھینچ جائے
یاں کوتہ ہی بہتر سر پر شور کی گردن

❁❁❁

48۔ قطعہ بحضور سلیمان شکوہ[1]

اے سلیمان جم شکوہ کہ ہے   نام تیرا بہ خسروی مشہور[2]
ہے مسلم تجھی[3] کو تاج شہی   بہ سر تخت حضرت تیمور
سر جھکائے رہے ہے نت قائم   آسماں دست بستہ تیرے حضور
ہے تری انگلیوں کے ناخن میں   عقل و ہوش و ذکا و فہم و شعور
کج نہ دیکھا تری عدالت سے   سرمو موے چینیٔ فغفور
ہاتھ تیرا کیا ہے صانع نے   پنجۂ[4] شیر نصب ساعد حور
پر وہ ساعد کہ جس کا پنجہ کبھی   نہ ہوا اژدہائے تیغ سے دور
مصحفی اب یہ عرض کرتا ہے   بوسہ دے کر بر آستانِ حضور
یعنی وہ ماجرا کہ ہو گزرا   شہر میں اس کا اب ہے یہ مذکور
شاعری مصحفی کی ان روزوں   گر گئی بلکہ از نگاہ حضور
اس سے میرے بھی دل کو ہے یہ ملال   کہ کروں کیوں کہ اپنی خفت دور

فکر درہم ، حواس مختل ہیں　　نظم معنی میں آگیا ہے قصور
ہاں مگر لطف شہ جو چاہے تو پھر　　اک نگہ میں مجھے کرے مسرور
اس لیے ہے امید وار غلام　　کہ اگر اس کی غور ہو منظور
تو تبرک شاب ہو اس کو　　کیوں کہ قصہ یہ کھنچ گیا ہے دور
ماسوا اس کے ہے یہ موسم دے　　گرمی شال و پنبہ اب ہے ضرور
جو ہو ملبوس خاص کیجیے عطا　　نہ میں مانگوں ہوں اطلس و سیفور

گوشوارہ قبا ہو یا پٹو
صلہ خالی نہ جائے تا مقدور

۞۞۞

49۔ در مدح صاحب عالم

کرے نہ کیوں کہ زمیں رشک گلستاں نوروز | کہ ہے بہار ربیعی سے گلفشاں نوروز
بہ رنگ دانہ خشخاش سبز کرتا ہے | زمین خشک میں پوشیدہ استخواں نوروز
یہ آب جو میں نہ عکس شگوفہ کی ہے بہار | زمیں پہ چرخ سے لایا ہے کہکشاں نوروز
ہر اک جگہ ہے جو تقویم سال نو کی طلب | ہوا ہے خود سبب رزق کاتباں نوروز
زبس کہ زائچہ کھینچنے میں[1] صاف کرتا ہے | میان خانہ رمال تختیاں نوروز
کہیں ہے چہر کشا لوح اہل فارس کا | کہیں ہے آئنۂ زیچ ہندیاں نوروز
کہیں طریقۂ تحت الشعاع ہے مرقوم | کہیں ہے نقش کش ساعت و زماں نوروز
برائے شقیہ قیفال شاہد گل کا | کرے ہے نوک سے سبزے کی خوں رواں نوروز
فلک لڑاوے ہے بیضے وہاں کواکب کے | یہاں ہے دست خوش دست کودکاں نوروز
ولے قطار لڑانے پہ کہکشاں ہے جو غش | ہوا ہے بیضۂ اختر پہ شادماں نوروز
ہزار شکر کہ تیرے قدم کی برکت سے | نہ باغ دہر میں دے کا رہا نشاں نوروز
یہ بوڑیاں ترے نیزوں کی اس کو آئیں نظر | کہ ڈر کے بھاگ گیا لشکر خزاں نوروز
مبادا اس میں ہوں ساعات روز عشرت گم | نہ آفتاب کو جانے دے تا کماں نوروز

ترا خواص یہی ہے کرے نہ کیوں کہ جلوس — بہ تختِ گاہِ حمل شاہ خسرواں نوروز
یہ دن وہ ہے کہ شہاں جس میں جشن کرتے ہیں — نفیس کھانوں کے لاکر رکھے ہے خواں نوروز
یہ دن وہ ہے کہ بچھا کر بساط یک رنگی — رنگے ہے رنگ پر اپنے تنِ شہاں نوروز
جو زرد ہووے تو زردی ہی کا کرے احکام — بناوے مجلسِ شہ کشتِ زعفراں نوروز
جو سرخ ہو تو زمانے کو سرخ پوش کرے — بہ رنگ قرمزی و رنگ ارغواں نوروز
جو صندلی ہو تو پہنائے صندلی جامہ — برائے زائچہ بخشی مغزِ جاں نوروز
وگر ہو رنگ کسی سال اس کا بادامی — دکھاوے اس میں شگوفے کا پھر سماں نوروز
غرض ہمیشہ سے الواں ہیں مختلف اس کے — ملا ہے بس کہ بہ نیرنگ آسماں نوروز
پر اب کے سال یہ گردش نے مال کی چاہا — کہ جلوہ گر ہو بہ پیراہن کتاں نوروز
لے آئی باغ سے گلدستہ ہائے داؤدی — برائے پیشکش شاہ کامراں نوروز
جہانِ جود ، سلیماں شکوہ ، جم شوکت — کہ آپ جس کے خواصوں میں ہے رواں نوروز
جو ساز جشن ہیں اس جا نہ کرگیا ہرگز — جم اپنے عہد میں ایسا نہ ارسلاں نوروز
گر آوے دستِ جواد اس کا فیض بخشی پر — گدا ہو صاحبِ صد گنج شائگاں نوروز
ہراک کے نام میں یاں تک بھرا ہے عیش ونشاط — کہ یاں کو خواجہ سرا جو ہے، ہے میاں نوروز
خیال مطلعِ ثانی پہ اس گھڑی ہے مرا — کہ تا حضور میں ہو ما بقی بیاں نوروز

مطلع

ہے گرچہ ہند میں ایجاد یک زماں نوروز — کیا ہے مردمِ ایراں نے ہی یہاں نوروز
ہوا ہے شیر خدا جانشیں احمد آج — اسی خوشی سے تو عالم میں ہے عیاں نوروز
حمل میں اتنا بھی وقفہ نہ کر سکے خورشید — جو شہ کے رخش سے ہوجاوے ہم عناں نوروز
زبس کہ طے زماں اس کے ہے قدم کے تلے — کہاں وہ رخش سبک سیر اور کہاں نوروز

نہ پاویں گرد بھی اس کی کہیں زمانے میں　　پھریں اگر بہ تجسس ئہ آسماں نوروز
بیاں تو آہن شمشیر کا میں کرتا لیک　　یہ ڈر ہے ہو نہ مری سوٹی[3] زباں نوروز
جو پھینک دیجیے سبزے میں اس کو چھپ جاوے　　ہے آب جو جو چمک کر کے ہو عیاں نوروز
برش پھر آب میں ایسی کہ پائے وہم اگر　　پڑے ٹک پہ تو ہو اس سے خوں رواں نوروز
بیان فیل سواری بھی چاہیے جس کی　　کرے ہے رنگ کے مستک کو گلستاں نوروز
قطار بیضہ لڑانے پہ اس کے دونوں دانت　　تھے مستعد جو نہ آجائے درمیاں نوروز
تو ایک ایک سے ٹکرا کے پھر یہ صورت ہو　　کہ ناظروں کو سروتے کا ہو گماں نوروز
دعاے شاہ پڑھ اب اور دم غنیمت جان　　کہ مصحفی تو کہاں اور پھر کہاں نوروز
الٰہی جب تئیں بزم جہان فانی میں　　ہوا کرے سبب رزق کاتباں نوروز

دعا یہ ہے کہ تو ہو بادشاہ ہفت اقلیم
ہر ایک روز سے ہو تیرے تو اماں نوروز

✡✡✡

50۔ در مدح سلیمان شکوہ

کون ہوں۔ میں خدایگان سخن ہے مرے حکم میں جہان سخن
آفتاب زمیں ہوں میں لیکن مجھ سے روشن ہے آسمان سخن
سخت کش ہوں میں وہ کہ سحباں سے نہیں کھنچتی مری کمان سخن
طائر فکر میرا رکھتا ہے شاخ سدرہ پہ آشیان سخن
ہے مرے ناخنوں میں نبض قلم نہیں مجھ سا مزاج دان سخن
میرے خامے نے پیش قدمی کی رہ گئے پیچھے ہمرہانِ[1] سخن
ہے غزل میری گرچہ سحر حلال پر قصیدے سے دیکھ شان سخن
کیوں کہ ہیں اس مقام میں بہ سجود اہل معنی بر آستان سخن
ہیں زمانے میں میرے وہ شاعر جن پہ پڑتا نہیں گمان سخن
دیکھ کر رتبۂ سخن کو مرے سجدہ کرتے ہیں سرکشانِ سخن
گر نہ برسے سحابِ خامہ مرا باغ معنی میں ہو خزانِ سخن
میرے نامے کی ہے سواد و بیاض زلف و رخسار مہ و شانِ سخن
وزدِ معنی کے واسطے شب و روز ہے مرا خامہ پاسبانِ سخن

جھوٹ کرتا نہیں میں اتنا لاف — اس کو سمجھیں ہیں آگہان سخن
کہ مدیح شہ زماں کے طفیل [2] — اب مری اور ہی ہے شان سخن
وہ سلیماں شکوہ عیسیٰ دم — جس سے ہیں زندہ مردگان سخن
عہد میں اس کے کی فلک نے بلند — اپنے رتبے سے نردبان سخن
حق نے پیدا کیا ہے اس کے تئیں — صاحب فہم و قدر دان سخن
گر لکھوں اس کی تیغ عدل کا وصف — نے میں پڑ جائے خط میان سخن
اس کے گھوڑے کی سرعتِ رفتار — کہیں لکھیں جو ناظمان سخن
حرف کاغذ کو لے کے اڑ جاویں — آں سوے اوج لامکان سخن
مدح حاضر میں وہ پڑھوں مطلع — ہووے جو فخر دودمان سخن

مطلع

اب کہ ہے نطق تیری جان سخن — تو ہو دنیا ہو اور بیان سخن
نفس مشک بو کی [3] تیرے نسیم — تازہ رکھتی ہے گلستان سخن
سعدی و انوری و فردوسی — ہیں ترے ریزہ چین خوان سخن
وقت تقریر نظم و شعر ترا — منہ تکیں ہیں مصاحبان سخن
واسطے تیرے عرش اعظم سے — روح لاتا ہے ارمغان سخن
نسخہ بخش جریر و اخطل ہیں — وہ جو ہیں تیرے خادمان سخن
خسروا یہ جو مصحفی ہے ترا — از دیار بلاکشان سخن
یاں سے پھیرے ہے اس کا توسن طبع — خاتمے کی طرف عنان سخن
یہ دعا ہے کہ لوح ہستی پر — تا رہے جاوداں نشان سخن
تا ہو منظور عید قرباں کو — اہل معنی کا امتحان سخن

ہوویں قرباں ترے سخن پہ جو ہیں
فن شعر سخن میں آن سخن

51۔ در مدح صاحب عالم قصیدۂ ناتمام

خطائے خصم نہیں کچھ، یہ بخت کا ہے قصور — کہ مجھ سے طور نخستیں نہیں مزاج حضور
وہی ہوں میں کہ اوائل میں سر ہلاتے تھے — ہر ایک مصرع رنگیں پہ جس کے اہل شعور
وہی ہوں میں کہ جسے فیضی زماں انشا — سمجھ کے دل میں نہ لاتا تھا کچھ خیال غرور
وہی ہوں میں کہ جسے خانہ زاد خاں صاحب — لکھیں ہیں نثر میں اپنی کلیم طور شعور
وہی ہوں میں جسے رنگیں نے اپنا سب دیواں — دکھا کے تا بتمامی کیا ہے رفع خطور
وہی ہوں میں کہ حسن شاد شاد جس سے ملا — کسی سے غیر ستایش نہ کچھ کیا مذکور
وہی ہوں میں کہ جسے میر سوز سلمہ — کرے ہے یاد بہ لفظ ستایش موفور
وہی ہوں میں کہ جسے میرِ مفخر الشعرا — کہے ہے ہاں جو کچھ آجائے ہے کبھی مذکور
وہی ہوں میں جسے مرزا قتیل سحر بیاں — کرے تھا طرح پر اپنی بہ دوستی مامور
وہی ہوں میں جسے سنت نے بے کھسر جانا — اگر چہ تھا وہ نہایت بہ شاعری مغرور
وہی ہوں میں جسے دیوانہ سرپ سکھ نام — لگے تھا سر کو جھکائے میان راہ زدور [1]
وہی ہوں میں جسے فاخر نے بعد رد و بدل — کہا کہ پیجیے حقا میانہ جمہور

وہی میں جسے جرأت بھی خوب جانے ہے ۔۔۔ کہ فن ریختہ میں بھی ہے یہ بڑا پر زور
وہی ہوں میں کہ رہا جس کی نظم دلکش پر ۔۔۔ مشاعروں میں ہمیشہ سے شور روزِ نشور
پر اب سخن میں مرے شاید آگئی سردی ۔۔۔ کہ ان کی شورش تحسین ہوگئی کافور
عجب معاش ہے ان دوستان یک دل کی ۔۔۔ اس اتحاد پہ یہ کچھ بھرے ہیں دل میں فتور
زیادہ فائدہ کیا اس کلام سے تجھ کو ۔۔۔ ثنائے شاہ سلیماں کر اے فلاں مسطور

زہے جواد کہ دست گہر فشاں جس کا
کرے ہے کاسۂ سائل کو خوشۂ انگور

❁❁❁

52۔ قصیدہ در مدح سلیمان شکوہ[1]

قسم بذات خدائے کہ ہے سمیع و بصیر کہ مجھ سے حضرت شہ میں ہوئی نہیں تقصیر[2]
سوائے اس کے کہ حال اپنا کچھ کیا تھا میں عرض دلے بطور شکایت تھی اندکے تقریر
گر اس سے خاطر اقدس پہ کچھ غبار[3] آیا اور اس گنہ سے ہوا بندہ واجب التعزیر
سو وہ بھی ہو چکی یعنی بصورت ابداع[4] گلی گلی تو ہوئی سارے شہر میں تشہیر
عوض روپوں کے ملیں مجھ کو گالیاں لاکھوں عوض دوشالے کے خلعت بہ شکل نقش حریر[5]
سلف میں تھا کوئی شاعر نواز ایسا کب جو ہے تو شاہ سلیماں شکوہ عرش سریر
مزاج میں یہ صفا ہے کہ کر لیا باور کسی کے حق میں کسی نے جو[6] کچھ کیا تقریر
مصاحب ایسے کہ گر کچھ کسی سے لغزش ہو تو اس کی رفع کی ہرگز نہ کر سکیں تدبیر
وگر کریں تو پھر ایسے کہ نار طیش و غضب مزاج شاہ میں ہو مشتعل بصد تشویر
سو تاب ذرہ کہاں، نور آفتاب کہاں کہاں وہ سطوت شاہی کہاں غرور[7] فقیر
مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہیے کہاں دبیقی و دیبا، کہاں پلاس و حصیر

میں اک فقیر غریب الوطن مسافر نام
رہے ہے آٹھ پہر جس کو قوت کی تدبیر

مرا دہن ہے کہ مدح حضور اقدس کو
الٹ کے پھیر[8] یہ حرف ذمیمہ دوں تفسیر

یہ افترا ہے بنایا ہوا سب انشآ کا
کہ بزم ورزم میں ہے پائے تخت کا وہ مشیر

مزاج شاہ ہو یوں منحرف تو مجھ کو بھی
یہ چاہیے کہ کروں شکوہ اس کا پیش وزیر

وگر[9] وزیر بھی بولے نہ کچھ خدا لگتی
تو جاؤں پیش محمد کہ ہے بشیر و نذیر

شفیع روز جزا بادشاہ او ادنیٰ[10]
نکردہ جرم پہ جس نے لکھی نہیں تعزیر

کہوں یہ اس سے کہ اے جرم بخش پُر گنہاں
تری غلامی میں آیا ہے داد خواہ فقیر

خطا ہو میری جو پہلے تو کر اسیر مجھے
وگر عدو کی، پنہا اس کو طوق اور زنجیر

اگر چہ بازی انشاے بے حمیت کو
رہا خموش، سمجھ کر میں بازی تقدیر

ولے غضب ہے بڑا یہ کہ اب وہ چاہے ہے
خیال میں بھی نہ کھینچوں میں ہجو کی تصویر

سو میں ملک نہیں ایسا بشر ہوں تا کے و چند
کہے سے اس کے کروں گا نہ ماجرا تحریر

کیا میں فرض کہ میں آپ اس سے درگزرا
پھرے گا مجھ سے کوئی گرم و منتظر کا ضمیر

اور[11] اس پہ بھی جو کیا میں نے بار بار منع
تو ہو سکے ہے کوئی ان کی وضع کی تغیر[12]

ہزار شہدوں میں بیٹھیں، ہزار جا پہ ملیں
پھریں ہمیشہ لیے ساتھ اپنے جمع کثیر

نہ مانیں تیغ سیاست، نہ قہر سلطانی
نہ سمجھیں قتل کا ایما[13] نہ ضربت شمشیر

مزاج ان کو ٹھٹھول اس قدر پڑا ہے کہ وہ[14]
ہنسی سمجھتے ہیں اس بات کو نہ جرم کبیر

پھر اس پہ یہ بھی ہے یعنی کہ اس مقام کے بیچ
جو ہووے منشی تو کچھ نثر میں کرے تسطیر

ظریف جن کو کیا[15] ہو خدا نے موزوں طبع
اور اپنے فضل سے بخشی ہو شعر میں توقیر

یہ کوئی بات ہے سو ان کے وہ خموش رہیں
ہوا ہے مصلحتاً گو کہ تصفیہ یہ اخیر

مگر یہ بات میں مانی کہ سانگ کا بانی
اگر میں ہوں تو مجھے دیجے بد تریں تعزیر

میں آپ فاقہ کش، اتنا کہاں [16] مجھے مقدر　　　کہ فکر اور کروں کچھ بغیر آش شعیر
مرے حواس پریشاں، بہ ایں پریشانی　　　کہ [17] جیسے لشکر بشکستہ کی خراب بھیر
گر اس پہ صلح کی ٹھہری رہے تو صلح سہی　　　وگر ہو پھیر شرارت، بشر ہوں میں بھی شریر
جواب ایک یاں دس ہیں اور دس کے سو　　　نگاہ کرنی [18] تھی اول بہ ایں قلیل و کثیر
حصول یہ ہے کہ جب کوتوال تک قضیہ　　　گیا ہو از پئے تہدید شاعرانِ شریر
تو کوتوال ہی بس ان سے اب سمجھ لے گا　　　یہ دمبدم کی شکایت کی ہے عبث تحریر
یہ وہ مثل ہے کہ جس طرح سارے شہر کے بیچ　　　بلند قامتی اپنی سے متہم ہو بعیر
سو متہم مجھے ناداں نے ہجو شہ سے کیا　　　قباحت اس کی جو سمجھے شہ اس کو دے تعزیر
ولے مزاج مقدس جو لا ابالی ہے　　　نہیں خیال میں آتا خیال حرف حقیر
جو کچھ ہوا سو ہوا مصحفی بس اب چپ رہ　　　زیادہ کر نہ صداقت کا ماجرا تحریر

خدا پہ چھوڑ دے اس بات کو وہ مالک ہے
کرے جو چاہے، جو چاہا کیا بحکم قدیر

✿✿✿

53۔ در مدح آصف الدولہ

عجب طرح کا زمانے کا ہے یہ لیل و نہار
کہ روز روشن اب آنکھوں میں اپنی ہے شب تار

ستارے دن کو نظر آتے ہیں فلک[1] پہ تمام
زبس قساوت قلبی کا ہے بلند غبار

سیاہی چھا گئی ہے اس قدر زمانے میں
کہ آفتاب کا جلوہ ہے اب بقدر شرار

نہ دوستی ہے نہ شفقت، نہ رحم، نے انصاف
غرض کہ بغض و جہالت کا گرم ہے بازار

ہنسے نہ کیوں کہ بھلا مجھ پہ چرخ بسعت باز
بنا کے خصم جو گڈا مرا کرے تیار

خرس[2] ہو کوہ میں وقتے کہ بوعلی سینا
تو کیوں نہ ریچھ نچاوے یہ گنبد دوار

دمے کہ ڈگڈگی ہو مہر و مہ کی سر جنباں
نچاوے بوزنہ پھر کیوں نہ چرخ بوزنہ[4] کار

کروں بہ شعر غزل میں تو ہجو حاسد
وہ میری ہجو کرے اس طرح سر بازار

سلف میں بھی تو مہاجا بہم ہوئے ہیں بہت
پر اس طرح کی نہیں آئی درمیاں تکرار

ہمیشہ حضرت سعدی و مجد ہمگر میں
رہی ہے جنگ سخن پر بصورت اشعار

کوئی زمانے میں اتنا نہیں کہ تجھ سے کہے
فضیحتی ہے یہ کیا اے سپہر بد کردار

میں مدح سنج نبی و علی ہوں لاشک و ریب
سلوک ساتھ مرے یہ کرے تو استغفار

وگر جواب دہی کا ادھر سے ساماں ہو
تو یہ ڈرائے[5] کہ ہے شاہزادے کا دربار

غرض کہ میں ہی ترا ہر طرح سے ملزم ہوں
مرا ہی تجھ کو خوش آیا ہے ان دنوں آزار

خوشی ہے یوں ہی جو تیری تو لے خموش رہا
بطور شکوہ بھی لیکن نہ کچھ کروں اظہار

پھر ایسے شخص کے آگے کہ جس کا شحنۂ[6] عدل
جو چاہے پل میں کرے لاکھ شعبدے تیار

وزیر اعظم نواب آصف الدولہ
سپہر رفعت و دریا نوال و کوہ وقار

کرے وہ کوہ سے رائی تو رائی سے پربت
کرے وہ مہر کو ذرہ تو روز کو شب تار

جو آوے سامنے اس کے فقیر ہووے غنی
جو پہنچے در تلک اس کے پیادہ ہووے سوار

کرے وہ ذرۂ ناچیز کی حمایت اگر
تو آفتاب سے وہ ہمسری کو ہو تیار

تو خار و گل کو بہم ہو مجادلہ گا ہے
تو گل کو گل کی جگہ رکھے خار کو بر خار

تمیز نیک و بد شعر ہے اسے یاں تک
کہ خود وہ سمجھے ہے معنی شعر پہلو دار

لڑائے شیر سے بز کو گر اس کو دے پر چک
کٹائے موش سے گربہ کو گر کرے اشعار

ہوا میں اس کو ہو پھر اس سے جانبری مشکل
جو دیوے صعوہ کو تک صید باز پر سنکار

کمک کو اس کی اگر اس کا دبدبہ پہنچے
بہ ایں شکوہ کرے فیل مورچہ سے فرار

اگر ہو قلزم لطف اس کا حامی قطرہ
ثبات سد سکندر کو اس سے ہو دشوار

خیال مطلع ثانی پہ اس گھڑی ہے مرا
کہ کر کے اپنے مطالب سے ترک استظہار[7]

پڑھوں حضور میں اب مطلع بلند ایسا
کہ آفتاب کو ہو جس سے جاں[8] بری دشوار

مطلع

جہاں کہ ہے ترا سوہان عدل بر سرکار
ہے راستی پہ وہاں دور چرخ ناہموار

تری پناہ میں آیا جو یاں عجب کیا ہے
کہ روز حشر ملے اس کو سایہ دیوار

اگر رہائی جاوید کا تو فرماں دے
رہے نہ ماہ گرفتار نیلگو نہ حصار

شجاعت اور شہامت تری رقم کیجے
تو کار تیغ کرے خامہ، ہو بناں پہ سوار

جہاں دھرے تو جبیں مہ ہو سجدہ گاہ وہاں　　جہاں دھرے تو کفِ پا ملک دھرے رخسار
ترے غرور سے ہے منکسر غرورِ فلک　　کہ ہے تو سرشکنِ اہلِ نخوت و پندار
ہیں تیرے واسطے دست دعا اٹھائے ہنوز　　یہ باغِ دہر میں چھوٹے بڑے جو ہیں اشجار
تو منع گردشِ دورِ فلک کرے تو ابھی[9]　　زمانہ[10] سے جائے عدم کو قفائے لیل و نہار
وگر اشارہ ترا پھر ہو بہر رقاصی　　خلا میں آئیں نظر صد دوائر پر کار
میان سے جو ترا اژدہاے تیغ اچھلے　　تو ہو اسد کے تئیں اس سے جانبری دشوار
میں کیا کہوں پر و پشہ کی اس کے رعنائی　　کہ جیسے دام بریشم ہو بر سر جو بار
ثنا میں اس کی وہ مطلع کرے ہے خامہ رقم　　کہ جس کے سنتے ہیں ہووے عدو کا سینہ فگار

مطلع

میان[11] سیں جو رہے ہے وہ اژدرِ بن غار　　چڑھے جو چرخ کے اوپر تو ابر آتشبار
برش سے اس کی ہے پولاد ترس کو ہیبت　　چمک سے اس کی ہے بجلی کو رعشہ زنہار
پرکھنے والے جو لوہے کے ہیں یہ کہتے ہیں　　کہ ہم نے دیکھی نہیں ایسی آج تک تلوار
بیان تیر کروں کیا کہ میر مظہر علی　　سمجھتے تھے ترے بازو کا زور کند و گزار
یہی سبب تو ہوا جس سے مرغِ روح ان کا　　ترے حضور میں آخر کو کر گیا شنقار
ہوئی جو لیث تری غرق کوہ خارا میں　　تو جستجو سے لگا ہاتھ پھر سر سوفار
یہ مصحفی جو ترا مدح گوے غائب ہے　　اب اس جناب میں کرتا ہے اس قدر اظہار
کہ اپنی داد کو پہنچے یہ داد خواہ اگر　　تو سمجھے یہ کہ ملے لاکھ صرۂ دینار
دعاے شکر یہ تا منہ سے اس کے یہ نکلے　　پس از اداے ثنا و تتمۂ اشعار

رہے تو صدر وزارت پہ تا قیامِ جہاں
بحقِ احمدِ مختار و حیدرِ کرار

54۔ در مدح خیالی رام

نگاہ کر کہ بوقت غروب بر سر شام　　　کرے ہے تیرہ رخ مہر گردش ایام
کسی کو ہووے اگر درد سر یبوست سے　　　تو آب چشم سے دے اس کو روغن بادام
شراب سرخ کا خواہاں ہو گر کوئی میکش　　　تو پہلے خون جگر سے بھرے یہ اس کا جام
کچھ انقلاب سے اس کے عجب نہ جان[1] جو یہ　　　گدا کو شاہ کرے، شاہ کو گدا کا غلام
کیا ہے اس نے گلستاں میں حلق گل کو حلال　　　رہے ہے دیدۂ نرگس کا اس سے خواب حرام
بنا کے چھوڑ گیا آئینے کو اسکندر　　　ملی نہ جم کے تئیں یاں سے غیر حسرت جام
کسی نے یاں نہ پیا بے ملال ساغر عیش　　　غرض یہ میکدہ ہے جائے محنت و آلام
ہمیشہ یاں متردد ہیں ذرہ تا خورشید　　　ہمیشہ برسر خصمی ہے چرخ نیلی فام
اسی طرح ہے یہ عاصی بھی خوار و سرگرداں　　　نہ دن کو چین ہے مطلق نہ رات کو آرام
صلاح کار نہیں اور کچھ نظر آتی　　　سوائے اس کے کہ وصف اس کے کچھ کرے ارقام
وہ کون؟ یعنی کہ بحر عطا و کان سخا　　　یگانۂ دو جہاں لالہ خیالی رام
شگفتہ رو و نکو خلق و با مروت و جود　　　گل بہار طرب مرجع خواص و عوام

به خلق باد بہاری ، به جود بحر عطا　　به دست حاتم طائی ، به چہره ماه تمام
جو بندگی میں کوئی اس کی آ کے حاضر ہو　　کرے وہ اس پہ بہت سی نوازش و اکرام
بیاں کروں جو میں گھوڑے کی تیرے رہواری　　تو دو قدم کے سوا ہو نہ عرصۂ ایام
سریع تس پہ ہے اتنا کہ وقت سرپٹ کے　　جو دونوں ہاتھ سے اس کی نہ تھام لے تو لجام
تو یوں وہ دائرۂ چرخ سے نکل جاوے　　کہ جیسے حلقۂ دور کماں سے تند سہام
قلم ثنا ترے ہاتھی کی گر لکھے تو ابھی　　شہاب نیزہ اٹھا لیوے اور کماں بہرام
اگر چہ سیل ہے چالش میں پر ہے کوہ بقدر　　اگر چہ کوہ ہے صورت میں پر کبک خرام
شبیہ لکھے جو خرطوم اور دنداں کی　　تو ایک جا نظر آویں دو صبح اور اک شام
سوار ہووے تو اس پہ تو تیری صورت دیکھ　　نہ آوے شرم سے پھر آفتاب بر سر بام
سخن کو طول نہ دے مصحفی کہ عالم میں　　پسند خاطر ہر یک ہے اختصار کلام
تمام یاں سے مقاصد ترے بر آویں گے　　دعائے دولت و حشمت پہ کر قصیدہ تمام
الٰہی جب تئیں ہے آسمان[2] کو گردش　　الٰہی جب تئیں ہے دور مہر و مہ کو قیام

خدا کرے تری حشمت زیادہ ہو ہر روز
چلے جلو میں ترے نت یہ ابلق ایام

۞۞۞

55۔ در مدح خیالی رام

رنگِ طرب ہو کیوں نہ رخِ گل سے آشکار
موسم کی ابتدا ہے یہ اور آمدِ بہار

سبزہ ذرا ذرا سا جو نکلا ہے خام سے
سطحِ زمیں ہے صورتِ کیمخت دانہ دار

ہے گیندۂ کلاں کا یہ عالم کہ آفتاب
کرتا ہے اس پہ ہر سحر اٹھ طشت زر نثار

سوچے ہے لاغری میں مسیح الزماں گل
رکھ کر بہ زیر ناخن سابہ نبض خار

کرتا ہے خاک خشک کو نم ابر آذری
ہے فکر دانہ کاری میں دہقان روزگار

بہرِ نظارہ خونِ شہیدان عشق کو
لاتا ہے کھینچ سوے چمن شوق لالہ زار

انگور و مسکہ بس کہ ہے اس میں لدا ہوا
ہے دار بست روکش چرخ ستارہ دار

غنچے زبس کہ گوشوں کے مانند سرخ ہیں
شاخ کمان سبز ہے ہر گل کی شاخسار

ساغر پرست کیوں نہ ہزارا ہو باغ میں
لاوے سبو کو دوش پہ جب رکھ[1] کے کوکنار

اک دانہ ڈھونڈیے اگر اس میں تو اب نہیں
ازبس غریب کش پہ ہوئی ہے غریب مار

ہیں بادلے منڈھے[2] ہوئے چھوٹے بڑے درخت
یا باغ میں کیا شب مہتاب نے گزار

سرو سہی سے نکلے ہے مستوں کی اک روش
ساغر نخوردہ دیدۂ نرگس ہے پر خمار

از بس سپید و سرخ کا اس پر گمان ہے　مصروف خاک شوی گلشن ہے آبشار
حیران کارخانہ صنع خدا رہا　اول تو دیکھ کر میں یہ تیاری بہار
پھر باغبان طبع سے پوچھا اسی گھڑی　کاے نخل بند گلشن مضمون آبدار
کس کا ہے باغ سیر کو یاں کون آوے گا　جو جلوہ گر ہے دیدۂ نرگس سے انتظار
یوں بول اٹھا بہار گل گلشن طرب　یعنی خیالی رام چمن ساز روزگار
ابر سخاوت اس کا جہاں ہووے قطرہ زن　پیدا ہو شاخ بید سے واں گل بجائے خار
جولانی اس کے جود کی میداں میں دیکھیے　حاتم ہے اس کا غاشیہ کش، وہ سوار کار
دیکھا نہ میں نے آج تک ایسا کوئی سخی　پیش از قصیدہ دیوے صلہ، کس کا ہے شعار
دانش میں باب علم ہے، تمکیں میں کوہ حلم　بخشش میں بحر جود ہے رفعت میں کوہسار
اخلاق ہیں سلف کے تمام اس کی ذات میں　دیکھا نہ عمر کم میں کوئی اتنا ذی وقار
آتا ہے جی میں یوں کہوں مدحیہ اک غزل　ہو جس سے تیرا حسن وجاہت بھی آشکار

غزل

حیراں ہے رنگ رخ کی ترے خوبی بہار　نرگس نے تیری آنکھ سے لی ہے حیا ادھار
پنجے سے تیرے پنجہ مرجاں ہے غرق خوں　ساعد سے تیرے ساعد حورا ہے شرمسار
ان بھیگتی مسوں کا یہ عالم ہے جیسے ہو　نورستہ سبزہ بر لب سیراب جویبار
سینے کا سطح صفحہ سادہ تو گرچہ ہے　پر اس طرف ہیں اس کے قلکاریاں ہزار
عالم ہے سادگی کا تری آفتاب سا　نہ جعد مشک فام و نہ گیسوے تابدار
کس واسطے کہ بہر زناں ہے کمند مو　یاں وہ کمند ہے کہ کرے شیر کو شکار
اب یاں سے فکر مطلع حاضر پہ طبع کو　لاتی ہے تا بیان شجاعت ہو بار بار

مطلع

سو بار تیرے ہاتھ سے رستم ہوا فگار — خالی پڑا نہ ایک بھی تیغے کا تیرے وار
پہنچے خبر گر اس کو تری برق تیغ کی — دشمن کا تیرے مردہ لحد میں کرے بخار
کس منہ سے اب سروہی کو تیری سراہیے — مالا ہو جس کی دم میں عدو کے گلے کا ہار
گر امتحاناً اپنا تو پنجہ علم کرے — دوں ہی حواس خمسۂ رستم کریں فرار
تو آوے تیغ کھینچ کے میدان میں تو ہو — ہیبت سے تیری دست فرابرز رعشہ دار
فرق عدو پہ زخم تری تیغ تیز کا — جوں زخم طعنہ ہے دل عاشق پہ ناگوار
آتا ہے جی میں لکھیے تر باد پا کا وصف — وہ باد پا کہ جوں دل عاشق ہے بے قرار
گھوڑا کہوں کہ اس کو پری یا پری نژاد — جعد پری پہ بال کو ہے جس کے افتخار
پٹھوں پہ اس کے کرتے ہیں پھر پھر کے رات دن — خورشید و ماہ طشت زر و سیم کو نثار
گرمی سے جست و خیز میں شکل شرار و برق — لیکن بوقت نرمی رفتار ، آبشار
سرعت کا کیا بیاں کروں اس کی جو مثل وہم — بل مارنے میں چشم کے ہووے فلک سے پار
ازبس کہ ہے زمین چڑھا وہ جہاں نورد — زیر سم اس کے مرکز خاکی کا ہے مدار
چو بندی کا ہے اس کی یہ عالم کہ تو کہے — اک آسماں پہ چار مہ نو ہیں آشکار
ٹوٹے نہ اس کے سم کا تلے کاسۂ حباب — دریا پہ گر کبھی وہ سبک رو کرے گزار
در دشت خشک ریگ میں مثل صبا چلے — با وصف نقش پا نہ زمیں سے اٹھے غبار
پھر اس کی گنڈی پٹی کا عالم میں کیا کہوں — دے باج جس کو ساز عروسی کا سب سنگار
بعد اس کے قلغی طرے کی ماتھے پہ وہ چمک — پہنچے نہ جس کو جلوۂ طاؤس تاجدار
وقت غروب لیمہ مہر اس کو شرق سے — پھینکے بہ سوے غرب جو سرپٹ کبھی سوار
مہر اس جگہ سے بڑھنے نہ پاوے کہ مثل برق — اس عرصے میں ہی اس کی شد آمد ہو لاکھ بار

اب ہے خیال خامہ کہ ہاتھی کی وصف بھی گھوڑے کی قسم سے ہو بہ تفصیل روبکار

مطلع

دانتوں سے تیرے فیل کے کیا صبح ہو دو چار خرطوم سے ہو جس کی خجل شام کی بہار
پیل فلک کے سر کو ہے ٹکر سے اس کی بیم ٹھوکر سے اس کی مانگے ہے البرز زینہار
ہے سونڈ دست قدرت خالق کی آستین گوے فلک کو چاہے تو دیوے ابھی فشار
پھر بھی جو میں نے وصف میں دانتوں کے غور کی بے ساختہ ہوئی ہے یہ تشبیہ روبکار
گج کی فتوحی بر میں ہے دیو سپید کے بے آستینی سے یہ دو ساعد ہیں آشکار
گنیش کی ہے شکل ، کنہیا کا سا برن چہرہ پری گجک سے سر اس کا اتاقہ دار
دیکھا یہ اس کی پشت پہ ہودے کا زرق برق جوں دوش شب پہ چہ بچہ نور ہو سوار
تو اس میں جا کے بیٹھے تو اس وقت سب پہ ہوں معنی لفظ ''نورٌ علیٰ نور'' آشکار
خیلے قصیدہ طول کھنچا اب تو مصحفی دے بر دعا تو چہرہ صفت حسن اختصار
یا رب ہے جب تلک کہ فلک چہرہ ساز صنع جب تک دو رنگ ہے ورق لیل اور نہار
یا رب ہے جب تلک کہ رگ گل کے ہاتھ میں جز بندی کتاب گلستان نوبہار
میری یہی دعا ہے تو باغ جہاں کے بیچ [3]
سر سبز ہووے اور رہے دشمن ذلیل و خوار

۞۞۞

56۔ در مدح خیالی رام

ہے لعل اشک کا جو مرے سنگ رنگ ڈھنگ　　　رکھتا ہے کب وہ ہر گل اور رنگ رنگ ڈھنگ
اللہ رے تیرے حسن کی تصویر کا ورق　　　لے وام جس سے قطعۂ ارژنگ رنگ ڈھنگ
کیا لعل لب سے تیرے گمیدک کو تولیے　　　دیبا کہاں رکھے ہے یہ بے ڈھنگ رنگ ڈھنگ
نٹ بدیا کا کھیل ہے آنسو کو میرے یاد　　　رکھتی ہے طرفہ اس کی کلاژنگ رنگ ڈھنگ
آئینہ یک طرف کہ غبار کساد سے　　　خورشید کا ہے یاں بہ تہ زنگ رنگ ڈھنگ
پکھراج دیکھ کر ترے بکے کا رہ گیا　　　یاقوت زرد مہر کا چت بھنگ رنگ ڈھنگ
چہرے میں تیرے صرف کیا اس نے یک قلم　　　جو کچھ رکھے تھا خامہ نیرنگ رنگ ڈھنگ
ہے آگے لعل [1]لب کے ترے لعل یوں ملیں　　　جوں تانبڑے کا ہووے ہے بدرنگ رنگ ڈھنگ
خوں ریزیاں ہیں جوں تری تیکھی نگاہ میں　　　رکھتا ہے کب وہ غمزۂ سرہنگ رنگ ڈھنگ
کس جوہری کے خون میں ڈوبا ہے تیرا پاؤں　　　سیر اس کا ہے جو تا بہ شتالنگ رنگ ڈھنگ
کیوں تولوں مہر کو تری میزان حسن میں　　　جس کا نہ ہو برابر پاسنگ رنگ ڈھنگ
تصویر زلف دیکھ کے مانی نے یوں کہا　　　سب چین کا رکھے ہے یہ [2]نیرنگ رنگ ڈھنگ

نالے کا میرے ہے جگری رنگ ان دنوں　　پاوے کہاں یہ مرغ خوش آہنگ رنگ ڈھنگ
فندق کا تیرے پاؤں کی جس دم کھلا چمن　　یاقوت کا گیا کئی فرسنگ رنگ ڈھنگ
ہر رنگ میں زبر جد نہ آسمان کو　　کرتا ہے نونگے کا ترے ونگ رنگ ڈھنگ
سبزے کی[3] تیرے کان کے دیکھے جو کیفیت　　پانی میں اپنا دیوے بہا بنگ رنگ ڈھنگ
ساعد اسی کی ہاتھ میں میرے قلم کے ہے　　کنگن کا جس کے رکھے ہے کب کنگ رنگ ڈھنگ
مژگاں پہ یوں ہیں لخت جگر جیسے لعل کا　　پرکھے مقیم رکھ[4] کے سرچنگ رنگ ڈھنگ
غافل ہے تیرے روے مخطط سے جوہری　　اس آرسی کا ہے بتہ زنگ رنگ ڈھنگ
اے خامہ وصف کر رقم اس شہسوار کا　　رکھتا ہے جس کا نیلہ وسرچنگ رنگ ڈھنگ
یعنی محیط جود و سخاوت خیالی رام　　بخشش کا جس کے ہاتھ کی ہے ننگ رنگ ڈھنگ
گر آفتاب راہ سے اس کی نہ ہو دوچار　　پاوے نہ لعل در جگر سنگ رنگ ڈھنگ
قوس قزح کے بیچ وہ رنگینیاں کہاں　　اس رخش کا رکھے ہے جو کچھ تنگ رنگ ڈھنگ
دیکھی نہ برگ گل میں لطافت یہ اب تلک　　جیسا ہے اس کی جلد کا خوش رنگ رنگ ڈھنگ
ہوتا ہے جب وہ تیغ تو کرتا ہے خصم کو　　نعلوں کا اس کی ٹاپوں کے چورنگ رنگ ڈھنگ
جی چاہتا ہے یوں کہ میں اس دم بیاں کروں　　ہاتھی کا بھی ترے بہ ہمیں رنگ رنگ ڈھنگ
پلے میں جس کے رنگ سیہ کے نہ تل سکے　　نیلم کے کوہ کا بھی بہ پاسنگ رنگ ڈھنگ
مستک یہ اس کی ہے جو کئی رنگ کی بہار　　رکھتا نہیں یہ چہرۂ ارژنگ رنگ ڈھنگ
نیلم ہے گرچہ آپ وہ پیل فلک شکوہ　　الماس کا ہے دانتوں میں پرسنگ رنگ ڈھنگ
دیتے ہیں توڑ سد سکندر کو بیخ سے　　دکھلاتے ہیں جب اپنا گہ جنگ رنگ ڈھنگ
ہودا[5] زبس کہ اس پہ جواہر نگار ہے　　چمکے ہے اس کا سیکڑوں فرسنگ رنگ ڈھنگ
پھر جھول پر ہے کام زبس بند روم کا　　رکھے ہے جوں مرقع خوش رنگ رنگ ڈھنگ

ختم قصیدہ چاہیے ہو جلد مصحفی ہے قامت تلاش پہ اب تنگ رنگ ڈھنگ

یارب[6] کہ جب تلک ہے جواہر رقم قلم اور جوہر سخن کا ہے سوانگ رنگ ڈھنگ

دن رات گھر ترا رہے دوکان جوہری

زہرہ دکھاوے اپنا بسا رنگ رنگ ڈھنگ

57۔ در مدح خیالی رام

غمزہ سفاک ، فتنہ گر چتون		تس پہ آفت ادائے چشم زدن
مہ کو تلووں سے تیرے کیا نسبت		اس پر ان کا پڑا نہیں دھوون
خط نے یوں رخ کو اس کے گھیر لیا		چاند کو جوں لگے ہے چاند گہن
عالم حسن اس کا ہے وہ بلا		دیکھ جس کو پری ہو بیراگن
آتش دل پہ میرے اے گریہ		تو تو چھڑکے ہے اور بھی روغن
کف حورا میں ہے تری تصویر		رقعۂ نقش تل بہ دستِ دمن
غور سے دیکھیے تو غار جہاں		چاہ رستم ہے یا چہ بیزن
ہر کوئی آسماں سے نالاں ہے		دہر گویا ہے مجلس شیوان
صید ماہی جو ہے وہ دھیور کا		لیے پھرتا ہے ہاتھ ہی میں ڈگن
سینہ کوبی کی مشق کر کر کے		سینہ میں نے بنا دیا اہرن
عقدۂ [1] عشق حل نہیں ہوتا		گرچہ کرتے ہیں مدتوں سے مِتھن
تیرے موئے کمر کی دید کے بیچ		رکھتی ہے مو بہ چشم چشم زغن

کلک آتش زباں و بناں میں مرے یوں ہے جوں پنجرے میں ہووے اگن[2]
زلف و رخسار کو ترے اے ماہ باج دیتا ہے چین اور یمن
نہیں ہرگز سہیل کا محتاج رنگ اور بو میں اس کا سیب ذقن
تیرے کوچے میں ہر قدم پر ہے طور سینا و وادیٔ ایمن
تیرے ہونٹوں کی یاد میں برسوں خوں میں لوٹا کیے ہیں لعلِ یمن
اس کی آنکھوں کی دل فریبی دیکھ صدقے ہو ہو کے مر گئے کھنجن[3]
کیا مضافات ہند سے مجھے کام کوئی منگلور لیوے یا دہین
نہ میں عامل نہ صوبہ دار ولا طل و سائر ہے کچھ نہ میرا فن
نہ میں داروغگی ہی کا خواہاں نہ مجھے مشرفی کا یاد چلن
نے خود اسپوں میں، نے چڑھیتیوں میں نہ سپندی میں وقف رنج و محن
نہ نسارت ہے کچھ مرا پیشہ نہ زراعت سے کان زر دامن
نہ دکاندار میں نہ دست فروش نہ گدا پیشہ اور نہ شاہ زمن
ہاں مگر ایک ہے یہ میری زباں ہر طرف تاجر متاع سخن
جس کی سوزش سے میری حالت دیکھ متعجب ہیں دوست اور دشمن
سو خریدار اس کا ہے نایاب اس لیے ہوں رہین بیت حزن
اور جو ہے بھی تو ہاں خیالی رام خلف الصدق رائے بال کشن
جس کے دست گہر فشاں سے ہے پُر گہر پیر چرخ کا دامن
سر و بستہ سرائے رعنائی گل شاخ زبرجدیں گلشن
کر سکے اس کی مدح کیا مقدور یاں زباں ناطقے کی ہے الکن
آفتاب سپہر حشمت و جاہ برج اقبال میں مہ روشن
دست بخشش کا اس کی ہے وہ سماں تیر مہ جوں کبھی پڑے ہے بھرن

سخت سنگیں ہیں بار حلم ترا — کیوں نہ گاو زمیں ہو بچہ فگن
ہر سحر اٹھ کرے ہے نت ڈنڈوت — تیری تصویر [4] حسن کو راون
جی میں آتا ہے یوں کہ اب یاں سے — کیجیے وصف سرعت توسن
لکھیے [5] وہ آبدار اک مطلع — مطلع ماہ جس کا ہو بیٹھن

مطلع

غش ہے طاؤس اس کی دیکھ پھبن — بایاں پاؤں اس کا پوجتی ہے پون
جائے ہے یوں ہوا میں لہراتا — چوکڑی جوں کبھی بھرے ہے ہرن
دو [6] میں ابر بہار فروردیں — تگ میں رشکِ نسیم دشتِ ختن
سم و نعل اس کا شکل بدر و ہلال — ساغری اور دم آفتاب و کرن
آنکھ شوخی میں نرگس شہلا — کان رعنائی میں گل سوسن
غرب اور شرق کو کرے دو قدم — اس کا سایہ میان چشم زدن
اس کے دانتوں کی شکل دیکھ غریب — نہیں کرتے ہیں یاد صبح وطن
جوں مہ نو وہ ایسے ہیں خم دار — ریش کرتی ہے دل کو جن کی پھبن
پیل چرخ اس سے کیوں کہ لے ٹکر — جس کا روندا ہوا ہے کجلی بن
سوئی کے ناکے سے نکل جاوے — وقت رفتار گر چرائے بدن
اس کی چوڑی کا گر وہ دیکھے سماں — دست پروین سے گر پڑے کنگن
نظر آتی ہے تختہ گلزار — جھول پر اس کی ہے جو کار چکن
عرش پر کیوں نہ پہنچے اس کا دماغ — کہکشاں جس کے ہودے کی ہو رسن
پیٹھ پر اس کی یوں ہے اس کی زیب — جوں مہ چاردہ بروے گگن
زور مستی میں آن کر وہ پیل — چھوٹ جاوے تڑا کے گر بندھن

اس کی ٹھوکر سے لرزے گاوِ زمیں   اس کی ہیبت سے بھاگے چرخ کہن
ہے سمھوں پر وہ زور میں گاڑھا   جوش مستی سے نت رہے ہے غن
کیا کہوں پھر میں تیری تیغ کا کاٹ   جس سے ہو قطع ہستیِ دشمن
اوچھی پر اگل پڑے جو کبھی   چار آئینہ کاٹے اور جوشن
خرمن عمر خصم کیوں نہ جلائے   برقِ پروردہ جس کا ہو آہن
ہنر شست یاد ہے یہ اسے   کہ ہو سوے فلک جو تیر افگن
مہ کامل بہ صورت غربال   نظر آوے تمام پُر روزن
تابۂ آہنی کو کرتا ہے   اس کے پیکاں کا توڑ پرویزن
جس جگہ اس کا ہے ہدف واں سے   تیر چن چن کے لاوے ہے ارجن
اس کے مطبخ کو کس سے دوں تشبیہ   سونے روپے کے جس میں ہوں باسن
مہ گر اس شست روئی پر واں جائے   اس کے خادم کریں نہ صرف لگن
مصحفی اب دعا یہ مانگے ہے   ہاتھ اٹھا کر بہ درگہ ذوالمن
جو مخالف ہو تیرا اس کی رہے   آب و آتش میں حشر تک ان بن

بلکہ مرنے کے بعد بھی تہ خاک
چین مطلق نہ پاوے وہ کفن

❁❁❁

58۔ قصیدہ در مدح جنابِ مرتضوی

روز و شب مل کے اگر ہوویں بہم دونوں ایک
رخ و گیسو کی ترے کھاویں قسم دونوں ایک

باپ بیٹے کا بصورت ہو جو کچھ فرق تو ہو
ورنہ معنی میں تو ہیں درد و الم دونوں ایک

ذرہ بینی کا پڑا عکس جو آئینے میں
کیا لطافت سے ہوئے قطرہ و یم دونوں ایک

نشۂ عشق ہو کامل تو نظر آئے وونہی
چمن حسرت و گلزار ارم دونوں ایک

خوں فشانی کی مری چشم کی کیا قدر اسے
آگے جس شخص کے ہو خون و ہم دونوں ایک

سمجھے کیا فرقِ شب و روز جو نابینا ہو
دیدۂ کور میں[1] ہیں نور و ظلم دونوں ایک

چشم بینا ہو تو ہیں سیکڑوں قدرت اس میں
جس نے پتلے میں کیے نور و ظلم دونوں ایک

رات جب وصل کی جاتی ہے تو لگتا ہے مجھے
تیری تلوار کا اور صبح کا دم دونوں ایک

اختلاف اپنی سمجھ کا ہے گر اٹھ جائے دوئی
نظر آویں تجھے پھر دیر و حرم دونوں ایک

معیا فرق ہے گو قسمت لفظی میں ولے
پیش دانا ہیں صمد اور صنم دونوں ایک

کشتۂ حسرت آغوش کے ہاتھ آخر کار
چاہیے جوں مہ نو کھا کے ہوں خم دونوں ایک

عشق کی آتش سوزاں میں نہ تھی بس کہ
شمع پروانہ ہوئے جل کے بہم دونوں ایک

دیکھ تصویر زمانہ تری اور یوسف کی
صاف کہتا ہے کہ ہیں ان کے قلم دونوں ایک

وصل اور ہجر کو کیا سمجھے ترا دیوانہ　　سامنے اس کے تو ہیں شادی و غم دونوں ایک[2]
جب طمع ہی نہ رکھے پاس تو بخل و کرم　　مرد آزاد کو ہے لا و نعم دونوں ایک
مجھ کو تسخیر کے عالم میں نظر آتا ہے　　حلقہ خط کا ترے اور خاتم جم دونوں ایک
تلخی مرگ ہوئی جس کو گوارا اسے ہے　　کوزۂ قند ہو یا شیشہ سم دونوں ایک
شکر و شکوے سے کسی کے نہ رہا کام اسے[3]　　جس کے نزدیک ہوئے بخل و کرم دونوں ایک
گرچہ ہیں پاؤں ترے لاء خط نستعلیق　　لیک ہیں وقت خرامیدن و چم دونوں ایک
اس گدا کے تئیں کیا فرش شہی سے سروکار　　جس کے آگے ہو گلیم اور گلم دونوں ایک
با[4] نوا تیرے سمجھتے ہیں بہ ہنگام طلب　　دم چرس کا ہو کہ گانجے کی چلم دونوں ایک
ان کو جانو نہ جدا کوئی کہ وقت گریہ　　مثل بحرین ہیں یہ دیدۂ نم دونوں ایک
فرق کیا زبر و زیر کا وہ معلم سمجھے　　جس کے نزدیک ہوں یاں فتح و ضم دونوں ایک
گو[5] کہ سیاح کرے اول و آخر پیدا　　بصرہ و کوفہ نہ ہوویں پس ضم دونوں ایک
مصحفی کو کوئی جرأت سے جدا مت جانو　　ہیں فن شعر میں البتہ یہ ہم دونوں ایک
اور طبیعت کی بھی آپس میں یہ سنجش ہے صریح　　جیسے پلڑے ہوں ترازو کے بہم دونوں ایک
اونچ نیچ ان میں جو[6] کچھ ہو تو تفاوت نہ سمجھ　　قاعدہ ان کا ہے یوں رہتے ہیں کم دونوں ایک
شعر کے وزن پہ موقوف ہے بیشی و کمی　　ورنہ معنی میں ہیں یہ اہل قلم دونوں ایک
ان کی شہرت کا ہے پامال حسد اک عالم　　اہل کاوش سے اٹھاتے ہیں ستم دونوں ایک
صاحب ہندسہ ترجیح جو کچھ دیویں تو دیں　　صفر صورت میں ہیں یوں گاہ رقم دونوں ایک
وصف یکتائی میں اب اس[7] شہ والا فرکی　　چاہیے ہوویں مرے دست و قلم دونوں ایک
جس کا تیر ہمہ تن دوز بوقت پرتاب　　صف اعدا میں کرے فرق[8] و قدم دونوں ایک
حاتم ثانی اگر میں اسے ہمت میں کہوں　　نہیں بیجا کہ ہیں یہ اہل ہمم دونوں ایک
حسن[9] یک رنگی صورت وہ مٹاوے تو کبھی　　تو اماں پاویں نہ مادر سے شکم دونوں ایک

خود پوشوں کے اگر سر پہ لگے گرز اس کا
ایک ہی ضرب میں ہوں خود و جھلم دونوں ایک

بیش و کم سمجھے تو کیا دست زر افشاں میں ترے
وقتِ بخشش کے ہیں دینار و درم دونوں ایک

در سماعت کا اگر کھولے فصاحت تیری
ہوں گراں گوش کے بھی گوش اصم دونوں ایک

تیرے دلدل کی لکھوں وصف کہ جس کی باگیں
شکل میں صورت آئینہ ہیں ہم دونوں ایک

اس کے پٹھوں کی صفا کا میں کہوں کیا عالم
نظر آئے یہ صباحت کے اٹم دونوں ایک

گرد کو اس کی نہ پہنچے کبھی شاعر کا خیال
سرو زانوں ہوں جو سو بار بہم دونوں ایک

وصف میں تیرے لکھوں مطلع ثانی ایسا
جس کے مصرعے ہوں بہ ہنگام رقم دونوں ایک

مطلع

دم ترا اور دم عیسیٰ ہیں بہم دونوں ایک
ایک قالب سے نکلتے ہیں یہ دم دونوں ایک

رزم کے روز شہا گر پئے ترتیب صفوف [10]
مل کے ہو جاویں عرب اور عجم دونوں ایک

سامنے ان کے اسی دم انھیں دینے کو شکست
اور ادھر ہوں ترے تیغ و علم دونوں ایک

نکلے جب میان سے وہ برق کی مانند اس جا
نظر آویں انھیں ہستی و عدم دونوں ایک

پاؤں ٹھہریں نہ صبا وار زمیں پر ان کے
لے اڑیں ہو کے انھیں وحشت و رم دونوں ایک

ایک کاوے سے کرے گر وہ بیاباں میں شکار
یہ سمجھ بغلی ہیں آہو و غنم دونوں ایک

محکمے میں جو عدالت کے تری لاویں اسے
ہاتھ واں اپنے کرے شیر اجم دونوں ایک

اس کی لینت سلے اس کو تو شجاعت اس کو
آخرش ٹھہریں وہاں شیر و غنم دونوں ایک

مصحفی ہے یہ جناب شہ مرداں اس میں
ہوں بہ ہنگام دعا مدحت و ذم دونوں ایک

ہو سکے تجھ سے تو کر دے تو بہ ترصیع خیال
رقم کلک و جواہر کی رقم دونوں ایک

جب تلک چرخ پہ جوزا ہے الٰہی ہووے
دم تری تیغ کا اور خصم کا دم دونوں ایک

59۔ در مدح میرزا علی حسن خلف نواب سالار جنگ

تھا ایک دن میں کلبۂ احزاں میں بے قرار   جور و جفائے چرخ سے شاکیِ روزگار
تھے قطرہ ہائے خوں مری آنکھوں میں منجمد   بے مہریِ زمانہ سے جوں دانۂ انار
تھا ایک تو بہ تنگ میں اپنے ہی حال سے   دیتا تھا تس پہ دل کو غم مفلسی فشار
جوں دام دیدہ باز تھا شب تا سحر کہ ہو   عنقائے مطلب آ کے مرے دام میں شکار
لیکن کمند فکر کو کوتاہ دیکھ کر   کرتا نہ تھا میں آرزوے نیلگوں حصار
کہتا تھا اپنے دل میں جاؤں میں کس کے پاس   تو جس کے ہاتھ سے ہو مری کچھ کشود کار
اتنے میں مجھ کو ہاتف غیبی نے یوں کہا   کائے نکتہ سنج بے بدل و مرد ہوشیار
جا اس کنے کہ ہے وہ گل گلشن سخا   لکھ مدح اس کی جس کا ہے جود و کرم شعار
مرزا علی حسن چمن آرائے حسن خلق   دریا نوال و حاتم و فیاض روزگار
دست گہر فشاں کا سماں اس کے دیکھ کر   خجلت سے آب آب ہے ابر تگرگ بار
دریا پہ چمکے اس کا اگر آفتاب لطف   موج از حباب آوے نظر شاخ میوہ دار
دیکھے نگاہ قہر سے گر کوہ کی طرف   پڑ جائے پائے سنگ میں زنجیر آبشار

پہنچا ہے اس کے نقش قدم کے سلوک سے — ہر ذرہ خاک کا بہ سر اوج اعتبار
حاتم کو اس کے پلہ ہمت میں تولنا — سنجیدگان عقل کے آگے ہے ننگ و عار
کاغذ پہ اس کی مجلس رنگیں کے ذکر سے — چاروں طرف ہے لالہ بے داغ کی بہار
ہے ذات تیری مردمک چشم مردی — یعنی کہ خانداں کا تو اپنے ہے افتخار
عالم میں تیری تیغ عدالت کے بیم سے — ہے سرکشوں کو سجدہ واژونہ پایے دار
جب تک کہ حاجیوں کی نہ جھیلے کشاکشی — دارا بھی تیری بزم میں پاوے کبھی نہ بار
کیا تیرے عود سوز کا عالم بیاں کروں — حسرت سے جس کو دیکھے ہے چرخ ستارہ دار
گزرے گر اس پہ ہو کے تو پھر تا بہ روز حشر — بوے بخور دے نفس باد مشک بار
گل تکیے اس کے چاہیے خورشید و مہ بنیں — مطبوع تر ہوں جس کے گل سرخ سے عذار
کفش مغرق اس کی کو وہ ہی پری کہے — جس بے شعور کو کہ نہ ہو فرق نور و نار
مغلوب کو کرے جو وہ غالب تو پھر وہی — پاوے شکست آبلہ پا سے نوک خار
"خاموش" اس کے منہ سے جو نکلے تو بزم میں — مضراب سے کرے نہ صدا پھر بلند تار
در ہاں کہے تو بے مدد پنجہ و گلو — صوت و صدا ہو ساز شکستہ سے آشکار
خامے کو اب خیال ہے ہاتھی کے وصف کا — وہ ہاتھی جس کی چال پہ صدقے کیا وقار
ہودے کی اس کی شان میں مطلع کہوں ہوں وہ — ہو جاوے جس سے مطلع خورشید رعشہ دار

مطلع

ہودا ہے تیرے ہاتھی کا از بس کہ زرنگار — کرتا ہے مہر اس پہ زر دہ دہی نثار
دانتوں سے اس کے چاک ہے جیب صفاے صبح — وہ صبح جس میں شام نے آ کر لیا قرار
دانا کرے سوال جو مجھ سے تو یوں کہوں — کہ شام کیا، ہے اس کی وہ خرطوم تیرہ کار
خوش قامتی میں جوں ہے سراپا بدن سڈول — چالش میں گرد باد ہے، ہیکل میں کوہسار

چھچی ہو اس سے پار گزر جائے مثل تیر — ہولے گر اس کو سد سکندر پہ فوجدار
جس پر یہ بے تکاں ہے کہ پانی بھی پیٹ کا — ہلتا نہیں جو پیٹھ پہ تو اس کی ہو سوار
گچگاہ کی میں اس کی لٹک کیا بیاں کروں — گویا ہوا ہے خوشہ پرویں گلے کا ہار
ٹکر سے اس کی پیل فلک سر چرا چلے — ٹھوکر سے اس کی کوہ زمیں ہو گئے غبار
گھوڑے کی تیرے وصف بھی لکھوں کہ اس گھڑی — میداں وسیع رخش طبیعت ہے راہوار
غیر از صفا بھی کیجیے گر اس میں نگاہ غور — مرکب کی جلد میں ہیں ترے خوبیاں ہزار
اسرع ہے تس پہ اتنا کہ وقت طلوع مہر — پھینکے جو سوے غرب اسے شرق سے سوار
ہرگز کرن نہ چھوٹنے پاوے کہ وہ کرنگ — عرصے میں اتنے جاوے اور آوے ہزار بار
جس کی چمک پہ مجھ کو چھلاوے کا ہو گماں — جگنو کہوں کہ اس کے تئیں جلوۂ شرار
لازم ہے لکتے ہاتھوں میں ہو جاویں اب رقم — دو چار وصف تیغ میں بھی شعر آبدار
مطلع وہ لکھیے شان میں اس کی کہ جس کو دیکھ — ہووے حواس اہل معانی کو انتشار

مطلع

قبضے سے تیری تیغ کے ہے مہر دل فگار — ذرے کریں ہیں ریگ کے جوہر پہ جاں نثار
اس کی برندگی کا میں مذکور کیا کروں — یہ تیغ ہے کمر کی فریدوں کی یادگار
بازی ہے اس کے سامنے چورنگ کاٹنا — یاں سوتہیں ہیں سنگ کی اور اس کا ایک وار
مارے ہوئے ہیں اس کے ہزیران جنگجو — گور و گوزن کا ہی نہیں کچھ اس جگہ شمار
سبزے میں پھینک دیجے اس کو تو ہاں وہ تیغ — ٹھہرے نہ پھر نظر میں بجز موج سبزہ زار
گر موڑیے تو آوے دونہی جوں کماں جھکی — گر چھوڑ دیجے تو تڑپ جائے مثل مار
ہیں ریزہ جو ہر اس میں جو مانند پاے مور — سر تا قدم وہ تیغ ہے بند خط غبار
ہے کچھ بھی کام سخت بری اس کے روبرو — جو میل کہکشاں کو سمجھتی رہے خیار

ممدوح وصف کو ترے اور اس کے اس جگہ دیتا ہوں اب میں مطلع ثانی پہ اختصار

مطلع ثانی

کھینچے اگر تو اس کے تئیں وقت کارزار ہو اژدہا نیام جزائر سے آشکار
اب چاہیے کہ ہووے قصیدے کا مصحفی میدان مدح سے بہ سوے خاتمہ گزار
جب تک کہ ڈوبے آب میں خورشید وقت شام جب تک کہ اٹھے آب سے وقت سحر بخار
جب تک کہ اوج مہر ہے گردوں سے ہم بغل جب تک کہ موج بحر ہے دریا سے ہمکنار
جب تک ہوا سے ابر بہاری ہے قطرہ زن جب تک زمیں سے جوش میں ہے خون لالہ زار
قبضے سے تیری تیغ رہے شکل میں نہنگ پیکاں سے تیرا تیر رہے مار مہرہ دار
یارب تری یہ مجلس عشرت بنی رہے رنگیں بہ تازہ روئی جوش گل و بہار
جو تیری بارگاہ کے سائے میں ہیں وہ لوگ دیکھیں نہ حادثے کی کبھی لیل اور نہار

سرخوش رہے تو جام جوانی سے، اور عدو
توڑے بدن کو اپنے بہ خمیازۂ خمار

60۔ در مدح نواب آصف الدولہ بطور جلال اسیر گفتہ شدہ

نہ خال کا ہوں میں قیدی، نہ زلف کا ہوں اسیر ‏ پڑا ہے آن کے ششدر میں مہرۂ تدبیر
زمین ہند میں تھا میرا زاد بوم و لے ‏ لے آئی واں سے مجھے کھینچ کر یہاں تقدیر
فلک نے مجھ کو کیا لکھنؤ میں زندانی ‏ اگرچہ کچھ مری ثابت نہیں ہوئی تقصیر
پکڑ رکھا ہے گریباں کو میرے کیوں اس نے ‏ کہاں کی حق میں مرے تھی یہ خاک دامن گیر
خفا ہوں یاں سے میں اتنا کہ یاں کے پانی کی ‏ جو موج آب ہے لگتی ہے مجھ کو جوں شمشیر
اگرچہ یہ سفر عاقبت بخیر ہوا ‏ مرے کلام کے حق میں تو موجب تشہیر
ولیک وہ جو مری روزی مقدر تھی ‏ بڑھا نہ اس میں تو اے دوستوں بہ قدر شعیر
بس اک امیر کے ملنے سے ہوگیا جی میر ‏ بھلا ہوا جو نہ دیکھے یہاں کے سارے امیر
کرے ہے جلوہ دنایت انھوں کے بشرے سے ‏ پھریں ہیں ہاتھیوں پر یاں جو یہ صغیر و کبیر
مثل قدیم ہے مشتے نمونۂ خروار ‏ ضرور کیا ہے کہ ہر اک سے ہوجے تجربہ گیر
کہ حال یاں کے امیروں کا نوکری پیشہ ‏ بہ لفظ ہائے شکایت کریں ہیں نت تقریر
بہ رنگ شانہ جو پہلو کوئی مرا دیکھے ‏ تو اس میں دونوں طرف ہیں لگے ہزاروں تیر

پھر اس پہ مدعیوں کا یہ مجھ پہ بلوا ہے
کہ جوں سگانِ شکاری ہوں درپئے نخچیر

کسی کی آنکھ جو پڑتی ہے مجھ پہ مجلس میں
تو مجھ کو لگتی ہے وہ مثل دیدۂ زہ گیر

جو بعضے بیٹھتے ہیں آ کے دائیں اور بائیں
تو مجھ کو وہ نظر آتے ہیں منکر اور نکیر

اگرچہ باغِ زمانہ میں ہوں میں بے شک و ریب
بہ اعتقاد ہمہ بلبل بلند صفیر

ولے بلند صفیری کہاں رہی میری
ہوئی بلند مقابل جب اس کے بانگ حمیر

ہمیشہ دل میں ارادہ کروں ہوں میں اپنے
کہ جب مدار کی چھڑیوں کی ہو روانہ بھیر

تو مل کے میں بھی اسی قافلے میں ہر صورت
جو زاد و راحلہ پہنچے بہم کروں شب گیر

سو زاد و راحلہ میرے تئیں نہیں ملتا
مری نحوست طالع نے کی ہے یہ تاثیر

ہمیشہ پیچ پر اک پیچ پڑتا جاتا ہے
کہ جس سے ہوتی ہے مضبوط اور بھی زنجیر

جو طالعوں کی مرے ہے یہی گرفتاری
تو اس زمیں سے نکل کر کے کب ہوا میں سفیر

مگر بہ روز ازل جسم ناتواں کا مرے
بنا ہوا ہے اسی خاک کینہ خو سے خمیر

خدا کی یوں ہی جو مرضی تو کیا مرا چارہ
ولے میں اپنی طرف سے تو کچھ کروں تحریر

ثنا میں اس کی کہ وہ زاد و راحلہ کے سوا
جو چاہے بخش دے اک پل میں خلعت و جاگیر

جہان جود وزیر الممالک آصف جاہ
سخا سے جس کی خجل ہے ہمیشہ ابر مطیر

61۔ در مدح میرزا علی حسن

ڈپٹوں اگر میں رخش طبیعت کو وقت جنگ — ہو جاوے قیس پر بھی فصاحت کا عرصہ تنگ
ہر ایک لفظ میں ہے مرے کار چیپیاں — ہر ایک حرف میں ہے مرے صنعت فرنگ
کر آکے چار ہوے طبیعت کی میری سیر — ہر گوشہ یاں متاع فصاحت کے ہیں اڑنگ
حساں کا صرفہ ہے کہ نہ آوے وہ سامنے — اس دم نے قلم سے مرے ہاتھ میں تفنگ
ہر چند میں تو خاک رہ اہل ہوش ہوں — پر رخش طبع میں ہیں مرے توسنی کے ڈھنگ
با آنکہ کچھ نہیں میں و لے عرش سے بھی دور — رتبے کو دیکھ کر کے مرے عقل کل دنگ
سو اس کا کیا عجب کہ ثنا گر میں اس کا ہوں — نیساں کی جس کی مشت در افشاں میں ہے ترنگ
رستم رکاب معرکہ مرزا علی حسن — کیں جس کے دست و تیغ نے برہم صفوف جنگ
آہوے چشم اس کی کی صید افگنی کو دیکھ — آتے ہیں شیر ہو کے گرفتار پالہنگ
ترکش الینڈتا ہے وہ جس صید گاہ میں — واں چرم شیر ہووے غربال جوں پلنگ
گویا کہ شاخ سبز سے نکلی ہیں فندقیں — گوشے جو دو کمان کے ہیں اس کی لالہ رنگ
تیر ہوائی اس کے ہوئے بس کہ کارگر — زنبور خانہ بن گئی گردوں کی سب النگ

پیکاں سے ان کے زہرۂ امن واماں ہے آب — لیتے ہیں چٹکی دل میں وہ سوفار شوخ و شنگ
کھینچے ہے جب وہ تیغ کو ہنگام کارزار — یا اژدہا نیام سے نکلے ہے یا نہنگ
پھر یہ برش جو میل ہے اس کو لگایئے — گزرے فلک سے کاٹ کے ماہی وگاو سنگ
کرتی ہے کاسہ سر دشمن وہ یوں جدا — جیسے کہ کرد تیز تراشے ہے بادرنگ
جوہر کے چکروں پہ ہوں جس کے بھنور فدا — پانی کو اس کے باج نہ دے کیوں کہ موج گنگ
جاتا ہے کجلی بن کی طرف اب مرا خیال — خامے کو وصف پیل سواری کی ہے امنگ
دانتوں نے جس کے روم کو تسخیر کر لیا — رنگ سیہ کو جس کے ملا پیشکش میں زنگ
نرمی کے ساتھ سرعت رفتار دیکھیے — جوں سیل بے تکاں ہے وہ جوں عمر بے درنگ
اس کی سبک روی کو صبا کیوں کہ لگ سکے — پیل فلک کو سامنے جس کے ہو عذر لنگ
ہے ایک تو گلے میں جرس اس کے پرشغب — تس پر غضب کرے ہے دو جانب سے شور زنگ
کرتی ہیں اسے منہ سے دو صبح صفا طلوع — وہ آپ گرچہ جوں شب دیجور ہے بھجنگ
راکب ہو جس کا تجھ سا پری چہرہ نوجواں — کیوں کر اڑے نہ تخت سلیماں سا وہ کرنگ
اس کی چمک میں جھلکے ہے شعلے کی ساری وضع — اس کی کڑک میں نکلیں ہیں بجلی کے سارے ڈھنگ
طے زماں کو اس کے فلک کیوں کہ پا سکے — عرصہ ازل ابد کا ہو جب اس کی اک شلنگ
شکل کماں اگر چہ ہے گردن کا اس کی خم — اس خم کے ساتھ راست روی میں ہے وہ خدنگ
چستی میں ایسے رخش کی سستی کا کیا ہے دخل — زین اس کی پیٹھ پر ہے جما جوں شکم سے تنگ
ممدوح صوت خوش کو رکھے یوں نہ پھر تو دوست — نسبت ہے تیرے رشتہ جاں کو بہ تار چنگ
سچ ہے کہ کس طرح سے ددانا کوئی نہ ہو — منہ سے بشر کے نکلے صدا جب پری کے رنگ
تو شمع بزم عیش ہے اور تیرے مجلسی — ہیں اس طرح سے گرد ہوں جوں شمع کے پتنگ
گر جی چلے ترا شب مہ سیر بام کو — مہتابی فلک پہ چڑھاوے ہوا پلنگ
منظور ہے جو اپنی سخن پروری تجھے — وعدے سے متصل ہے وفا جیسے گل سے رنگ

کیا تیرے قوش خانے کا مذکور کیجیے   جس میں ہراک طرف ہوں پڑے چرغ اور کلنگ
بحری بھی تیرے رشتۂ تدبیر کے ہیں قید   بری پہ گر لعیں ہیں عقابانِ تیز چنگ
بل بے بورچی خانہ اعلیٰ ترا جہاں   قدر بہائے آب نہ پاوے خراج بنگ
ہیزم کی جا جلاتے ہیں عود و اگر وہاں   ہیں بس کہ خاصے پر ترے سرکار کی بھرنگ
ختم قصیدہ کر یہ دعا مصحفی کہ ہے   اس بحر کے قوانی دلکش پہ عرصہ تنگ
یعنی کہ جب تلک ہے یہ سیرابی سحاب   گلہائے سرخ و زرد گلستاں میں آب و رنگ
مجلس میں تیری رقص رہے روز و شب مدام   پاؤں سے اپنے باندھے ثریا کی زہرہ زنگ
سازندگاں کو عید کے دن کی سی ہو خوشی   پہنچے فلک پہ نالہ شہرود اور چنگ
دستِ پکھاوجی کی وہ چالاک دستیاں   ٹک لگاوے کیا کوئی واں انجمن کا رنگ
یوسف ترے شمائل شیریں کا سن کے وصف   بھجوادے تجھ کو شکر مصری کے تنگ تنگ
یا رب رہے ہمیشہ تجھے انبساط عید   قرباں ہو تیرے نام پہ ہم روم، ہم فرنگ

جو دوست ہیں ترے وہ رہیں نت کشادہ دست
اور وہ جو حاسدین ہیں ہوں جان سے بہ تنگ

✿✿✿

62۔ در مدح لالہ ٹیکا رام

اگر چہ مجھ کو قصیدے سے کچھ رہا نہیں کام　　ولے ضرور ہے اب مدح لالہ ٹیکا رام
کیا ہے اس نے مرتب وہ انتخاب کتب　　کہ جس کو دیکھ کے حیراں رہیں ہیں اہل کلام
سدا رہے ہے وہ عیش و نشاط کا مصروف　　ہمیشہ بزم میں اس کی ہے ذکر شیشہ و جام
میں آیا دلی سے جب، میرا اولیں دیواں　　لکھا تھا آپ سب اس نے بہ اشتیاق تمام
مرے خزینہ معنی کا ہے امانت دار　　ہے پاس اس کے جہاں تک کہ سب مرا ہے کلام
شکار اہل معانی کے تا ہوں طائر دل　　انھوں کے واسطے اس کا یہ حسن خلق ہے دام
فرشتہ طلعت و دانا دل و یگانہ دہر　　محیط جود و سخا مرجع خواص و عوام
یہ جاہ دیکھ کہ آ اس کو نذر دیتا ہے　　سپہر رکھ کے مہ نو کے ہاتھ پر صمصام
عطا سے اس کی ہوئی (عید) گھر مرے واللہ [1]　　دگر نہ تھا مہ شوال مجھ کو ماہ صیام
گر اس کے جود کی دریا دلی سے ہوں واقف　　کریں نہ آب میں پھر ماہیان بحر قیام
نت اس کے سامنے خورشید سا بڑا صاحب　　کلاہ سر سے اتارے ہے از برائے سلام
ہزاروں کشتہ احساں ہیں اس کے خرد و بزرگ　　قلم سے لیوے ہے یعنی وہ اپنے تیغ کا کام

اسی کے گھر میں یہ بخشی گری رہی ہے سدا — اسی کے دست نگر تھے یہ سب ذوی الاقلام
اب انقلاب جو اس کا ہوا تو ہے یہ سبب — کہ ایک وضع نہیں رہتی گردش ایام
غرض ہمیشہ یہاں اور ہی ہے لیل و نہار — کبھی ہے صبح کا عالم، کبھی ہے ظلمت شام
مری اور اس کی یہ نسبت ہے نظم معنی کی — کہ اپنے عہد کا سعدی ہوں میں تو ہے وہ ہمام[2]
خدا نے شعر میں یہ دست غیب دی ہے اسے — کہ اس کی نطق[3] میں نکلے ہے لطف نظم نظام
اب اس کے رخش کی تعریف میں لکھوں ہوں یہ شعر — کہ جس کو کہتے ہیں اہل شعور کبک خرام
اگر وہ تیہے میں آ کر کے گرم جولاں ہو — نہ پہنچے گرد کو اس کی تگاور اوہام
وہ نو خرید ہو اس کا تو کیوں نہ بہر شگوں — بدست خویش منہ اس کے میں دے وہ کاہ و زمام
ہے اپنے فہم میں شہ کاسہ اس کا کاسہ سم — اور اپنی عقل میں ہر گام اس کا ہے شہ گام
ہو آفتاب کو جوزا سے جس طرح نسبت — ہمیشہ خانہ زیں کے قریں ہے اس کی لجام
بہ پا میں اس کے ہے سرعت کہ اس کا راکب گر — نہ لیوے باگ کو اس رخش برق سیر کی تھام
تو مثل برق تڑپ کر کے ایک سرپٹ میں — نکل ہی جائے بروں از احاطۂ ایام
پس جلوس سے تیرے یہ زیب دیتی ہے — کہ جوں حمل شرف آفتاب کا ہو مقام
کشش کے وقت جو دیکھے تک اس کا کندہ گزار — کماں کو ہاتھ میں اپنے نہ لے کبھی بہرام
ہزاروں وحشی صحرا ہیں اس کے تیر کے صید — ہزاروں ماہی دریا ہیں اس کی شست کے رام
میں اس کے واسطے کرتا طلب سہ چوبہ تیر — پہ کیا کروں کہ ہے منسوخ مذہب اسلام
اگر وہ ہووے ہے گرم اس کے سامنے بہ خیال — لکھے ہے قاضی چرخ آفتاب پر اعلام
صبا جو رائحہ بزم اس کا گلشن میں — گئی نہ لے کے، نہ خوشبو ہوئی گلوں کی شام
نگاہ حوصلہ پرواز اس کی مجلس میں — بہ وقت لطف قلم ہے، بہ وقت قہر حسام
اگر نہ اس کے دم با اثر سے لیوے اثر — کرے نہ عیسی مریم، کبھی علاج جذام[4]
ملا ہے تجھ سے جو اک چین، شخص عالم کے — زبان شکر ہے ہر موے در دہان مسام

سحاب فیض کا تیرے جہاں پڑے سایہ
زمیں سے سبز ہو آویں وہاں رمیم عظام

ہزار حیف کہ اوقات میں نے کی ضائع
کہے سے یاروں[5] کے زیں پیش کہہ کے مدح لیام

ثنا بھی کیجیے تو ایسے کہ جو سخنداں ہو
نہ وہ کہ جس کو نہ ہووے تمیز پختہ و خام

دعا میں اب تری ممدوح ہاتھ اٹھاتا ہوں
بہ بارگاہِ خدائے کہ ہے رفیع مقام

الٰہی جب تئیں ہے صبح اور ستارۂ صبح
الٰہی جب تئیں ہے نور ماہ و ظلمت شام

مٹے نہ صفحہ ایام سے کبھی ہر گز
بسان نقش نگیں تیرے حسن خلق کا نام

ہمیشہ در کی ترے حاجبی کریں آ کر
بہ التماس دعائے قبول رستم و سام

نگاہ لطف تری جیسے نوشدارو ہے
پے شفائے علیلان محنت و آلام

خدا رکھے تجھے سایے میں اپنے خرم و شاد
ہو جیسے سبزہ و گل زیر سائبان غمام

تو اپنے نام کی خاطر جو چاہے دے ورنہ
میں چاہتا نہیں کچھ اس قصیدے کا انعام

خدا کے فضل سے کچھ، کچھ تری مدد سے بھی
چلے ہی جاتی[6] ہے اوقات میری یوں تو مدام

ولے ضرور ہے اک اور ماجرا مجھ کو
کیا ہے اس لیے میں اس قصیدے کو ارقام

گر اس کی کام[7] روائی ہو تیری بخشش سے
تو سمجھوں میں کہ اثر دار تھا مرا یہ کلام

وگر نہ یوں تو قصیدے بہت کیے ہیں رقم
کسی سے کچھ بھی نہ حاصل ہوا، ہوا تو طعام

طعام کون سی بخشش میں ہے کوئی یہ کہے
قصیدے کہہ گئے ہیں آگے بھی تو اہل کلام

چھپا رہے ہے تو کیا پوستین روبہ میں
میں جانتا ہوں تجھے دشت جود کا ضرغام

تو مصحفی کو ہی اس عہد میں غنیمت جان
کہ ہے بلند بہت شاعری میں اس کا نام

63۔ قصیدہ نسبت بہ چند شخص گفتہ شد

ہے اس زمانے میں ایسا کوئی تو مغوی خام
کہ کہہ کے ذم کے سخن ضم کرے ہے میرے نام

سو نسبت ان کی جو ہیں سلسلے میں سودا کے
غریب و خانہ نشیں و مہذب الاقلام

بس اتنے واسطے تا ہو کے وے بر آشفتہ
جو جی میں آوے مرے حق میں کچھ کریں ارقام

غرض یہ طرفہ تماشا ہے آپ ہو روپوش
بخار دل سے نکالے ہے یوں وہ نافرجام

ولے میں ان کی بھی فہمید کا ہوں دیوانہ
اگر وہ سمجھیں بھلا ہے مری یہ طرز کلام

جو لوگ آج ہیں قائم مقام مرزا کے
کروں گا ہجو میں ناحق انھوں کی نام بنام

خدا نخواستہ کچھ سر نہیں پھرا میرا
مگر جو چاہے کرے یوں یہ گردش ایام

کہ دوست اپنے جو ہوں وہ بھی پھر بنیں دشمن
یہی تو چاہے ہے البتہ آسماں کی خرام

مرے شفیق ہیں اول جو میرز احسن
کمال ساتھ متانت کے ہے انھوں کا کلام

پھر ان کے بعد محمد رضاے اردو داں
ہے میرے سامنے مربوط ان کا پختہ و خام

سیم وہ سید پاکیزہ میر فخرالدیں
کہ تھے ہمیشہ وہ مرزا کے کاتب الہام

رفیع ہے یہ کلام ان کا فیض مرزا سے
کہ آفتاب کے پہلو میں جوں ہو ماہ تمام

تخلص ان کا ہے ماہر ہیں صاحب اصلاح — ہنسوڑ گو انھیں کشمیر کا کہیں حجام
میں ان کو جانتا ہوں اپنا قبلہ و کعبہ — رکھوں گا ان کی میں ریش سپید پر کچھ نام
لکھے ہے خاکہ معنی کو اور صورت سے — کبھی سنوں ہوں مصور کا شاعری ہے کام
کبھی سنوں ہوں کہ مونڈی کٹے نے میرے لیے — کیا ہے از سروپا اک نیا قصیدہ تمام
سبب کچھ ان کے بگڑنے کا پر نہیں کھلتا — اگر یہی ہے کہ فخریہ کیوں ہے اس کا کلام
تو ٹک قصائد عرفی کی جا کے سیر کریں — کہ اس میں فخریہ از ابتدا ہے تا انجام
مقام [1] لاف میں آ آ کے اس نے بھی بہ کمال — رکھا ہے بو الفرج و انوری پہ کیا کیا نام
چلا جو چال قصیدے کی میں بھی کیا ہے گناہ — اسی طرح تشبب کی ہیں کئی اقسام
غضب تو یہ ہے کہ سودا بھی اپنا فخریہ — سر قصیدہ میں دعوے سے کر گیا ارقام
سمجھتے یہ نہیں ایراد [2] اس پہ ہے اول — گر اس کلام پہ بندہ ہے مورد الزام
میں گوشہ گیر ہوں مدت سے پر یہ قہر سنو — کہ جب گیا ہے کبھی گرم اس طرف ناکام
لکھیں ہیں ہجو میاں مصحفی بہم یہ لوگ — دیا ہے بس یہی شاہ کمال نے پیغام
پر اب تلک تو نہ بھیجا کسی نے اک پرزہ — مری بلا سے لکھا یوں اگر قصیدہ تمام
یہ وہ مثل ہے کہ جس طرح دور سے روباہ — فغاں گری پہ نہ آوے مقابل ضرغام
سو کب میں شورش بے جا سے ان کی ڈرتا ہوں — انھوں کی ہجو کو اک گرم بس ہے اور یہ تمام
میں اپنی شان میں عنقا ہوں قاف معنی کا — یہ پہنچیں [3] مجھ تئیں کب ہے مرا بلند مقام
کھکھوسروں کے بھی آتا ہے دام میں سیمرغ — یہ میرے واسطے ناحق بچھا رہے ہیں دام
نہیں یہ ہجو کے قابل پر ان کی خدمت کو — جو یوں لی چاہیں تو کافی ہیں بس مرے خدام
اگر چہ سب ہیں نواخواں ولیکن ان میں سے — بلا ہیں منتظر و گرم جوں برہنہ حسام
انھوں کی نظم کو سنتا جو سوزنی گاہے — تو ہوتا دیدۂ سوزن وش اس پہ خواب حرام
جو مجد ہمگر انھوں کے زمانے میں ہوتا — تو دیتے سعدی کی جانب سے اس کو یہ الزام

بدیہہ گو ہیں یہ ایسے فواحشات کے بیچ
کہ ہے کلام سے فوقی کے فوق ان کا کلام

جو گرد چہرہ کی تضحیک ان کو ہو منظور
نچاویں برہنہ کر پیر ماہ کو سر بام

وگر یہ پیر سحر ساتھ کچھ جگت بولیں
ہو اس کے بشرے سے پیدا او وہیں سیاہیِ شام

وگر یہ زاہد و دیندار پر کہیں پھبتی
نہ لیویں نام تسبیح کبھی شیوخ کرام

مزاج آوے جو پھکڑ پر ان کا یکباری
زنانے پیر جلیلوں میں پھر کریں نہ قیام

اگر وہ تالیاں لڑکوں سے ان پہ بجوادیں
ستارے جگنو کے مانند جاویں چھپ سرِ شام

ضلع جو بولنے والے ہیں بحر و ماہی کے
کریں ہیں ہو کے وہ خم مثل موج ان کو سلام

دکھاویں رخش طبیعت کی گر یہ جولانی
نہ کیوں کہ دے کوئی منہ زور اپنے منہ کو لگام

غرض ہے مستی و دیوانگی بہم ان کے
کلام سخت و مکیف سے مثل صلدہ و جام

سوائے اس کے جو شعر و غزل کا ہے یہ فن
یہ آخریں ہے تو وہ اولیں ہے ان کا کام

کسی سے بات میں کٹتے ہیں اور نہ دبتے ہیں
زبان ان کی ہے تیغ بروں شدہ ز نیام

جو بت پرستی پر آویں تو بت پرست ایسے
کہ جن کو دور سے ڈنڈوت بولے سالگ رام

جو دیں فروشی پر آویں تو ان کی باتوں کی
نہ کر سکیں کبھی تقلید صاحب اسلام

قدم رکھیں یہ اگر مسجدِ جماعت میں
تو لیویں نال و قلم سے عصا و ریش کا کام

بنیں جو شیعۂ غالی تو کربلا نہ گئے
جتاویں اپنے تئیں زائر امام ہمام

لے پھر وہ ہاتھ میں سی و سہ دانے کی تسبیح
بناویں اس کے تئیں یہ کہ ہے یہ خاک امام

وہاں سے حضرت شیطاں بھی دم دبا نکلیں
کھڑے ہوں جس سر رہ پر یہ باگروہ عوام

بزرگ زادگی میں ان کی شک نہیں لیکن
کرے ہے ان سے سفیہ فلک رزالت وام

جو قاف معنی کا کہتا ہے آپ کو عنقا
ہے ان کے زخم زباں سے بخوں طپیدہ حمام

ہزبر و شیر ہو جس نیستاں کے جنگل میں
وہاں رہے بھی تو کیا خاک پھر رہے دد و دام

بروے سنگ کبھی لوٹیں مثل سبزۂ سنگ
فقیر وار کبھی خاک پر کریں بسرام [4]

انھوں کے سامنے ہے پشم شال اور کمبل　　انھوں کے ذہن میں یک رو ہے راحت و آرام
غرض وہ بھنگ کے پیالے پلانے والے ہیں　　کہ جن کو دیکھ کر تپ یہ مضحک ایام
انھوں کا رخش قلم کیوں نہ ہووے دنداں گیر　　کہ نت یہ رکھتے ہیں اس کے تئیں گست زمام
نہ مدعی ہی پہ چھوڑیں ہیں زخم تیغ زبان　　ہیں پہلے اپنے یہ جام سخن سے خوں آشام
نظر انھوں کی ہے گلہائے لفظ و معنی پر　　گلوں کی بو سے معطر ہو کیوں انھوں کا مشام
پڑھیں جو تربت عیسیٰ پہ اپنے شعر　　تو آفریں کی صدا دے لب رمیم عظام
بوقت فکر اگر دیویں ٹک دماغ کو تاب　　عرق ہو رنگ معانی چوئے ز راہ مسام
نظر بہ طالع دشمن جو دیکھیے ان کو　　تو ان سے ایک[5] زحل ہے تو ایک ہے بہرام
یہ بادگیری[6] میں استاد ہیں بہر صورت　　ہزار رنگ نہ کیوں بدلے چرخ ارزق فام
ہے آسماں پہ مہ نو انھوں کا ناخن دخل　　یہ دخل کیا ہے کہ شعرئ انھوں کو دے الزام
کریں جو ہجو میں لشکر کشی تو اس ساعت　　سر عدو کو بناویں یہ مچۂ اعلام
کھجاویں باتیں سنا کر ٹھٹھول کی اس کو　　ہنسی ہنسی میں مغلظ دلے نہ دیں دشنام
انھوں کی گرمی سے لیکن فسردہ طبع بشر　　نہ گرم ہووے کبھی جیسے صورت حمام
ہنسے نہ دانۂ شبنم ، ہنسے تو پھر رووے　　وگر نہ یوں تو ہنسانے کو ہیں یہ خندہ نیام

وقوعیات[7] کہاں تک کرے گا ان کی رقم
قصیدہ ختم ہوا مصحفی قلم بس تھام

64۔ در مدح خیالی رام

یہ کس کی چشم سے سیکھ آئی ہے حیا نرگس
کہ چشم دوختہ ہے سوے پشت پا نرگس

بدن فقیروں کا تیرے ہے یک قلم گلزار
کہے تو فرش تھی واں جاے بوریا نرگس

جھکاوے کیوں نہ سراس چشم سرمہ سا کے حضور
نہیں سواد سے خوبی کے آشنا نرگس

زبس کہ آتے ہی گلشن سے عزم کوچ میں ہے
رکھے ہے برسر انگشت یک درا نرگس

جو کرتی ناف سے اس گل کے تک سرک جاوے
کرے سمن کے خیاباں سے دیدہ وا نرگس

ہر ایک گل جو ترا حلقہ دار خوبی ہے
یہ کس کے پوروں سے چھلوں کی ہے عطا نرگس

مشابہت ہے صنم اس کو تیری چشم سے کیا
کنیز ہے تری ڈیوڑھی کی کم بہا نرگس

تو اس کی چشم پہ عاشق ہوئی، وہ تجھ پہ فدا
یہ دوستی کا شگوفہ نیا کھلا نرگس

سپید و زرد جو معجر کی تیرے گل دیکھے
نہ اپنے سر پہ رکھے نرگسی ردا نرگس

نہیں ہے مانگ میں چوٹی کی لعل زرد و سپید
ہوئی ہے در دل شب کہکشاں نما نرگس

تو کس ادا سے ہوئی گل کے ساتھ چشمک زن
مگر تجھے بھی چمن کی لگی ہوا نرگس

یہ کس کی جالیوں کے روزن اس کو یاد آئے
کہ باغبان کو آنکھیں گئی دکھا نرگس

شہید خوش نگہاں تھے زبس کہ ہم پس مرگ ہماری خاک پہ لا رکھ گئی صبا نرگس
یہ اس کے رخت میں تاروں نے سی دیاں آنکھیں کہ جیسے بافت میں ہو بوتہ قبا نرگس
ہزار آنکھیں پڑیں اس پہ جب نقاب اٹھا کھلا گئی چمن حسن میں ہوا نرگس
نہ میرے ہاتھ سے نرگس کا پھول مانگو کوئی کہ ہے مرے دل بیمار کی دوا نرگس
دماغ اس کا فلک پر ہے آج دور ہے کیا جو مانگے خوشہ پرویں سے رونما نرگس
ہوئی ہے عشق میں اس گل کے اتنی زرد و حقیر کہ راہ چل نہیں سکتی ہے بن عصا نرگس
زمیں شگفتہ و پارے قلم ہے سحر انگیز تو اس گھڑی کوئی مطلع نیا سنا نرگس

مطلع

وہ گل یہ دل کو مرے داغ دے گیا نرگس کہ سطح سینہ پہ پھولی ہے جا بجا نرگس
یہ ڈال گل کی نہ الوٹ ہیں اس کے پاؤں میں رہی ہے لالہ تر کو گلے لگا نرگس
بہ رنگ طاسک فوارہ ہووے صد روزن کرے خیال جو مژگان یار کا نرگس
ہے ذکر بزم میں ساقی کی چشم کیفی کا تو پھول کے مجھے فنجاں کوئی پلا نرگس
سواد حسن کا عالم ہی اور ہوتا ہے کہاں تو اور کہاں چشم سرمہ سا نرگس
ہے داغ دل کا یہ عالم میان لخت جگر ہو جوں دو فندق خوباں میں خوشنما نرگس
شبیہ دیدۂ مجوب اس سے نکلے ہے اسی سبب تو عاشق کی غم زدا نرگس
گدائے یوسف گل گر نہ ہو زلیخا وار چمن میں خانہ نے کیوں کرے بنا نرگس
کرے فلک کے ہر اک پوست میں دکھاتی ہے تری پیاز کو ہے حکم سیمیا نرگس
شب اس کے سرمہ دنبالہ کا مذکور کرے تھی گل سے کھڑی ہے کوئی بلا نرگس
ہو کشتہ اس کے کرن پھول کا جہاں مدفوں بس[1] اس زمیں سے اگے سرنگوں سدا نرگس
کہا، یہ جس نے صنم دیکھی تیری سرخی چشم فغاں کہ گشتہ ہم آغوش لالہ با نرگس

کبھی ہے زرد ترا رنگ اور کبھی ہے سفید
بتا[2] تو تجھ کو یہ کیا روگ لگ گیا نرگس

جو کشتۂ چشم کے ہیں اس کی ان کی تربت پر
سدا چڑھاتے ہیں آنکھوں کی خوش ادا نرگس

یہ ذکر گیسو و رخ لانہ چشم کا مذکور
کجا بنفشہ ، کجا لالہ و کجا نرگس

اشارہ کن ہو جو محراب ابروے خمدار[3]
نمازِ عمر گزشتہ کرے قضا نرگس

ہے لالہ خستہ داغ فراق تو بیمار
خدا تجھے اور اسے جلد دے شفا نرگس

کچھ[4] اپنے ہی یرقاں کا علاج کر کم بخت
تو غم نہ کھا مری سرخی چشم کا نرگس

ہواے باغ جہاں بیخ کن ہے اور یہ ضعیف
زمیں میں بند کرے ریشہ تا کجا نرگس

شتابی سے قلم و کاغذ و دوات لے آ
کہ لکھوں اپنے میں ممدوح کی ثنا نرگس

خیالی رام گل گلشن سخا کہ کرے
درم فشانی سے پیدا ز خاک پا نرگس

ہے قدر سامنے کیا اس کے تاجداروں کی
یہاں بندھی ہوئی آئی ہے بارہا نرگس

جہاں کہ پھینکی ہیں بھر بھر کے اس نے مشت درست
وہاں کی خاک سے اگتی ہے جا بجا نرگس

چمن میں اس کی سخاوت کی دھوم ہے اب تک
لیے کھڑی ہے بہ کف کاسہ جوں گدا نرگس

طلاے ناقص اسی کا بنے تمام طلا
گر اس کی رشحِ قلم کو کرے طلا نرگس

کرے نہ فیض بہ دل گر وہ انبساط چمن
بہار گل میں کبھی گل ہی ہو نہ وا نرگس

کہاں سے لائی ہے پھر یہ طلاے دست افشار
نہیں گر اس در دولت کی جبہ سا نرگس

گدائی در سے نہیں کی گر اس کے اس نے تو کیوں
رکھے ہے کاسے میں ہم نقرہ، ہم طلا نرگس

کھلے گر اس کی شجاعت کا گل بہ گلشن رزم
حباب وش شط خوں میں کرے شنا نرگس

درم فشاں ہو پنہاریوں پہ گر[4] وہ کبھو
نکالے نت قلم سنگ آسیا نرگس

نہیب عدل سے اس کے نہیں ہے اس کو خبر
بہت رکھے ہے رخ گل پہ چشم وا نرگس

مجھے یہ ڈر ہے کہیں جرم خیرہ چشمی پر
نہ پیسی جائے تہ سنگ جوں حنا نرس

نہ اس کی تیغ کے سر پر ہے نرگسی نغمہ[5]
کیے ہوئے ہے لب آب جو پہ جا نرگس

برش کا اس کی تصور قلم کو گر گزرے — تو دیکھے سر کے تئیں اپنے پیش پا نرگس
یہ جوہروں کے ہیں پھر چکر اس میں شکل[6] زرہ — کہے تو دوختہ ہے بر پر ہما نرگس
قلم نہ کیوں ترے ہاتھی کی اب ثنا لکھے — وہ پیل جھول پہ ہے جس کی جا بجا نرگس
یہ نقرہ گل نے تماشا مجھے دکھایا ہے — کہ میری آنکھوں سے ٹلتی نہیں ذرا نرگس
ہے تس پہ نری چالش میں یہ سبک رفتار — کہ دب جو جائے کبھی اس کے زیر پا نرگس
نہ کچلے گل ہی نہ شاخ قلم ہی خم کھاوے — اسی طرح سے رہے تیر سی بپا نرگس
سپیدی دیدۂ نرگس سے لے کے اس کے دانت — ہوئے ہیں خلق کہ تھی ان کی آشنا نرگس
لکھوں ہوں وصف میں اب تیرے رخش اشہل کی — وہ رخش جس کی نگاہوں پہ ہو فدا نرگس
پڑے ہیں کاسۂ سم جس زمین پر اس کے — کھلی ہوئی نظر آتی ہے واں سدا نرگس
فلک کو آنکھیں دکھاتا وہ صبا رفتار — ٹکی ہے دامن زیں پر جو جا بجا نرگس
ولے قرینے پہ کیجیے نظر تو یوں کہیے — چنبیلی حوض ہے اس کا تو حاشیا نرگس
گیا وہ کھیت سے نرگس کی یوں بہ رنگ نسیم — ڈپٹ سے جس کی نہ آ کہ ہوئی ذرا نرگس
کھلے جو غنچے سبھی ان کے منہ سے نکلے ہے — یہی صدا کہ بہ پائے تو اے فدا نرگس
ہوا جو درہم و برہم بھی کوئی گل تو یوں — کہ جیسے پاؤں تلے مل گئی صبا نرگس
چھپا پھر اس کی نظر سے بہ شکل نور بصر — کہ اب تلک بہ تحیر ہے چشم وا نرگس
رکھے ہے تس پہ یہ سرعت کہ مثل باد صبا — اگر وہ گزرے بہ صحرائے لالہ یا نرگس
پڑے جو داغ پہ لالے کی وونہی ٹاپ اس کی — اور اس کے سامنے سے بولے مرحبا نرگس
ہنوز اس کی صدا سامعہ کے ہو نہ قریں — کہ آوے کر کے وہ سیر زمانہ تا نرگس
ادھر تو دیکھ کہ اب لے چلی ہے میرے تئیں — شگفتگی طبیعت سوے دعا نرگس
الٰہی جب تئیں ہے باغ روزگار کے بیچ — کلی سے اپنی بہ ناخن گرہ کشا نرگس

خدا کرے کہ تری چشمِ نرگسی سے کبھی به رنگ مردمِ دیدہ نہ ہو جدا نرگس
رہیں چنگیروں میں پھولوں کی ہاروں کے تودے اور آبخوروں میں طاقوں پہ دستہ ہا نرگس
جو عیب بیں ہیں ترے ان کی آنکھیں یہ نکلیں کہ لاوے جیسے کوئی بھر کے ٹوکرا نرگس
جو دوستدار ہیں بینش کے واسطے ان کی
چنبیلی دودھ ، تو بن جائے توتیا نرگس

۞۞۞

65۔ در مدح صفدر علی خاں

بس کہ اس فصل میں ہوتے ہیں ہرے عظم رمیم
روکش بادِ مسیحا ہے گلستاں میں نسیم

نشتر خار کی جا واں سے اگے ہے سبزہ
بس کہ کرتی ہے ہوا خاک کو لینت تعلیم

صحن ہے صاف تر از دامن دریاے اٹک
لالہ ہے سرخ تر از کاغذ ہندی تقویم

آب جو بار ہے یوں گرد خیاباں کے محیط
ورق لعل پہ جیسے ہو کھنچی جدول سیم

دیکھ صحبت کو بہم لالہ و نافرماں کی
شفق شام نے لے شام سے کھائی ہے افیم

شعلہ افروز ہے ہر سو جو گلوں سے گلشن
سطحہ باغ ہے آتش کدہَ ابراہیم

شاہد رنگ جدیدی کا ہوا ہے جلوہ
تازگی لائے ہیں شاخوں پہ درختان قدیم

دو دو کلیوں سے وہ اب خنثی ہے طفل توام
دختر شاخ کہ تھی موسم دے بیچ عقیم

مہ گردوں ہے مگر مقتبس از نور سہیل
جلد ہر غنچہ جو بودار ہے مانند ادیم

صدف گل میں جو رشکوک سے ہے شبنم خورد
قوت نامیہ کرتی ہے اسے در یتیم

فرش ہوتا ہے زمیں پر جو درختوں کے تلے
مخمل سبز نظر آوے ہے سایے کا گلیم

لالہ و تاج خروس اس سے جو آلپٹے ہیں
بید کی شاخ بھی ہے صاحب تاج و دیہیم

آب یاقوت سے کرتی ہے بناے شعلہ کام میں اپنے جو مصروف ہے یاں صنعِ حکیم
ساتھ گیندے کے یہ داؤدی کا عالم دیکھا جس طرح ایک کٹھالی میں بہم ہو زر و سیم
پھر اسے کلکِ ربیعی نے کیا ہے تصحیح دیر سے نسخۂ گلزار پڑا تھا جو سقیم
تختہ تختہ نہ ہو کیوں کشتیِ اوراقِ خزاں جوشِ طوفاں سے خبر دے ہے زلالِ تسنیم
رنگِ خوباں سے گرو مانگے ہے رنگِ گلِ سرخ ان دنوں باغ کا عالم ہے بہ از باغِ نعیم
کیوں نہ ہو ہے بھی تو یہ باغ ثنا کا اس کی جس کی کرتے ہیں سرِ سدرہ ملائک تعظیم
یعنی آں صفدر علی خان سخاوت پیشہ کہ شجاع ابنِ شجاع ہست و کریم ابنِ کریم
حلقۂ دورِ فلک خنصرِ جاہ اس کی میں ہے سبک وزن تر از حلقۂ انگشترِ سیم
موشگافانِ سخن کیوں نہ رہیں واں حیراں وقتِ طبع کو جس کی نہ لگے فہمِ حکیم
برسے گر ابرِ کرم اس کا بہ دریاے سراب ریگِ ماہی کا دہن اگلے دو صد درِ یتیم
حاتمِ طے نے کہاں پائی سخاوت ایسی ہے یہ وہ ابر کہ برساوے جگہ آب کی سیم
اس کے ہاتھی کی میں رفعت کا کروں تجھ سے بیاں پر بشرطیکہ نہ سمجھے تو اسے عرشِ عظیم
دیکھ کر فربہی اس پیل کی خود دب نکلا گرچہ تھا پیلِ فلک بھی تو تنومند و جسیم
اس کی ٹھوکر سے سرِ گاوِ زمیں کو ہے نہیب اس کی ٹکر سے درِ چرخِ بریں ہے پر بیم
بل سے خرطوم کے بل کھائے ہے ہر لحظہ کمند شق سے دانتوں کے ہوا ہے جگرِ صبح دو نیم
اس کے راکب کی جو ہے ہاتھ میں گجباگ کا نخل شاخ میں جس کی لگا کچھ نہیں جز برگِ نیم
مارتا ہے جو دلِ ماہِ فلک میں ناخن اس کی کاوش سے ہے کیواں کو بھی اک رنجِ عظیم
جھول میں اس کی ٹکے ہیں جو ستارے لاکھوں ان کی تفہیم میں حیران ہیں اہلِ تنجیم
تس پہ گھوڑے کی کہوں کیا میں سبک رفتاری سطحۂ خاک پہ جوں آب میں چلتی ہو نسیم
لوحِ سیمیں کے مقابل ہیں کفل اس کے تو پھر دم سے نکلے ہے پری صورتِ دنبالہ میم
اتنا اسرع ہے کہ رفتار میں شوخی کے سبب اس کے سایے کو ہے نت اس کے قدم پر تقدیم

نظر آجائے اگر سطحۂ غبرا میں پڑا — مہ نو جھک کے کرے نعل کو اس کی تسلیم
سینو ممدوح کہ یہ مطلع ثانی بھی مرا — ہے فصاحت میں بہ از مطلع قدسی و کلیم

مطلع ثانی

سامنے تیری صداقت کے ہو کیا فہم حکیم — رنگ بشرہ سے تو لیتا ہے سمجھ حال سقیم
عالم حال ہے بندوں کا تو ہر حال کے بیچ — علم تیرے کو کہوں کیوں کہ کم از علم علیم
تو کہاں اور ترا دشمن بد روز کہاں — روکش نور تجلی ہوئی کب نار جہیم
نکہت خلق تری جب سے گئی تا بہ ختن — ناف آہو میں نہاں ہووے ہے نافے کی شمیم
رنگ عارض کے ترے سامنے کیا شاہد گل — سرخ رو ہووے کہ ہے سال گذشتہ تقویم
کچھ فلاطون و ارسطو سے نہیں کم ہرگز — علم حکمت میں تری بزم کے ہیں یہ جو حکیم
تیرے رتبے کا بیاں کیا کروں اللہ غنی — خانخاناں کو ترے آگے نہیں قدر فہیم
تیری تلوار کی تعریف کروں کیا کہ وہ تیغ — بس کہ رکھتی ہے عدیل اپنا زمانے میں عدیم
ہے پرکاہ اگر چہ سب کی میں لیکن — سایہ اس کا کمر کوہ کو کرتا ہے دو نیم
آب سے اس کی ہے جوں سینۂ آہن جگراں — اور ہے فولاد سے اس کی دل فولاد کو بیم
کاٹ کا اس کی میں مذکور تو کرتا لیکن — ہے یہ خطرہ کہ نہ حاصل ہو زباں کو تقسیم
لکھنے میں آوے اگر اس کی برش اک شمہ — لفظ و معنی میں وونہی تفرقہ پڑ جائے عظیم
ذکر ہوتا ہے جہاں اس کا وہاں ہوتی ہے — جو ہر فرد کو بے تجزیہ حاصل تقسیم
ہے کماندار اک ادنا سا ترا جو بہرام — تیر کش ہیں ترے تو دے کے بہم ارجن و بھیم
دور باش ادب اس جا ہے فرشتوں سے بلند — پیک اندیشہ پھرے کیوں کہ ترے گرد حریم
تھا ترا چہرہ بہ ہنگام غضب قہر خدا — درمیاں آتی نہ بندوں کی اگر طبع سلیم
مصحفی ہے جو یہ مداح ترا اے ممدوح — مرتبہ اس کی بلاغت کا سمجھتے ہیں فہیم

گر چہ ہے بے ادبی لیک بہ فتوائے کمال وصف میں اپنے یہ اک شعر کرے ہے ترقیم

مطلع

وقت دعویٰ یہی کہتی ہے مری طبع سلیم ہیں دو مصرعے مرے مطلعے کے سلیم اور کلیم
چاہیے اب تری حشمت کی دعا کی خاطر ہاتھ اٹھاؤں میں بدرگاہ خداوند کریم
جب تلک دیدۂ بیدار ہیں تاروں کو نصیب جب تلک خواب فراغت میں ہیں اصحاب رقیم

دوستوں کا ترے ہو ساقی کوثر ساقی
دشمنوں کا ترے مشرب رہے نت چشمہ ریم

66۔ در مدح میرزا محمد تقی ہوس

بس کب تلک تحمل بیداد روزگار　　سینہ تو مارے ضبط کے ہو ہو گیا فگار
پہلوے خشک میں مرے حالت یہ دل کی ہے　　ماہی ہو کوئی جیسے کہ قلاب میں شکار
اس آسیاے چرخ نے اہل کمال کو　　پیسا یہاں تلک کہ ہوئے استخواں غبار
اس سفلہ پروری پہ نظر کرکہ یہ سفیہ　　سمجھے ہے اپنا مردم دانا کو ننگ و عار
نے بخت و اتفاق کا حکمت سے اڑ تلا　　کچھ کچھ سمجھ کے گوشہ نشیں ہیں بزرگوار
برسوں تلک جو راست روی میں علم رہے　　اب دیکھتا ہوں ان کو فلاکت سے پائے دار
اب ان کو دسترس نہیں اک پاے مور پر　　رکھتے تھے جو جہاں میں سلیماں کا اقتدار
گل کون سا کھلا کہ نہ موج نسیم نے　　تیغ جفا سے سینے کو اس کے کیا فگار
یہ ہاتھ اٹھا کے خون شہیداں ہے داد خواہ　　بے[1] وجہ مت زمیں پہ سمجھ جوش لالہ زار
بہر خراش آبلۂ پا یہ کینہ خو　　دیوے ہے نوک سبزہ کو تعلیم[2] نوک خار
دیوانہ کون چاک گریباں نہیں کہ وہ　　جوں تار جیب ہووے نہ اس کے گلے کا ہار
نالاں ہی اس کے ہاتھ سے پیر و جواں رہے　　آیا سلوک پر نہ کبھی یہ ستم شعار

پاے فرار لنگ ہے میرا بھی کیا کروں
ازبس کہ اس کے تیرِ جفا کا میں ہوں شکار

تدبیر سوجھتی نہیں الا کہ جاؤں اب
ہو داد خواہ بر درِ نوابِ جم و قار

مرزا تقی بہ عرف محمد تقی کہ ہے
ادنا مصاحب اس کا فلاطونِ روزگار

موجِ سخاوت اس کی جو پہنچی بہ اوجِ چرخ
شعریٰ نے اس کا نام رکھا مجمع البحار

مہرِ فلک ہے اس کی کفِ داد کا درم
ابرِ سیہ ہے اس کے یمِ جود کا بخار

گر اس کے احتساب کا خطرہ نہیں تو پھر
جا کر چھپا ہے دیدۂ نرگس میں کیوں خمار

ہیبت سے اس کی رعشہ ہے پاے ثبات کو
کرتا ہے کوہ ریگِ رواں کی طرح فرار

کیا اس کے توشہ خانے کا مذکور کیجیے
جس کارگہ کا اطلسِ گردوں ہو جامہ وار

وہ آسمان جاہ ہے اور اس کے دو خلف
شمس و قمر ہیں مو و جبیں لیل اور نہار

کشمیر لے گئی تھی صبا اس کی بوے خلق
صرفِ دعا ہے اب تئیں واں پنجہ چنار

جب آ کے ناگہاں ترے ہاتھی کے منہ چڑھے
پیلِ فلک ہو کیوں نہ بہ روز سیہ دو چار

اژدر کے سر کو کچلے ہے خرطوم کا عصا
جاتے ہیں دانت سدِ سکندر کے وار پار

سونڈ اس کی دیکھ رنگیں ہوئی یوں کہے ہے خلق
آغوشِ صبح میں ہے یہ گلدستہ بہار

خورشید و مہ سے کم نہیں پان اس کی جھول کے
تاروں پہ اس کے کرتے ہیں تارے گہر نثار

جولانیِ کمیت جو لکھوں تو نوکِ کلک
کر جائے آن میں حدِ امکان سے گزار

ہو جاوے ہے چمک کے چھلاوا سا وہ نہاں
یہ کون جانتا ہے کہ شعلہ ہے یا شرار

یال اس کی کیوں کہ مانگے نہ جعدِ پری سے دل
جس کے ہر اک کناؤ میں ہو نافۂ تتار

برق جہندہ پاوے ہے کب اس کی چال کو
جاتا ہے یوں ہوا میں کہ جوں بادِ نو بہار

آہو کی شکل گرچہ سراپا ہے شوخ و شنگ
پر ساق پا میں ہے دلِ عاشق کا اضطرار

نکلیں ہیں اس کی جست میں بجلی کی شوخیاں
جوں موجِ آب گرچہ ہے چلنے میں راہوار

خیزش میں موجِ تند ہے، ریزش میں برقِ شوخ
کاوے میں دورِ چرخ ہے سرپٹ میں جیسے مار

اسرع پھر اس قدر ہے کہ راکب اگر اسے　چھینکے زمین شرق سے مغرب کو ہو سوار
اس عرصے میں پھرے وہ کہ بجلی کی کوند بھی　چھپنے نہ پاوے ابر میں پھر ہو کے آشکار
تیزی قلم کی چاہیے اس دم کہ اب مجھے　لکھنی ہے وصف برشِ شمشیرِ آب دار
چورنگ جب لگاوے ہے وہ، ساکنانِ خاک　کہتے ہیں ہو نہ جاوے یہ گاو زمیں کے پار
جس جا صفاے دست کا مذکور ہے وہاں　سو کوہ ہیں یہ روے ہم اور اس کا ایک وار
جوہر سے اس کھاتے ہیں گرداب پیچ و تاب　ٹاپوں سے اس کی لہریں ہیں دریا کی بیقرار
قبضے سے اس کے کوفت ہے دشمن کی جان پر　لاکھوں کے دل کو رکھے ہے دنبالہ داغ دار
محراب کعبہ گر وہ نہیں ہے تو کس لیے　چلتے ہیں سر جھکا اسے مردانِ سرگزار
دشمن کے دل میں چبھتی رہے یوں سرِ سناں　نقطے کے بیچ جیسے کہ پرکار سے ہو خار
حاتم کی بخشش آگے ترے دست جود کے　نیساں کے جیسے سامنے کم کم پڑے پہار
بالفرض اوس برسے تو کیا بارش اوس کی　انصاف کر پہار کو کچھ بھی ہے اعتبار
با آں کہ مثنوی و قصیدہ میں مصحفی　مرزا و میر کا ہے مرا خامہ یادگار
کرتا نہیں میں اس پہ بھی لافِ سخن ہنوز　شیوہ مرا رہا ہے زبس عجز و انکسار
لازم ہے یہ کہ اب یہ دعا ہوں ترانہ سنج　بہرِ دوامِ دولتِ ممدوح دیں شعار
یارب ہے جب تلک مہ و خورشید چرخ پر　اور چرخ کا ہے گردشِ ایام پر مدار

قائم رہے تو مسندِ حشمت پہ مثلِ قطب
گردش میں مدعی رہیں تیرے ستارہ وار

✿✿✿

67۔ در مدح میرزا محمد تقی ہوس

آوے گلگشت گلستاں کو جو وہ تازہ نہال
تا لبِ فرش کرے اٹھ کے چمن استقبال

ہے ربیعی کا جو اترا ہوا ہر سو لشکر
علم سبز نظر آتی ہے گیہوں کی بال

قوت نامیہ کے فیض سے کچھ دور نہیں
برگ و بر لاوے بیاباں میں اگر شاخ غزال

کہنگی تھی جو درختوں کی وہ سب دور ہوئی
نکلے پھر پتے ہرے اور نیا آیا سال

شاہد گل نے کیا اپنا نگاریں پنجہ
فندق غنچہ نظر آنے لگیں یکسر لال

ہر طرف جوش بہاراں ہے عجب کیا اس کا
رنگ گل سے جو شفق کرے وام کرے گونہ آل

غنچہ نافہ کو ہے ناف میں آہو کے شگفت
مرغ پیدا کرے ہے بیضے کے اندر پر و بال

طفل فوارہ کے پھر ہاتھ میں پچکاری ہے
رنگ لالہ سے ہے گرمشت صنوبر میں گلال

حوض فوارے ہیں معمور چمن ہے سرسبز
موج مارے ہے لب جو سے پڑا آب زلال

چاہیے وصف میں اس بحر سخا کے لکھوں
سامنے جس کے فلک کفچہ کرے دست سوال

یعنی مرزا تقی آن واسطۂ علم و عمل
منبع جود و عطا، مرجع ارباب کمال

دولت اس کے در دولت کی ہے ادنیٰ سی کنیز
ہے غلاموں میں غلام اس کا کمینہ اقبال

گل سے نسبت اسے گر دیجے تو ہے کوتاہی   نکہت خلق سے ہو جس کی جہاں مالا مال
اس کے باعث مرا پرواز سخن ہے ہر سو   اس نے ہی مرغ طبیعت کو دیے ہیں پر و بال
تیغ کی اس کی میں تعریف کروں کیا کہ وہ تیغ   میان سے اپنی اگر نکلے بہ ہنگام قتال
لگتے ہی کاسۂ سر دو کرے یوں دشمن کا   جس کا پیوند بہم حشر کے دن بھی ہو محال
کیوں کہ کہیے نہ اسے ماہیِ دریاے وغا   پشت ماہی کا سا ہے جوہروں کا اس کے جال
تس پہ ہاتھی کی کہوں کیا میں جسامت جس کو   نہیں لگ سکتے ذرا اتنی بلندی پہ جبال
اس کی مستک پہ ہے گجباگ کا جلوہ اس طرح   کالے بادل میں نظر آوے ہے جس طرح ہلال
اس کے دانتوں میں وہ خرطوم نہیں ہے گویا   شام ہجراں سبب تفرقۂ روز وصال
جست و خیز اس کے میں گھوڑے کی کروں گر تحریر   چوکڑی بھرنے لگے خامہ بہ انداز غزال
ہے گراں ڈیل ولے وقت سبک رفتاری   نہ اسے باد صبا لگ سکے، نہ باد شمال
برگ سوسن پہ ہنسا کرتے ہیں نت اس کے گوش   زلف سنبل سے گرو مانگتی ہے اس کی یال
مہ نو کو یہ تمنا ہے بنے نعل [1] اس کا   پر اسے پاؤں تلک اس کے پہنچنا ہے محال
بوسہ کس منہ سے کوئی دیوے رکاب اس کی کو   ہو رگ گردن شیراں سے بنی جس کی دوال
گاہ دو گام چلے گاہ وہ سرگام غرض   ہر طرح چال کا اس کی ہے زمانہ پامال
مورد قہر ترا ہووے اگر کشور مصر   تا ابد طعم شکر تلخ رہے جوں بندال
اس کی بخشش کا کوئی پا سکے کیا اندازہ   ہوویں تقسیم جہاں خرمن در بے مکیاں
سر دشمن میں چمکتا ہے تری تیغ کا زخم   دل کافر میں کھٹکتی ہے ترے تیر کی بھال
سیستاں تک گئی ہے بس کہ تری تیغ کی دھاک   سامنے آوے ترے یہ نہیں رستم کی مجال
اب تک اس سے ترا ثانی نہیں ہوتا پیدا   روز و شب ہے اسی اندیشے میں عقل فعال
پیش جاوے ہے ترے سامنے کیا خاک اس کی   عیسی وقت ہے تو اور ترا دشمن دجال
ناز و نعمت سے زمانہ ہے یہ معمور کہ اب   نظر آتا ہی نہیں نام کو کوئی کنگال

شعرا اس کی بلاغت کا کریں کیا مذکور — وصف میں جس کے زباں ہووے فصاحت کی لال

قہر سے کیوں ترے دشمن کی گزرتی ہے نسیم — مجھ کو یہ ڈر ہے کہیں ہو نہ اسے درد طحال

ہر مہوس کو ہو اکسیر کا دعویٰ صادق — خاک در کی ترے ہاتھ آوے اگر اک مثقال

تابداں سے وہ ترے قصر کے ہوتا ہے دو چار — مجھ کو یہ ڈر ہے نہ خورشید کو آجائے زوال

حسن کی بس کہ ہے خواہش تجھے اے مایۂ عشق[2] — اس لیے تو نہیں پیتا ہے تماکو جو گلال

کام کے جس کے کرتی ہے اسباب درست — مصحف رو سے ترے دیکھنے آوے ہے وہ فال

متن قرآں کا جسے ترجمہ[3] ازبر ہووے — اس کا ثانی کوئی ڈھونڈے تو نہایت ہے محال

ناز و نعمت سے بھرا تو نے زمانہ ایسا — کہ خلا ہو گئی مذہب میں حکیموں کے محال

بن گیا ہوتے ہی وہ چشم دعا پر ابرو — کب سے تھا دل میں مرے مطلع ثانی کا خیال

مطلع ثانی

صور علمیہ میں جب ترا ثانی ہو محال — کلک اندیشہ لکھے پھر تری کیوں کر تمثال

مصحفی ہو چکا ہے مدح کا سب عرصہ طے — جز دعا اور نہ کچھ حرف تو اب منہ سے نکال

نت ترا خیمہ رہے خیمہ گردوں سے بلند — مہ و خورشید سواری کے تری ہوں سکھپال

دونوں فرزند ترے سایے میں یوں شاد رہیں
آسماں کے مہ و خور رہتے ہیں جوں زیر ظلال

68۔ در مدح میرزا محمد تقی ہوس

اس سال ہے سردی کی یہ تاثیر ہوا پر　　جوں موج ہوا یخ کی ہے زنجیر ہوا پر
ہے برف سے پتھر کا خواص اس میں جو پیدا　　گر جاتی ہے بس لگتے ہی شمشیر ہوا پر
بلور کی جب ارض ہو خود سطحہ ہوا کا　　میداں نہ ہو کیوں قابل تعمیر ہوا پر
فانوس سے شیشے کی نظر آئے ہے جوں شمع　　ہنگام تپش برق کی تاثیر ہوا پر
گر یخ بچۂ مہ نہیں یخ بستہ تو اس کا　　کیوں قفلی سے گرتا نہیں پھر شیر ہوا پر
سر سقف مجر سے جو سیمرغ کا ٹکرائے　　اڑنے کی کرے کیوں کہ وہ تدبیر ہوا پر
افراط برودت سے نہیں اس کا تعجب　　خورشید ہو گر قرض طباشیر ہوا پر
ہوتا نہیں محتاج صدف قطرۂ نیساں　　پاتا ہے وہ موتی کی جو توقیر ہو پر
معزول ہوئے بیٹھے ہیں وے اہل دماغہ　　تھی جن کی سدا قوت کی جاگیر ہوا پر
دعوا تھا جنھیں شعلے سے نت تیز پری کا　　شہپر کو اب ان کے نہیں تاثیر ہوا پر
پھینکے ہے خلا میں جو کوئی تیر ہوائی　　رہ جائے ہے جم کر وونہی تیر ہوا پر
مانع ہے خلا ہونے کی جو منقلب اس کے　　بے جرم وہ لٹکے ہے سرازیر ہوا پر

یخ باری سے جابند ہے گھوڑا جو ہوا کا — ثابت ہے نہ چلنے کی جو تقصیر ہوا پر
تو مقرعۂ برق کو ہے رعد کا ایما — دو چار جڑے درۂ تعزیر ہوا پر
ہم پاس تو پٹو ہے نہ دُھسّا نہ دوشالا — بخت ان کے ہیں جو رکھتے ہیں جاگیر ہوا پر
یاں آب تنک جامہ ہے عریاں بدنی کا — واں رخت ملون کی ہے تعمیر ہوا پر
کپڑے کی نفاست سے نظر آئے ہے ہر سو — صد گونہ گل و گلشنِ کشمیر ہوا پر
دیکھ اس کو چمکتی ہے بہت اخگرِ آتش — اس پر بھی نہیں کرتی وہ تاثیر ہوا پر
اے نامہ قلم مدح طراز اس کی تو اب ہو — ان روزوں ہے جس شخص کی تقریر ہوا پر
مرزا تقی یعنی ہے ہوس جس کا تخلص — ہے جس کے گل نظم کی توقیر ہوا پر
رتبہ نہ ملے چغد کا ہرگز کبھی اس کو — دیکھے جو ہما کو وہ بہ تحقیر ہوا پر
مجموعۂ خلق اس کے تئیں کیوں نہ کہے خلق — عطروں کی سدا جس کے ہے تنشیر ہوا پر
پاوے خم ابرو سے اگر اس کے اشارہ — براں ہو پر کاہ کی شمشیر ہوا پر
کب رتبہ ہر اک قوس کو ہے تیری کماں کا — کس واسطے پھینکے تو اگر تیر ہوا پر
پیکاں ہو ثریا سے دونہی دست و گریباں — سوفار ہو ذابح کی گلوگیر ہوا پر
ممدوح میں اب وصف کروں گھوڑے کا تیرے — جس گھوڑے سے آوے خوئے تشویر ہوا پر
تو باگ نہ لے اس کی تو پل مارتے جوں برق — اڑ جائے شرر ہو کے وہ زہ گیر ہوا پر
جگنوں کی چمک سے بہ نمایش ہو مشابہ — قلغی جو چمک جائے شب قیر ہوا پر
ہرگز نہ کرے کوتہی وہ دو میں بر آتش — ہرگز نہ کرے رو میں وہ تقصیر ہوا پر
نعل اس کا ہوا میں جو چمکتا ہے تو گویا — بے قبضہ و کف چلتی ہے شمشیر ہوا پر
اس شوق کبوتر پہ نظر کریو کہ اس جا — پاتا ہوں فروشندوں کی تقریر ہوا پر
بکنے کو قفس کے قفس آتے ہیں ہمیشہ — تا مشت پر اڑنے کی ہو تدبیر ہوا پر
جوڑے کے جو ہیں ان کے ہیں پر بستہ بریدہ — اڑنے کے جو ہیں ان کی ہے تسخیر ہوا پر

پر ساتھ بناتے ہیں کبھی ان کے جو اس نے — رہتی ہے سدا جنگ کی تدبیر ہوا پر
لڑ جائے ہے گر ساتھ سے صیدی کے کوئی ساتھ — رجعت میں دکھاتے ہیں وہ توفیر ہوا پر
یعنی کہ لگا لاتے ہیں ساتھ اپنے کبوتر — یہ ان کے کڑے پن کی ہے تاثیر ہوا پر
غلطک وہ اس انداز سے کھاتے ہیں کہ تحسیں — جاتی ہے مشعبد کا جگر چیر ہوا پر
ہر چرخ میں ہوتے ہیں ترے سر کے تصدق — ہر دورے میں ہیں حلقہ تزویر ہوا پر
پرواز میں ان کی ہے جو پستی و بلندی — سب، تیری نگہ کی ہے یہ تاثیر ہوا پر
اونچے ہوں تو ہو جاویں وونہی نظروں سے غائب — گویا ہوئے عنقا کے گلوگیر ہوا پر
اور پھر جو فرود آویں تو جوں تخت سلیماں — آنے میں لگے ان کو نہ تاخیر ہوا پر
پرواز سخن میں مرے اے مصحفی خامہ — ہے شعلۂ ادراک کا گلگیر ہوا پر
اب وقت دعا ہے، یہ دعا ختم سخن کر — کیا فائدہ جاوے تری تقریر ہوا پر
جب تک ہے ستاروں سے فلک برج کبوتر — جب تک کہ اڑے طائر تقدیر ہوا پر

یارب کہ ترے دوست رخ تار نہ دیکھیں
اور خاک کی دشمن کے ہو تشہیر ہوا پر

۞۞۞

69۔ در بیان سردی

ہو نفس کشی سے جسے توقیر ہوا پر — وہ کاٹ کے پھینکے سرِ تقصیر ہوا پر
کس رات نہ نالے نے مرے ہانک سنائی — کس رات نہ یارب کا گیا تیر ہوا پر
مر جائے جو دیوانہ کوئی قید میں تیری — خاک اس کی اڑے باغل و زنجیر ہوا پر
شمشیر کی برش میں رہا کون سا نقصاں — جب کاٹ کرے سایہ شمشیر ہوا پر
مانند کبوتر کبھی کاوے سے نہ نکلے — دوڑائے جسے گردش تقدیر ہوا پر
گر کیجیے در بند تو روزن سے نکل جائے — منتر ہی چلے اور نہ کوئی پیر ہوا پر
مرزا کی غزل باز کلاں پھینکے ہے جس جا — واں بال پری ہے قلم میر ہوا پر
خورشید کی تحویل ہے نوروز کے دن میں — آغاز حرارت کی ہے تاثیر ہوا پر
یہ چاہیے مجھ کو وہ بہاریہ قصیدہ — لکھوں کہ جو ہو گل کا عرق گیر ہوا پر
سو وصف ہیں موسم کے اور ایام جنوں کے — ہے جن سے رواں خامۂ تحریر ہوا پر
پتے جو ہرے اس سے نکل آئے تو گویا — ہر شاخ لگی کھنچتی سی شمشیر ہوا پر
کیوں خاک اڑاتی نہ پھرے گلیوں میں ہر سو — وحشت کی ہے ان روزوں میں تاثیر ہوا پر

ہے آگ لگا دینے میں از بس کہ وہ آندھی　　شعلے کی علم رہتی ہے شمشیر ہوا پر
دریا میں تلاطم ہے تو صحرا میں تکدر　　بے جا نہیں آتا خوے تشویر ہوا پر
یہ موے پریشاں کی ادا ان میں گزیں ہیں　　بوندیں جو برستی سرازیر ہوا پر
ہر برگ نظر آئے ہے جوں لوح زمرد　　موقوف ہے اس کشت کی تعمیر ہوا پر
وہ مرغ نہ ہو رشتہ تدبیر کا پابند　　پہنچائے جسے بازی تقدیر ہوا پر
آہ شرر افشاں نے مری پردۂ شب میں　　ایجاد کیا گلشنِ کشمیر ہوا پر
کس نشتر مژگاں کی ادھر ہوگئی جنبش　　قیفال رگ ابر جو دی چیر ہوا پر
ہے سطح ہوا آتش سرشار کا دریا　　پھینکے جو نظر باز کوئی تیر ہوا پر
نکہت سے کوئی پوچھے کہ یاں مصحف گل کی　　دن رات ہوا کرتی ہے تفسیر ہوا پر
لگتے ہیں رخ موج پہ صرصر کے طمانچے　　آتی ہے صلابت سے جو توقیر ہوا پر
رعشے میں درختان چمن رہتے ہیں اس سے　　مجرم ہو نہ ٹھہرائے جو تقصیر ہوا پر
چاہے ہے یہ وحشت کہ نہ دے چین لحد میں　　اڑ جائے تر کشتہ کفن چیر ہوا پر
زندانی الفت نے کبھی آہ جو کھینچی　　جوں تیر گیا نالۂ زنجیر ہوا پر
نکہت کے سبب زمزمہ سنجان چمن کا　　ہے غلغلہ جنباں لب تقریر ہوا پر
در موج کو چھیڑے ہے تو کیا غصے میں آ کر　　جڑ دیتی ہے اک موج بھی شمشیر ہوا پر
اڑتے ہوے پھرتے ہیں جو صحرا میں بگولے　　ہے خاک غریباں کی یہ تشہیر ہوا پر
اے مصحفی میں یہ جو کہے چار قصیدے　　ان چاروں عناصر کی ہے تعمیر ہوا پر
گر دیدۂ انصاف سے دیکھے کوئی ان کو　　ہو اس کے دم گرم کی تعبیر ہوا پر

مانند عناصر کے رہیں چاروں یہ باہم
اور آوے نہ ان کی کبھی تغییر ہوا پر

70۔ جواب قصیدۂ انشاء[1] اللہ

کھل گئے منہ پہ مرے شب جو در خواب کے پٹ
نظر آئی مجھے اک طرفہ بھبوکا نٹ کھٹ
حسن کا اس کے یہ عالم کہ پری دیکھ جسے
دوڑ کر لینے لگے ووں ہی بلائیں چٹ چٹ
جگت اور پھبتی میں استاد ظریف الطبعاں
ہنسی اور ٹھٹھے میں چالاک تو پھکڑ میں اکٹ
نسبت اور ضلع کے انداز نظر میں اس کی
جس سے سنمکھ ہو تو مکھ پھاٹ دونہی جاوے ڈٹ
گالی دے بیٹھنے کو سمجھے وہ اک سہل سی بات
شوخ و بیباک و پر آشوب، ہنسوڑ اور منہ پھٹ
مسرف ایسی کہ اگر رہبری طالع سے
گنج قاروں لگے ہاتھ اس کے تو کر جاوے چٹ

چشمِ سفاک کا مستی میں وہ عالم پیدا
جس نے ہر گوشے جداگانہ مچائی بھسپٹ
اس کی ٹھوکر کا تصور کہیں گزرا تھا اسے
بختِ خوابیدۂ مخمل کی گئی نیند اچٹ
چہرہ اس کا یہ بھبھوکا کہ پری غش کرجائے
جس پہ جوں دودِ سیہ بکھری موئے زلف کی لٹ
لعل لب آتشِ بے دود مسی اس پہ دھواں
سینہ جوں آئینہ صاف اس کا و لے دل میں کپٹ
بال کہتے تھے سب اس کی کمر نازک کو
اور وہ چاہے تھی میں کچھ بال سے بھی جاؤں گھٹ
دوش و بر آئنہ نورِ تجلی جوں شمع
تن میں شیشے کی صفا، چہرے میں شعلے کی لپٹ
سمتِ چپ موڑے جو گردن تو ملک چت کھا جائے
ٹھور حورا کو رکھے دائیں سے گر دیکھے پلٹ
کچھ پری ہی نہ تھی اندازوں کی اس کے کشتہ
حور بھی جپتی تھی نام اس کا لگی تھی یہی رٹ
مدھ میں جوبن کے ٹپکتی تھی یہ اس کے مستی
جس کی مستی سے، منصور کو سمجھے تلچھٹ
کنجِ لب میں حبشی خال کا ایسا خونخوار
جو کرے قلب و شش و گردۂ عشاق کو چٹ
شیخ صنعاں کی طرح جس کو کہے یوسف دیکھ
باندھ زنار ابھی سبحہ سے زنار کو بٹ

پشت پا میں وہ نزاکت کہ خلش کے ڈر سے
برگ گل کو نہ کرے پاؤں کا اپنے انوٹ

ماہی قلزم حسن اس کی ہوئی طوق کمر
یا پڑی ہے شکم صاف میں اس شوخ کے بٹ

سینہ بند اس کے پہ جو غور سے کی میں نے نگاہ
تار انظار ملائک سے بنی تھی حلکٹ

ناف تک سینے میں اس پر وہ صباحت اس کے
گویا میدے سے بنائی تھی وہ لعبت جھٹ پٹ

کرتی تھی جنبش مژگاں سے جبیں چیں پیدا
بدن صاف میں پڑتی تھی نگہ سے سلوٹ

گات کا حسن کہوں یا میں صفا عارض کی
وصف ساعد کی کہ کہنی کی لکھوں گدراہٹ

تس پہ غبغب کا یہ عالم کہ ترنج پرویز
دیکھ کر اس کو گیا مارے خجالت کے سمٹ

بلہ بے پنجۂ مژگاں کی ترے گیرائی
جس کو پہنچے نہ کبھی باز کے پنجے کی جھپٹ

برق خاطف پہ پڑے اس کی اگر تیغ نگاہ
وہ بھی ایدھر سے ادھر لینے نہ پاوے کروٹ

نرمی عانہ غضب، صافی راں لغزش گاہ
چکنی مٹی پہ قدم رکھتے ہی جوں جائے رپٹ

شور محشر نہ کرے کیوں کہ اسے جھک کے سلام
دیوے مردوں کو جگا پاؤں کی جس کے آہٹ

اس کی پاپوش کا کیوں کر نہ فلک پر ہو دماغ
چاند تاروں کے تئیں سمجھے جو کوڑا کرکٹ
لب رکھے رطل گراں پر تو اسے سمجھے گھونٹ
ہاتھ آوے تو چڑھا جائے قرابا غٹ غٹ
جنگلے اور جھنجوٹی سے اسے ذوق زیاد
کبھی وہ رام کلی اور کبھی گاتی تھی نٹ
سن میں کم لیک جہاندیدہ و شوخ و شاہ
کہنہ گرگ اس کو کہوں یا کہ بتاؤں پاکھٹ
جس کا مذکور کیا میں یہ بت شہر آشوب
تھی کھڑی طرف چمن مکھڑے سے الٹے گھونگھٹ
اس سے پوچھا میں کہ تو کون ہے کس کا ہے یہ باغ
جس کے پھولوں میں ہے دلہن کے چھپرکھٹ کی لپٹ
عطر سے مہکیں ہیں پردے یہ تمامی کے تمام
یا کہ پریوں کے پسینے میں بسائے سرکھٹ
لخلخے یا رہے ایوان میں روشن شب کو
یا کہ بوٹوں کے بخارات سے سب چھت گئی اٹ
سن کے یہ حرف مرا ہو متبسم ناگاہ
وہ پری حسن کا تھا جس کے وہ گلشن جمگھٹ
آئی غصے میں کہ اے بے خبر از وضع سوال
سامنے سے مرے، بیہودہ نہ بک، دور ہو، ہٹ
جانتا کیا نہیں ہے میرا سگا خانم نام
سیر کرنے کو میں آئی ہوں قہستاں سے پلٹ

اور یہ گلزار جو ہے جس میں بپا ہے خیمہ
ہے مکاں اس کا جسے سمجھے ہے عیسیٰ ایبٹ

یعنی شاداب علی خان سخاوت پیشہ
جس کی بخشش سے گیا معن [2] کا دم دم میں الٹ

لاوے پھر کیوں کہ وہ خاطر میں سخا کو اس کی
طنز سے حاتم طائی کو کہے جو کھوسٹ

اس کی دانائی کے رتبے کو کہا پاوے کوئی
سامنے جس کے فلاطون و ارسطو ہوں جٹ

ہووے صد [3] تیر ملامت کا نشانہ گردوں
اس کی انگلی میں کماں سے کبھی پڑ جائے جو چٹ

خرق عادت کا اگر اس کی تخیل وہ کرے
مثل گل ووں ہی گریبان فلک جاوے پھٹ

سلطنت کشور خوبی کی جسے وہ بخشے
جزو تن اس کا ہو طاؤس کے مانند مکٹ

اس جگہ یوں ہے ارادہ قلم فکر کا اب
کہ غزل کا بھی لکھوں مطلع ثانی جھٹ پٹ

مطلع ثانی

صبح پردہ جو گیا اس گل عارض سے الٹ
کھل گئے صاف عروسان چمن کے گھونگھٹ

ہووے کثرت پہ اگر دیدۂ وحدت بیں وا
نظر آوے تجھے اک نور کا جلوہ گھٹ گھٹ

اشک دوڑے ہے مری مد نگہ پر اس طرح
بانس پر چڑھ کے کرے جیسے رسن بازی نٹ

ہوں وہ بیمار کہ میں صورت دیبا کی مثال
ناتوانی کے سبب لے نہیں سکتا کروٹ

کیا بیاں کیجیے نیرنگ سپہر بے مہر
کبھی اک رنگ پہ رہتا ہی نہیں یہ گرگٹ

قتل کا اذن [4] ہوا جب سے صف مژگاں کو
شہر عشاق میں لاکھوں ہی محلے گئے پٹ

ہوں نہ پورب میں مری تشنۂ دیدار آنکھیں
یاد آویں جو وہ پچھم کے کنوؤں کے پنگھٹ

خاک کو مجنوں کی اے موج ہوا یوں نہ اڑا
جادے تا محمل لیلیٰ نہ کہیں گرد میں اٹ

پھینک میں ہے وہی استاد کہ جوں لمعہ برق
صاف اڑا جائے وونہی خصم گر آوے پالٹ

طرفہ پیش آئی تھی اک صلح و صفا کی تقریب
عید کے دن نہ گیا اس کے گلے میں لپٹ

بس کہ لگتی ہے مجھے خار وداع یاراں
میرے [5] دامن سے جدا ہوتی ہیں دشوار پھرٹ

دل سے لے جاوے ہے ہم خاک نشینوں کے غبار
دامن اس کا جو زمیں پر کبھو جاتا گھسٹ

آدمی کوزۂ دولاب سے ہیں سرگرداں
جب تلک چرخ مدور کا یہ پھرتا ہے رہٹ

ضبط کا اپنے میں کشتہ ہوں کہ مرتے مرتے
کبھی ہونے نہ دیا راز محبت پر کٹ

زیب تن جب سے کیا یار نے پیراہن سرخ
رنگ یاقوت سے مانا ہوئی وہ بال سی کٹ

ہندوے زلف سیہ ہے وہ مہاجن کج طبع
جس نے اموال ہزاروں کے کیے ہیں تلپٹ

مجھ کو سونے دے ذرا باغ میں کھٹکا نہ ہلا
باغباں تو نے مچائی ہے کہاں کی کھٹ کھٹ

یاں سے آہنگ یہی ہے کہ قلم کی نے سے
مدح ممدوح کا بے پردہ نکالوں تروٹ

انگلیوں میں ہے یہ زور اس کی کہ پیسے کے نقوش
یوں مٹا ڈالے ہے گویا وہ بنا تھا سلپٹ

ہو فضا عالم امکاں کی بہت چرخ پہ تنگ
گر ترے بحر سخاوت کا لکھوں پھیلاوٹ

گر شب فکر جلاوے ترا مداح چراغ
چوب سدرہ سے بنا لاویں ملائک ڈیوٹ

کیوں کہ دشمن کو گوارا ہو تری تیغ کا گھاٹ
آب تاریخ تو رکھتا ہے ولے ہے اوگھٹ

گر مزہ اس کا چکھے وہ تو گلے سے اس کے
تلخی مرگ کی جاوے نہ کبھی کڑواہٹ

خالی از فیض نہ دیکھی تری خدمت بخشی
ہو وہ سلطان جہاں جس کو تو دیوے پرمٹ

تیرے دشمن کا گزر ہو جو بہ سوے لاہور
سکھ یہ بولی میں کہیں اپنی کہ "سہرے نوں سٹ"
صاحب حکم و جلادت ہے تو ہر شام و سحر
آکے مریخ ترے سامنے بولے ہے رپٹ
ملک گیری میں گورنر تجھے سمجھے جو فلک
ہوویں پھر کیوں نہ کلکو ترے لیٹ اورالبٹ
سارے عالم میں ترا حکم ہے دائر سائر
کیوں نہ حاضر رہیں در پر ہی اپیل اور کورٹ
دیکھے گر قصر معلیٰ کا ترے نقش و نگار
اپنی کوٹھی کو کرے اس پہ تصدق ارنٹ
روح رستم نہ کبھی چاہ سے نکلے باہر
کان میں اس کے جو پہنچے ترے گھوڑے کی ڈپٹ
جس پہ اک ہاتھ لگا اس کو دو بخرے ہی کیا
میں نے تیغا ترا دیکھا نہ کبھی پڑتے رپٹ
جس بیاباں میں ترے ہاتھ سے ستھراؤ پڑیں
سطح اس دشت کا کوسوں ہی دکھاوے مرگھٹ
سن کے برش تری تلوار کی اعدا تیرے
خنجر رشک سے آپس میں مریں ہیں کٹ کٹ
خانہ جنگوں میں تری تیغ کا مذکور نہ ہو
ہاتھ و منہ تا کہ نہ دو چار کے واں جاویں کٹ
زخم اس کا نہ ہوا اس کے نصیب آخر کار
میل کو غم یہ لگا جو وہ گئی اور بھی لٹ

اس کے قبضے میں تو ہے دبدبہ کلہ شیر
پیپلا جائے ہے پھر سانپ سا گردن سے چمٹ
سلک گوہر سے نہیں کم بھی کچھ اس کی نابیں
موتیوں کی سی جو ہے جوہروں میں چمکاہٹ
بیم برش سے گر اس کے بدن اپنا وہ چرائے
آسماں دانۂ خردل کی طرح جائے سمٹ
آفتابی کا تری جس پہ یہ عالم دیکھا
اس کا ثانی نہ کہیں نکلے جو ڈھونڈیں سلہٹ
تیرے گھوڑے کی میں تعریف بیاں کرتا ہوں
توسن خامہ مرا کیوں نہ کہاوے جیوٹ
اتنا اسراع ہے کہ تو ہو کے سوار اس پہ اگر
جانب غرب اسے شرق سے پھینکے سرپٹ
اتنے عرصے میں پھر آوے وہ کہ وا ہو مژگاں
چشم سے بار دگر ہونے نہ پاویں غٹ پٹ
اپنی شوخی سے نہ باز آئے وہ جوں طفل شریر
ٹھچیاں موج ہوا مارے گر اس کے سٹ سٹ
اور جو ہاتھی ہے ترا کوہ شکوہ اژدر دم
ایک ٹکر میں کرے قصر فلک کو چوپٹ
گونجتا اس کا کڑک رعد کی ہے بادل میں
وقت رفتار میں آندھی ہے بگولے کی سمٹ
ختم کرتا ہوں دعا پر میں قصیدہ ممدوح
کیا کرے فکر کہ یہ یاں راہ بہت ہے اوگھٹ

تا یہ اکسیر گر چرخ بناوے ہر ماہ
ماہ و خورشید سے ایام قراں میں سنپٹ
کرے اس در سے مس قلب کو اپنے وہ طلا
سجدہ گاہ سر قیصر رہے تیری چوکھٹ
آرزو ہے یہی میری کہ جلد میں تیرے
غول کے غول چلیں باندھ صف اور غٹ کے غٹ
جو ترا دوست ہے صحت سے رہے دنیا میں
اور دشمن کی کوئی کاٹ نہ جانے بروٹ
زیست کا اس کی کچھ ایام بھی عرصہ نہ کھنچے
یہ دعا ہے مری ہوجاوے وہ یارب چٹ پٹ
اس کے احوال پہ ہووے نگہ لطف ذرا
یعنی یہ مصحفی زار پریشاں ہے نپٹ
مدح پر اس کی نظر کیجیے بہ چشم انصاف
نقد عمر اس کا گیا ہے اسی سودے میں پلٹ
اس سا مداح کوئی اور نہ تجھ سا ممدوح
تا کجا دیکھے زمانے کے یہ مسکیں جھنجھٹ

۞۞۞

71۔ در مدح اسپان نواب جلال الدولہ بہادر[1]

یمنی ہے لالہ رنگ تو پکھراج ڈیڑھا   خود لعل بے بہا ہے ترا لال بے بہا
گو برق بیقرار میں یمنی کے ڈھنگ ہیں   صرصر خرام وہ ہے تو یہ ہم تگ صبا
وہ جا کہ بول گاہ تھی پکھراج کی ترے   واں سے اگی ہے زرد چنبیلی ہی بارہا
ہر اک پون کا پوت ہے ہر اک پری کی شکل   ہر اک کے چاروں پاؤں ہیں پرواز میں ہما
سم وہ سڈول ان کے جنھیں ماہ چاردہ   سجدے کیا کرے ہے سدا سر جھکا جھکا
چتون میں ان کی سرمہ شوخی کا وہ سنوار[2]   چشم پری بھی جس پہ کرے آب کو فدا
وہ کلک ساق دستہ فولاد ناشکن   جن سے بزیر کوفت رہا ہاون و غا
آمد شد ان کی مثل دم مرتعش سریع   میلان و بازگشت میں بس ڈھنگ ایک سا
پہنچے ہے ان کی ٹاپوں کے صدمے سے اب تلک   دخمہ میں کاسۂ سر جمشید کو سزا
جب ضرب میل ساق سے نت پہنچے ان پہ کوفت   مرقد میں استخوان عدو ہوں نہ سرمہ سا
الماس کعبہ نذر کو لاتا ہے پیشکش   پٹھوں کی ان[3] کے دیکھ کے کوہ صفا صفا

چارم وہ لطفِ کردۂ نواب جم جناب　　سایے سے جس کے کسب سعادت کرے ہما
فرد شکوہ اس کا جو دیکھا بہ چشم عقل　　مطلع یہ اس کے وصف میں میں نے رقم کیا

مطلع

ہیبت میں ہے وہ شیر نیستانِ نبردہا　　قیمت میں ہے وہ لاکھ روپے[4] کی خرید کا
اس کی صفائے جلد کے عالم کو دیکھ کر　　روح الفرس نے پیرہن اپنا کیا قبا
زوار جانتے ہیں کہ اس وہم سیر کو　　اک گام کاظمین ہے ، دو گام کربلا
جانا انھیں زمین عرب تک ہے اک شلنگ　　ازبس ترا ہر اک عربی ہے زمیں چڑھا
ہموار فربہی نے کیا بس کہ ان کا جسم　　پشت و سریں میں فرق نہ آیا نظر ذرا
اڑتک اندھیری ان کی بہ از چادر نسیم　　اور خود سو درمیاں میں حبابوں میں جوں ہوا
دانتوں سے جب وہ گھاس کا مٹھا[5] اٹھاتے ہیں　　الماس اس گھڑی نظر آتا ہے کہربا
بانگ[6] صہیل ان کی ہے وہ دافعِ الم　　جو سامعہ کی کرتی ہے تقدیر میں دوا
ٹپس بندی ان کے حصے میں آئی مجرہ کی　　جوزا جو پیش بند کبھی آکے ہوگیا
گردن پہ گردنی سو بہ از معجر عروس　　جنبیدن سر ان کا ہمہ عشوہ و ادا
دیکھی جو اس عمارت عالی کی پختگی[7]　　اک مطلع بلند کی میں نے رکھی بنا
کیوں کر کہوں نہ اس کے تئیں باغ دل کشا　　وقتے کہ ہووے یہ ترے اصطبل کی فضا
اس کی ہوا میں روح فزائی ہے یاں تلک　　دق اور سل ہو جن کو وہ پاتے ہیں یاں شفا
کرسی نہ پائے آکے یہاں ہشتمیں فلک　　طبقے کا اس زمیں کے ہے اور مرتبا
یہ جا وہ ہے کہ ہوتی ہے بینش جہاں فزوں　　ہے یاں کی خاک اہل[8] بصیرت کی توتیا
حجرے بہم جو واسطے گھوڑوں کے ہیں تمام　　ترکیب ہندسہ میں خوش اضلاع و خوشنما
ہر ایک حجرہ خانہ ہے اک برق و باد کا　　یکجا ہوئی ہے رام بہم آتش و ہوا

بس ان کے مرتبے کو قیاس اس سے کیجیے پٹھوں کی جن کے ہووے مگس راں پر ہما
کیا دخل آوے لید کی بو اس مقام میں از بس غذائے خوش سے وہ ہوتی ہے مشک زا
دیتا ہے باج عنبر سبز ان کی لید کو مشک سیہ غلام ہے ان کا سو کم بہا
دیواریں وہ بلند کہ اندیشے کی کمند پھینکے جو ان پہ مدرکہ الٹے سوے قفا
میری نظر میں سبعہ سیارہ ہیں وہ رخش حجرے بروج اس کے وہ اصطبل ہے سما
لکھے قلم تو ہو اسے لغزش نوشت میں وہ ارتفاع قصر وہ دیواروں کی صفا
ہیں دیوزاد مرکب شیریں سے شوخ تر ہنگام تگی دیویں سواری میں اک مزا
حجروں کے ہیں دروں پہ جو پردے پڑے ہوئے ہے پردے میں ہی زاہد خلوت گزیں کی جا
ہے کوئی سر جھکائے مراقب خیال میں کوئی کر رہا ہے صبح میہلے کا ناشتا
سوسن صفت کھڑی ہیں کسی کی کنوتیاں نتھنے پھلا پھلا کوئی ہوتا ہے غم زدا
ہے کوئی اپنے شغل تنفس میں کاہ چیں کوئی[9] ہنہنا کے لیوے ہے گردن ذرا اٹھا
کوتہ دمی کو ان کی جو دیکھے تو بھول جائے عاشق درازی شب ہجراں کا ماجرا
سنبل کا تختہ دوست کی خاطر ہے ان کی یال اور وقت جنگ واسطے دشمن[10] کے اژدہا
پاکوب ہے جو کوئی تو کوئی ہے دست زن ہے طرفہ وجد وحال وحال میں ہر اک جدا جدا
دونوں پہ بس کہ دود نے عرصہ کیا ہے تنگ پشوں کا واں گزر نہ مگس کا مداخلا
جس کا یہ کارخانۂ عالی ہے مصحفی شاعر ہے تو اب اس کو تہ دل سے دے دعا
یعنی ہیں جب تلک کہ یہ انواع جوہری اور جوہر و عرض کا حکیموں میں تذکرا
یارب رہے تواتر لیل و نہار تک بچھوے کا تیرے نیش بہ جان عدو رسا

اور تا بہ روز حشر کبھی منقطع نہ ہو
فیض جناب مہدی علی خان مہ لقا

۞۞۞

72۔ قصیدہ در مدح جشن جلوس نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں بہادر دام اقبالہ[1]

(در جواب مرزا رفیع السودا)

شب دو شنبہ رکھی میں نے پلک پر جو پلک
اک پری کی سی شباہت گئی آنکھوں میں جھلک
نیم وا چشمِ خماریں کا یہ عالم اس کی
جس طرح غنچۂ نرگس کھلے اندک اندک
سر پہ شبنم کا وہ شفاف دوپٹہ سادہ
چاندنی دیکھ جسے دور سے رہ گئی بھوچک
ماہ تھا مضطرب اس شکل سے دیکھ اس کا جمال
جوں کتاں پر کبھی مہتاب کی پڑ جائے جھلک
موے سر دام بلا تھے دلِ عاشق کے لیے
ماند کرتی تھی جبیں مہرِ درخشاں کی چمک

چہرہ غربال تھا چھنتی تھی صباحت جس سے
زیب دیتے تھے یہ مکھڑے پہ نشانِ چیچک

موتیوں کی وہ لڑی کان میں اس کے دلچسپ
کہکشاں دیکھ جسے رہ گئی سر اپنا پٹک

خال رخسار کو اندیشہ یہی تھا ہر دم
جوں سپند سرِ آتش کہیں جاؤں نہ چٹک 2

سرخی چشم سے کافر کی یہ عالم پیدا
جیسے شیشے میں ہو رنگ سے گلگوں کی جھلک

چشم وہ ترک کہ ہرگز نہ پیے جام شراب
تا نہ کر لیوے مہیا دل رستم سے گزک

سینکڑا ابروے خمدار وہ باروت کا تھا
برق سیکھے تھی سدا جس سے اڑانی رنجک

صید کرنے کو غزالانِ حرم کے گویا
کجی اس کی تھی کماں اور مژہ تیرِ ناوک

تس پہ مژگاں میں یہ انداز تھا شوخی کا مدام
طفل کی دامن مادر میں ہو جس طرح ہمک

ہاتھ میں ترک نگہ کے تھیں دو شمشیر علم
غمزہ دیتا تھا جسے قتل جہاں پر پرچک

زلف کی بو سے دماغ ایک تو تھا طبلۂ مشک
تس پہ غارت گرِ جاں اور تھی بٹنے کی مہک

کر کے ضم دونوں وہ رخسار بنائے تھے مگر
آب گوہر کی صفا، برق تجلی کی چمک

چمن حسن میں بنی وہ گل شبو تھی
جس پہ پستول دو نالی کا گیا دم ہی پھڑک
پشت لب برگِ گل اور تس پہ پسینا شبنم
دہن تنگ سو درہائے عدن کی درجک
اس کی تہ سے یہ جھلکتی تھی صفائے دنداں
شاخ مرجاں سے نظر آوے تھی موتی [3] کی چمک
حبش و زنگ پہ لائے تھی بلائے مبرم
اس کی مسی کی دھڑی اور وہ کاجل کی دھنک
تھیں ثنایا میں دو گل میخ طلا تابندہ
یا وہ اک غنچۂ گل میں تھی دو جگنو کی چمک
جس طرح ماہ کو آغوش میں لیوے ہالہ
گردیوں سیب زنخداں کے تھی وہ نتھ کی لٹک
نگہ شوخ کی تھی وہ مژہ یوں تسکیں دہ
طفل بد خوے کو جوں دایہ سلاتی ہے تھپک
گوش وہ یشم کے تختے کہ بہ چشم دانا
رفع ہوجائے تھی جن سے دل عاشق کی دھڑک
نرمہ وہ صاف کہ ہے فکر صفا میں جس کے
سربہ زانوے صدف گوہرِ شہوار اب تک
اس کے حلقے میں دُرِسُفتہ کا تھا یہ انداز
اوس کا قطرہ رہے جیسے رگِ گل سے لٹک
لوٹ تھی سیب زنخدان پہ یوں طوطی چرخ
جس طرح کھاوے گرہ باز کبوتر غلطک

پشت سر برگِ گل و گردن مینا گردن
تس پہ اک قہرِ خدا جعد مسلسل کی لٹک
دیدہ حور صباحت پہ گلوں کی جو پڑے
صورتِ آئنہ حیرانی سے جھپکے نہ پلک
وہ پری گات تھی اس کی کہ یکایک جس پر
آنکھ پڑتے ہی ستاروں کی گئی آنکھ اٹک
چمپئی حسن وہ کافر کا دل آشوب جہاں
سر جھکا کر کرے مجرا جسے کندن کی ڈلک
گول گول اس کے وہ بازو تھے ڈھلے سانچے میں
بوجھ سے جن کے جھلک جائے تھی ساعد میں لچک
شمع کو حسن نے ساعد کے دیا داغ ایسا
کہ پڑی اشک ہو آخر کو لگن میں وہ ٹپک
دوش پر جس کے جنیئو وہ پڑا قہرِ خدا
جس کے انداز پہ مرمر گئی ہیکل کی کھنک
دل چرانے میں فزوں مینوں سے وہ فندق دست
تس پہ پھر وزد حنا ہم تگِ وزدِ و زردک
پنجۂ دست نگاریں وہ ملایم حرکات
جس کی جنبش سے گئی آتشِ یاقوت دہک
سینہ وہ لوحِ طلسمِ درِ گنجینۂ دل
دہشتِ جاں سے جسے ہاتھ لگاوے نہ ملک
تس پہ پستاں کا یہ عالم نظر آیا مجھ کو
سیب دو جیسے دھرے ہوویں میانِ صحنک

شوق میں ان کے دلِ پنجۂ مرجان ہے خوں
کفِ دریا کفِ افسوس ملے ہے اب تک
بس کہ خوبی میں وہ تھیں رشک ترنجِ پرویز
دست شیریں میں بھی دیتی تھیں ترنج و گزلک
چشم عینی ہی کی مژگاں کف افسوس نہ تھیں
ہاتھ ملتے تھے انھیں دور سے دیکھ اہل فلک
ان کے محرم کی کٹوری کا کہوں کیا عالم
چاہتی تھی یہ مئ حسن کہ جا ان سے چھلک
صبح عیدین کا عالم نظر آیا مجھ کو
وقت خمیازے کے محرم جو گئی ان کی مسک
روکش پنبۂ نداف شکم کی نرمی
نازکی جلد کی پھر پوست بہی کا بے شک
کردیا دم میں ہم آغوشِ لحد عاشق کو
جاں گزائی میں وہ سیلی تھی کہ ناگن کی لپک
مژۂ دیدۂ ناہید بنی جب سوزن
اس کی کرتی میں کھپی ماہ کی ساری پیچک
خطِ پرکار تھی صفحے پہ شکم کے وہ ناف
دائرہ جس کا بنایا تھا قضا نے کوچک
جس کے کرتے ہوئے پرواز ہوا میں وونہی
زرۂ پاے کبوتر کی گئی آنکھ اٹک
یا وہ تھا سطحۂ نسرین پہ پری کا چھلا
ہاے ہوز تھی وہ یا مہر ارک یا چشمک

ناتواں ہیں گرہِ موے میاں سمجھے تھے
قطب تارے کا گماں رکھتے تھے سکّان فلک
کمر اس نازِ مجسم کی یہ 4ے دیکھی معدوم
ڈھونڈتی پھرتی تھی دن رات جسے خس کی لچک
تودے گل ہاے سمن کے وہ سرینِ نازک
کمرکھ اندام نہانی سو بہ شدت کوچک
بن کا شاعر 5ے کو کبھی اس پہ گزرتا تھا خیال
سمجھے تھا دانۂ گندم کبھی مرغِ زیرک
رانیں دونوں تھیں جو نرمی میں پروں کے تکیے
سر کو رکھ سو رہیں ان پر یہی چاہیں تھے ملک
دھیان میں ان کی صفائی کے مرے مردمِ چشم
کبھی پھسلے تو رہے عقدۂ زانوں سے اٹک
بلکہ وہ شاہدِ خوبی کے دو گل تکیے تھے
جن پہ نیند آنکھوں میں آجائے تھی نرمک نرمک
بعد ازاں ساز بلوریں کی صفا ہائے رے ہائے
جن کا عشاق کی گردن پہ رہا حق نمک
پشت پا نت سر پا روے پری پر مارے
کف حورا کا دہن لال کرے رنگ کفک
جوں چھڑی بید کی اس کا وہ نہال قد تھا
جس کو بس دیکھتے ہی صبر گیا دل سے سٹک
یہی خطرہ تھا صبا کے تئیں ہنگامِ خرام
آتشِ رنگِ کفک جاوے نہ دامن سے بھڑک

مستی حسن میں سرشار تھی اتنی وہ کہ بات
ہردم اس کے دہن تنگ سے جاتی تھی بھٹک
کیا کہوں رائحہ لعل شراب آلودہ
مست کرتی تھی مسیحا کے تئیں جن کی بھبک
سر پہ لاتی تھی قیامت وہ زمیں والوں کے
تھی دل آشوب جو ان پاؤں میں پائل کی چھنک
آنکھ پڑتی تھی جو آئینے میں اس کی گہ گاہ
اپنے ہی عکس سے ہر بار وہ جاتی تھی جھجک
دیکھ پازیب گہر پاؤں میں اس کافر کے
شب جو تھوری تھی لگا دیکھنے میں سوے فلک
صبر ہوتا تھا اسے دیکھ جو مجھ سے رخصت
بس یہی منہ سے مرے نکلے تھا اللہ معک
وصف میں حسن کے اس کے میں لکھا وہ مطلع
شہرہ جس کا گیا رقصاں ز سماتابہ بہ سمک

مطلعِ ثانی

ٹھہرے کیا چہرے پہ اس کے نگہ پیر فلک
مہر و مہ کی نہ رکھے آنکھوں پہ جب تک عینک
یہ صنم جس کا میں مذکور کیا خاطر خواہ
خوب دکھلا کے مجھے اپنے سراپا کی بھڑک
بولی ناگاہ تو کیا سووے ہے اٹھ اے غافل
صبحِ نوروز سے اس صبح کی مانا ہے دمک

نام ہے دولت بیدار مرا، ہوں میں وہ شخص
خواب میں جس کے کبھی آؤں مجلیٰ ہو تنک

ہووے زاہد تو وہ تسبیح کو اپنی بھولے
باندھے زنار جو چوٹی کی لٹک دیکھے تلک

کشتۂ تیغ ادا ہیں مرے ہر ملک کے بیچ
قوم اتراک و قزلباش و مغول و ازبک

مژدہ لائی ہوں ترے واسطے کہہ نظم نئی
قصۂ طول و طویل ست بیان تک سک

آج کا روز ہے وہ روز جلوس نواب
جس سے دہ چند ہوئی صدر وزارت کی بھڑک

جشن سال نو اسی جشن معلّیٰ کا ہے نام
ساز عشرت نہ کریں کیوں کہ بزرگ و کوچک

صاحب دبدبہ نواب یمین الدولہ
جس کی شمشیر سے مانگے ہے اماں ترک فلک

اختر برج سعادت ، مہ اوج اقبال
صاحب طبل و علم وارث اسپ و اسپک

کام اٹکا نہ رہے جب کہ کسو کا اس سے
کیوں کہ کہیے ترے دریائے سخاوت کو اٹک

تیری دقاق نظر وہ ہے کہ جس کے ڈر سے
نیم خردل کو چرانے نہیں پاتے زیرک

ہووے اس حقے میں کیا اشرفی و مہر کی قدر
ماہ داغی ہو جہاں مصرف چرم غوک
ہفت اقلیم میں آوازہ نہ کیوں ہووے فاش
کوس پیلی کا تری جب ہو مہ نو ہو شک
جس زمیں پر کہ ترے عدل کی برپا ہو کمان
سبزہ واں خاک سے نکلے ہے بہ شکل پیلک
حکم نافذ ہو اگر منبع پہ دریا کے ترا
آب آئینہ کے مانند وہ رہ جائے ٹھٹھک
کوہ کو ہووے اشارہ جو رواں ہونے کا
مارے ہر سنگ ستاروں کو فلک کے چشمک
رحم کو دیکھیے تیرے تو ہے اللہ کا رحم
شعلہ قہر میں پر نکلے ہے بجلی کی کڑک
رفع بدعت پہ ترا آوے جو ممدوح مزاج
مے ہو جوں حرف غلط صفحہ ایام سے حک
اپنے قالب کو تہی کرتا ہے ہر اک تارا
اس تمنا میں کہ ہو تیغ کا تیری پینک
حب افیوں جو ترا نغمہ تہدید سنے
چنگ کی شکل سے پیدا ہو نہ شکل پینک
رافع ساز غنا ہو جو ترا شحنہ عدل
ماہ و خورشید پرے پھینک دیں گردوں ڈھولک

نکلے گر خنجرۂ مرغ چمن سے تحریر
ووں ہی اٹھ جائے صبا باغ سے دامن کو جھٹک
واسطے اس کے دونہی آب ہو آتش، مطرب
آب میں حوض کے گر بیٹھ کے گاوے دیپک
ان عمارات کی کس منہ سے صفا کا ہو بیاں
گوہر سوختہ کا صرف ہو جن میں آہک
گر بلندی پہ نظر کیجیے تو ترے ایواں کی
منظر ہفت فلک اس کی ہے [7] ادنا کوشک
برجیوں کے جو کلس اس کے فلک دیکھے ہے
چاہتا ہے کہ انھیں لیوے ہوا میں سے اچک
درو دیوار پہ وہ نقش و نگار دلچسپ
جان کو بیچ کے بہزاد ہو جن کا گاہک
دیکھتا [8] خاک کی قسمت کو جو یاں اقلیدس
اپنی تحریر کو لیکھے کی بناتا بیچک
بے خس و خار و غبار ایسی روش ہے اس کی
جس کو کلکتہ سے بھیجے ہے خط شوق سڑک
باد پا ہے وہ ترا وصف کے قابل جس کی
اطلس چرخ کو ہرگز نہ کروں میں اڑتک
مردم دیدۂ شوخی ہے وہ نوزاد کرہ
داغ ران اس پہ ہے اب تک نہ نشان چھلک

کوند بجلی کی نہیں پاتی چمکنا اس کا
گرچہ سرپٹ سے عیاں ہووے ہے بادل کی کڑک
شرق اور غرب سے، سرعت پہ نظر کیجے اگر
عرصہ آمد و شد اس کا ہے مژگاں کی جھپک
نعل چمکیں ہیں ہوا میں تو دکھا جاتی ہیں
میخیں ہر نعل کی اک خوشہ پرویں کی چمک
صدمے کا ٹاپوں کے عالم ہے یہ غارت گر ہوش
جس سے پہنچے ہے دل گاو زمیں کو بھی دھمک
اس فلک سیر کا ہرگز نہ ملا اس کو سراغ
مرگیا پیک صبا کوہ و بیاباں میں بھٹک
پیل جنگی کی ترے کیا میں کہوں[9] عظمت و شان
کی سدا رنگ نے جس کے شب اسود[10] کی کمک
بان ہے تیر شہاب فلک اس کے آگے
شور چرخی کو سمجھتا ہے وہ پشے کی بھنک
اس کے دانتوں کی صفا آئنہ ساعد حور
اس کے پاؤں میں شب وصل کی سرعت کی کھٹک
بدر کے وسط میں ہے ابر کا لکہ خرطوم
نہیں دنداں یہ اسی کی ہے دو جانب سے چمک
اس کی پیشانی اودی مہرہ جو دیکھی میں نے
مطلع آیا یہ وونہی میری زباں سے لب تک

مطلع ثالث

بل بے خرطوم کی پھنکار تری اور لٹک
جس سے پنہاں ہوئے پتال میں راجا باسک

کیوں نہ آثار تجلی ہو نمایاں اس سے
حلہ طور ہے سر اور شجر طور کچک

رنگے مستک کو مہاوت جو بہ روز خوش عید
جلوۂ بو قلموں دے بہ نظر سنگ محک

اس پہ ہودا جو کسا جائے ہے چاندی کا ترا
روم میں چشمہ شاپور کو پہنچے ہے دھچک

نالہ صور کا ہوتا ہے گماں مردوں کو
اس کی زنجیر کی سنتے ہیں لحد میں جو چھنک

دم رفتار گر آجائے کبھی پاؤں تلے
بیضۂ پوچ کے مانند فلک جائے پچک

حامل اس کوہ گراں کی ہو اگر اک ساعت
کمر گاو زمیں سے بھی نکل جائے کسک

ماہ چاہے ہے سری مجھ کو بنادے کوئی
حلقہ بن اس کے گلے کا جو کلاوا ہو دھنک

مخمل سرخ کی جھول اس پہ وہ ہے رنگت[11] میں
شفق شام کے بھی دل کو ہو جس سے چینک

شب تاریک میں گر حکم سواری پہنچے
روکش چرخ مکوکب ہو ستاروں کی چمک

اس کی ٹھوکر سے سدا کوہ زمیں ہیں پاشاں
اس کی ٹکر سے سدا قصر فلک ہے بھوتک
وصف شمشیر میں کرتا ہوں زباں اب گویا
آبگیری سے کبھی [2] [1] جس کی نہ جانبر ہو ملک
ہے یہ اس تیغ میں برش جو زمیں پر اگلے
دو کرے گاو زمیں نیم بریدہ ہو فلک
ملتیم زخم نہ ہو آب پر اس کا اس طرح
نازک اندا موں کے جوں جسم پہ چولی کی لٹک [13]
امتحاناً جو کوئی دیکھے ہے باڑھ اس کی کبھی
بس کہ برا ہے وونہی ہاتھ سے جاتی ہے چپک
کیا میں حاتم کو بتاؤں ترے مطبخ کا شکوہ
نعمت ہر دو جہاں جس کا ہر اک خوان چشک
عقل کل اس [4] [1] کا اگر آکے بنے باورچی
یہی اندیشہ رہے اس کو نہ پھیکا ہو نمک
حاصل ملک خراساں کو یہاں پوچھے ہے کون
حاصل روم ہے یاں خرچ پیاز و ادرک
خاتمے کی طرف اب آئے ہے طبع مداح
یا الٰہی نہ ہوں تا چرخ سے تارے منفک
اور جب تک کہ قبائے فلک اطلس میں
دستہ ہو خوشئہ پرویں و مجرہ پیمک

ہے تر و تازہ جو یہ باغ تری حشمت کا
اس میں دن رات رہے سبزۂ دولت کی لہک
سبعہ سیارہ رہیں شب تری چوکی میں مدام
بلکہ لشکر میں ثوابت سے تولے کار ترک
گوشہ چشم ترحم کی میں رکھتا ہوں طمع
نہ تو جاگیر کا خواہاں نہ حریص صحنک
لے قصیدے کو بہ انداز حریفان دگر
نہیں ہرگز میں کسی در پہ گیا آج تلک
روز و شب کنج قناعت میں رہوں ہوں بیٹھا
گرچہ شاعر ہوں ولے یہ نہیں میرا مسلک
خار کھائے ہیں میں اتنے کہ اگر واقف ہوں
میرے نسخے میں اطبا نہ لکھیں خار خسک
قفس تنگ میں افلاس کے گوہوں میں اسیر
ہے زباں تو مری گلزار سخن کے شارک
آرزو ہے کہ گزر جائے کرم سے تیرے
آخر عمر مرے با دف و چنگ و تنبک
آنکھ سے میری جدا ہووے نہ رخسار نکو
کان سے میرے جدا ہووے نہ طبلے کی گمک
گل مقصد مری ہر شاخ امل لاوے بار
خار افلاس کی باقی نہ رہے دل میں کھٹک

ہے شب فکر مری رشک شب قدر و برات
نہ کرے کار قلم کیوں کہ قلم کی پولک
گرچہ سودا نے تو اس بحر میں باقی نہ رکھا
کوئی مضموں کہ تسلی مری ہوتی اندک
دست و پا جس پہ بھی میں نے جو ہیں مارے بجہد
داوار 5 ے[1] کام ہے میرا نہیں کار ہر یک
سامنے تیری شجاعت کے ہے رستم روباہ
روبرو تیری سخاوت کے ہے حاتم کنفک
مصحفی ہے جو دعا گو ترا نواب وزیر
اس کے احوال پہ بھی تو متوجہ ہو تنک

✡✡✡

73۔ قصیدہ در مدح کلب علی خاں

لیتے خمیازہ جو اس گل کی گئی چولی چس
جا پڑی صاف بدن پر نگہ اہل ہوس

خندۂ گل کے ہوئے ایسے وہ مصروف کہ بس
ہمصفیراں نے نہ کی یاد اسیران قفس

ساتھ ناقے کے جو کی گرم روی مجنوں نے
تپش ریگ بیاباں سے گئے پاؤں بھلس

کشتی چرخ نہ طوفان میں آجائے کہیں
دن ہیں برسات کے اے ابر مژہ تو نہ برس

تا قیامت کبھی بیدار نہ ہو وہ مسموم
افعی زلف بتاں جس کے تئیں جاویں ڈس

رسن زلف میں اس گل کی ٹھہرتا ہی نہیں
دل بیتاب مرا مثل سگ برزہ مرس

برق اور باد سے ڈرتے ہی نہیں اہل نبات
کوئی بندوق کے بیٹنے سے بھی اڑتی ہے مگس

شانہ بن دست درازی کیے کب رہتا ہے
بال زلفوں کے عبث رکھتے ہو چیرے[1] میں گھرس

بس کہ میں ضبط غم عشق کیا ہجراں میں
پھوٹ کی طرح سے سینہ گیا یک لخت بکس

خرد برد مرض عشق نہ مفہوم ہو کچھ
دیر تک دست مسیحا میں رہے گر تلمس

من و سلوا پہ جو قانع نہ ہوئے موسائی
دشمن جاں ہوئی ان کو ہوس بصل وعدس

رنگ اڑ جائے دونہی چہرے سے اس کے دم میں
مصحفی میرا ترانہ جو سنے ٹک رنگ رس

سو وہ یہ کلب علی خان بہادر کی ہے مدح
دیکھ حیراں رہے جم جس کی جناب اقدس

پاسبانی پہ زمانے کی جو رائے اس کی آئے
دزد معنی کے لیے خامہ کرے کارِ عس

شخص محتاج پہ ہے اس کی توجہ جو فزوں
خلق کہتی ہے سدا اس کو کس ہر بے کس

عہد میں اس کے ستم گاری کا جو نام نہیں
قافلے میں نہ سنی میں کبھی فریاد جرس

کیوں نہ ہو مزرعِ امید غریباں سیراب
ہے رواں دست جواد اس کا بہ از رود ارس

صاحبِ حلم و حیا کوہِ وقار و تمکیں
منبعِ جود و کرم دادرسِ ہر بیکس

مومن پاک محب علی و آل نبی
جس کی خدمت میں کمر بستہ ہے چرخِ اطلس

پھیر دے پنجۂ رستم کو جو وہ زور کے وقت
ہو کے حیراں وہ کہے واہ رے تیرا کن کھس

تیغ نے اس کی جہاں پاک رذیلوں سے کیا
شعلہ چھوڑے نہ زمیں پر کبھی یک ریزۂ خس

یہ فصاحت ہے زباں میں دمِ توضیح سخن
جس کی تقریر کے مداح ہیں اہل فارس

دیکھ کر رنگ سیہ فیل کا تیرے ممدوح
شب دیجور گئی آتشِ غیرت میں جھلس

آپ ہے وہ شب تاریک تو ہودا اس کا
خوش جلائی[2] میں ہے قرصِ مہ کامل سے سرس

جھول اس طرح کی زرباف کہ جو موئی کو
ہر ستارے میں دکھادے شرر نار قبس

آوے خرطوم سے صورت میں نظر کالی نے
دانت پر رکھے تو پھر دوج کی ہووے ماوس

گر سیہ جردہ کہوں اس کو تو پھبتا ہے مجھے
کیوں کہ شکل خم ابرو ہے یہ اس کا انکس

دل میں خورشید درخشاں کے ہے وہ خار ہنوز
اس نے دیکھا تھا کہیں اس کی عماری کا کلس

آگے گھوڑے کی میں تعریف کروں کیا کہ وہ ہے
تیز گامی میں ہوا، قوت تن میں راکس

تس پہ اسرع ہے وہ اتنا کہ اگر مرد سوار
چھینکے مغرب سے اسے جانب مشرق بہوس

دو قدم میں وہ کرے عرصہ ایام کو طے
بلکہ ہو طول ازل تا بہ ابد نیم نفس

کوند بجلی کی کہے کوئی ہوا میں اس کو
دشت میں ڈھنگ چھلاوے کا دکھاوے وہ فرس

اس کے پٹھوں میں صفایہ ہے کہ جن پر ہردم
بیٹھتے بیٹھتے جاتا ہے پھسل پائے مگس

بس کہ رہتا ہے کسا اور گھٹا لحم اس کا / دخل کیا ہے کہ پرے جلد میں ٹک اس کی اجرس
آبداری جو تری تیغ کی تقریر کرے / دوں ہی شاعر کے تئیں تیغ زباں دیوے جس
تجزیہ لا یتجزیٰ کا کرے اک دم میں / وقت برش کے وہ شمشیر ہے ایسی جزرس
مصحفی اب طرف خاتمہ ہے اپنا خیال / طبع ان قافیوں میں مجھ کو یہ کہتی ہے کہ بس
لیک اس پر بھی میں جاتا ہوں اڑائے گھوڑا / ہے زمیں بس کہ قصیدے کی مسطح چورس
کرۂ خاک پہ جب تک گہر افشاں ہے سحاب / جب تلک چاہ سے لبریز نکلتا ہے چرس
زیر افلاک شب و روز میں جب تک ہے تضاد / جب تلک مور کو ٹک مار سے ہوتی ہے کھس
جب تلک کلغی کے سر پر ہے فرنگی ٹوپی / جب تلک پا میں ہے غنچے کے گلابی برجس
جب تلک پنجہ زن لحم رہے دست زغن / دور بینی کرے جب تک کہ نگاہ کرگس
عید قربانی مبارک ہو تجھے اے ممدوح / نخل امید تر لاوے [3] ہمیشہ نورس
مس پیشانی کریں اس پہ طلا اہل نیاز / آستانے کا ترے سنگ ہو رشک پارس
جو ترے دوست ہیں وہ شاد رہیں دنیا میں / وہ جو دشمن ہیں انھیں آتش غم جائے جھلس [4]

صد و سی سال رہے مسند اقبال پہ تو
یہ دعا ہے مری بستی تری بسیو سو بس

✿✿✿

74۔ در مدح نواب غازی الدین حیدر

اگر نزاکت موے میاں کروں تحریر
شکست چینی فغفور ہو شکست پذیر

نہ نکلے کام جو آہن دلوں سے دنیا میں
جگہ نہ خار کو پیکاں کے دل میں دے بے پیر

خیال اصل نہ کر اس طلسم حیرت کا
کہ ایک موے دے وابستہ کی (لب) تصویر

مقلدوں کی اگر قدر ہو زمانے میں
تو کیوں برہنہ رہے موج آب کی شمشیر

ہزار بہمن و دارا ہیں خوں میں غلطیدہ
زمیں ہے رزم شہاں سے مرقع تصویر

نہ ظلم پیشہ کا ہرگز برا ہو دیکھ لیا
ہمیشہ شعلہ آتش ہے روزی گلگیر؟

جہاں طلسم ہے عاشق کی تیرہ بختی کا
کرے ہے مہر بھی ظلمت میں دن کو واں شب گیر

مقام فقر کو لازم ہے اک ثبات دوام
اسی سبب تو نہیں مضطرب یہ موج حصیر

کمیں میں وقت فراغت کی تھا کہ آخر کار
بہانہ ہوگئی یوسف کو خواب کی تعبیر

میں اس قدر تو ستم دوست تھا کہ روز ازل
بہ آب تیغ مرے استخواں ہوئے تھے خمیر

مجھے سدا ممکی اور نمش پہ پھسلایا
زمانہ سامنے لایا مرے جو کاسۂ شیر

سنے جو نغمہ رنگیں مرا بہ گوش قبول
چمن میں مرغ خوش الحاں کو بھول جائے صفیر

سدا لباس خشن کو رکھا لباس مرا　کہ بھول کر نہ کروں یاد پرنیاں و حریر
جو کام بھی مجھے سونپا تو اس نے وہ سونپا　کہ جس کو اہل بلاغت کہیں ہیں ننگ دبیر
درم کا نقش جگہ پاوے کیوں کہ دل میں مرے　کہ اضطراب سے پانی نہ ہووے عکس پذیر
شب گزشتہ میں تھا سوچ میں کہ کیا کیجیے　کہ جس سے دور ہو فی الجملہ اضطرار ضمیر
کہ اتنے میں مجھے یوں غیب سے ندا آئی　کہ اے بہ فن سخن بہ ز انوری و ظہیر
ہوا ہے صدر وزارت پہ جلوہ فرما آج　فروغ نجم سعادت وزیر ابن وزیر
تو اس کی مدح میں لکھ وہ قصیدۂ غرا　کہ جس کی نظم پہ گوہر کرے نثار حریر
یہ اس کا اسم مبارک جو غازی الدیں ہے　غزا میں حیدر صفدر سے کم نہیں یہ دلیر
سپہر مرتبہ نواب رفعت الدولہ　کہ جس کا دست قضا بھی بنا سکا نہ نظیر
شجاعت اس کی سے برج اسد پہ رعشہ ہے　کہ آفتاب کو بندھوا نہ لے کہوں شمشیر
خط شعاع نہیں یہ کہ اس نے گردن پر　کمند پھینک کے خورشید کو کیا ہے اسیر
کرے گر اس کو نشانہ وہ اپنے تیروں کا　تمام سد سکندر ہو صورت کفگیر
ہوا ہے جود سے اس کے یہ انقلاب زماں　کہ ہیں سدا درم نقطہ میش پائے فقیر
کبھی جو میش چرے کشت فیض اس کا بہ خواب　تو روشنی میں مقابل ہو آ کے قرص منیر
عدالت اس کی تساوی کا حکم جب فرمائے　رہے نہ ساز میں پھر فرق نالۂ بم و زیر
جو گر کے آگ پہ جل جائے خود بخود تنکا　تو محکمے میں اسے لاویں باغل و زنجیر
زمیں کو اس نے کیا ہے مزارعت کا مکاں　فلک کو اس نے بنایا ہے خاک تودۂ تیر
جہاں وہ رمح چلی لاکھ سر ہوئے غربال　جہاں وہ تیغ چلی سو گلے ہوئے تکبیر
کہاں جو قبضے میں لے وہ تو بولے ترک فلک　کہ تو جو چاہے سو کر میں ہوں سر بسر تقصیر
بسان شعلہ کرے اس سے سرکشی کوئی کیا　بہ آب تیغ بجھاتا ہو جو شرار شریر
زباں سے ہوں مری سرسبز لاکھ مزرع خشک　اگر بیان ترشح کی میں کروں تقریر

جو برسے سامنے اس دست گوہر افشاں کے ملائے خاک میں محنت کو اپنی ابر مطیر
وہ موج آب بقا اس کی ہے ہر اک انگشت کہ جس کے رشح سے ہو زندہ ماہی تصویر
نقاب نافہ آہو کے منہ سے پھر نہ کھلے جو بوے خلق کی اس کے ختن میں ہو تشہیر
خضاب فضل و کرم سے ترے عجب کیا ہے کہ ہو بدل بہ سیاہی سفید موے پیر
یہ التفات کا اس کے ہے تو سمجھ لے فیض کسی میں ہووے مروت اگر بقدر شعیر
جفا چرخ سے ایمن ہے تیرا سایہ نشیں کسی نے صید حرم کو کیا نہیں نخچیر
چھپے شکستہ مژہ سا وہ چشم مردم میں جو ماہ نو کو تو دیکھے بہ دیدۂ تحقیر
اگر سخاوت حاتم کا کیجیے احصا نہ ہووے گی تری داد و دہش کے عشر عشیر
جو گرز مارے تو دشمن کے اس کا کاسۂ سر یہ چور ہو کہ بنے ریزہ دانہ انجیر
مٹا ہے عہد میں تیرے زبس خلاف و تضاد غزالہ شیر کے بچے کو سمجھے ہے ہمشیر
ہو آفتاب معاتب بہ جرم خوں ریزی شفق کی موسم گرما میں پھوٹے گر نکسیر
تو ہے وہ صاحب نعمت کہ جس کے مطبخ میں پیاز ہیں کرہ ہائے فلک تو انجم سیر
قلم تو ہاتھ میں نرگس نے لی پہ لکھ نہ سکی تری ثنا کہ بیاض اس کی تھی کمال قصیر
جو گرد راہ تری میل سرمہ اس کا بنے تو پاے رخش کی تپلی بھی دفعتاً ہو بصیر
نگاہ خشم سے دیکھے اگر تو زنگی کو خلاف قاعدہ رنگ رخ اس کا ہو تغیر
جو تیری آنکھ کے ہووے مقابل اس کی آنکھ تو ہو عیاں رخ تصویر سے خوی تشویر
یہ چاہتا ہے مرا جی کہ اے وحید زماں تری ثنا میں ہو اب مطلع دوم تسطیر

مطلع

جو پیل پر تو لگاوے بہ امتحاں شمشیر تو ہو دو پارہ گرے ساتھ اس کے چرخ اثیر
برش کی اس کی میں تیزی لکھوں تو بال قلم یہ تیز ہو کہ نیام قلم کو جاوے چیر

وگر وہ برق گرے خود پوش کے سر پر　سوار و زیں سے گزر کاٹ جائے تا خوگیر
وگر تو کوہ کی چوٹی پہ مارے ہاتھ اس کا　شکم تلے پڑے گاو زمیں کے خط کی لکیر
کہا فلک نے ترے پیل خوش خرام کو دیکھ　ہوئی ہے زندہ بہ اعجاز عیسوی شب قیر
کیا خیال تو دانتوں میں سوجھی یوں خرطوم　کہ اژدہا ہے شناور میان لجہ شیر
یہ اس کا حوضہ سیمیں ہے زرق و برق کے ساتھ　بہ عرض و طول مربع بہ ارتفاع قصیر
نگاہ مہر کو لگتی ہے جو چکاچوندی　ضیا کے سامنے اس کی رکھے ہے حکم ضریر
قدم زمیں پہ وہ رکھتا ہے ایسی تمکیں ساتھ　بہ پائے خفتہ شب ہجر جوں کرے شب گیر
یہ اس کی جھول میں درگل ہے بند روم کا کام　کہ جس سے دیدۂ انجم کی ہو فزوں تنویر
کجک کو دیکھ کے مستک پہ اس کی جلوہ فروش　چھپی غمام کی چادر میں برق کی تحریر
مورخوں نے کہا دیکھ اس کا رنگ سیاہ　کسی زمانے کی شاید ہے یہ کہن تعمیر
ہو جس زمیں پہ ترا باد پا عرق افشاں　وہاں کی خاک سے آوے ہمیشہ بوے عبیر
لکھے حساب میں سرپٹ کے اس کو منشی چرخ　جو چرخ کھاوے وہ ہنگام کاوۂ تدویر
وہ نعل و کاسۂ سم دیکھ خلق کہتی ہے　ہوئے نہ تھے کبھی یکجا ہلال و بدر منیر
رکھے ہے تس پہ یہ سرعت کہ طے کرے دو جہاں　بہ نیم چشم زدن وہ کرنگ عرش مسیر
رکاب بھی نہیں کرتا ہے اس کا گلگوں کی　زمانہ بس کہ سمجھتا ہے ماہ نو کو حقیر
خط غلامی لکھے جس کو والی کابل　پھر اس کے سامنے کیا قدر حاکم کشمیر
پڑا ہے میوہ فروشوں میں اضطراب سفر　عراقیوں کی خریداری ہے بصد تکثیر
چلیں ہیں قافلے بن بن کے خاک مغرب سے　رواں ہیں ہند کی جانب کو اشتر اور بعیر
ہوا ہے زندہ مگر پھر کے آصف الدولہ　کہ جس کی بخشش خلعت کی ہے یہ کچھ تشہیر
چچا کی وضع نکلتی ہے اس بھتیجے میں　بجاہ و حشمت و اقبال و حکم عالمگیر
اس آستاں پہ جو آوے وہ کیمیا گر ہو　کہ یاں کی خاک کو ہے حکم بہتریں اکسیر

ترے جلوِ معلّی کی کس سے ہووے شمار　　کہ فوج مور و ملخ سے بھی ہے زیادہ بہیر
کیا ہے مالک مسند خدا نے آپ تجھے　　کہ چاہتی تھی یہی دل میں بازی تقدیر
یہ سوے خاتمہ ہوتی ہے اب مرجوع کلام　　نہ ہووے صرف دعا کس طرح قلم کی صریر
الٰہی صدر وزارت پہ تا صد و سی سال　　رہے تو قائم و دائم بہ حکم رب قدیر
کلاہ سر سے اتاریں تمام عباسی　　جھکاویں جبہہ ترے در پہ صاحبان سریر
بہشت ناز و نعم ہووے روزی احباب　　عدو کے واسطے آمادہ ہو عذابِ سعیر
جہاں تلک کہ ترے عمو و برادر ہیں　　رہیں سدا تری مرضی میں یہ صغیر و کبیر
چلیں جلو میں ترے غث کے غث پرے کے پرے　　صفوف باندھ کے پیش آئیں تیرے جم غفیر
سبھوں کے کیسے سے جاری ہوں روز مسدودہ　　رہے نہ گوشہ خلوت میں اک گدا دل گیر
ہر اک کا ایمہ اور پا بکار کھل جاوے　　گرفتہ دل نہ رہے کوئی صاحب جاگیر
یہ مصحفی جو ترا مدح گو ہے حال کے بیچ　　کہے ہیں اس نے قصیدے بہت بہ مدح وزیر
حسد نے اس کی نہ کی رہبری کسی نے وہاں　　نہ کچھ اسی سے بن آئی تلاش بے تدبیر
فشار قبر ہے اس کو یہ مفلسی کا فشار　　ہر ایک موج ہوا بلکہ درۂ تعزیر
نہ سیر سبزہ و آب رواں سے وا ہو دل　　نشاط بخش نہ فوارہ اور نہ آب غدیر

نگاہ لطف و کرم تو، تُو کر۔ تو ہے فیاض
کہ اس کو جور زمانہ نے کر رکھا ہے حقیر

۞۞۞

75۔ در مدح کلب علی خاں

برج حمل میں نیر اعظم کا ہے گزار   کیوں کر نہ ہو بہ وضع دگر رنگ روزگار
جوش و خروش و ولولہ نامیہ سے ہے   گلہائے نودمیدہ کی آبی بہ روئے کار
پاتا ہوں تازگی سے درختان خشک کو   اس فصل میوہ زا میں میہائے برگ و بار
گلگلوں سوار لالہ نعماں کے رو بہ رو   ہے گرد دستہ ہائے قزلباش کی قطار
خود پھوٹ کی طرح سے بکتا ہے اس کا پوست   کیوں کر کرے نہ خندۂ دنداں نما انار
ششدر ہے اس کو دیکھ کے چرخ زبرجدیں   مہندی کی ٹٹیوں نے بنایا ہے جو حصار
کرتا ہے سیخ پر پر مرغ کباب کو   شعلہ جو نامیہ سے ہوا تھا کہیں دو چار
جوش نمو ہے بس کہ دلِ کوہسار میں   نکلے ہے سبزہ سنگ سے بے منتِ غبار
لطف ہوا نے بس کہ جبل میں اثر کیا   تختے سے شال کے نہیں کم نسبت حجار
یخ بستہ تھے جو چشمہ و انہار و حوض باغ   ہے خیز آفتاب سے ایک ان پہ انفجار
طغیان سبزہ معنی تحت العظام کو   کرتا ہے قبر کہنہ دفینوں سے آشکار
نم دیدہ ہے سیاہی سے کاغذ یہاں تلک   ریحاں ہو اس کا نام جو لکھیے خط غبار
گر اس ہوا میں دانہ فولاد ہوں پڑے   مستعبد اس قدر نہیں یہ تاب زیبہار

نکلے ہزار اس سے خط و سطح چمن / خارج میں گرچہ شکل تھی نقطے کی نوک خار
اک گل نہیں کہ اس پہ نہ دانے ہوں اس کے جمع / شبنم ہے بس کہ درپے ترصیع نوبہار
سرمستی نشاط سے دیکھوں ہوں ہر طرف / ساغر شکستہ ساقی و مینا شکستہ یار
زردی چھپی ہے زاویہ تخم مرغ میں / جس دن سے تاجدار خزاں کر گیا فرار
جھک جھک پڑیں ہیں بس کہ شگوفے کی ڈالیاں / خاک چمن ہے مشرقِ صبحِ شفق بہار
از بس کہ دن بڑھا ہے ذرا اور گھٹی ہے رات / اندازۂ دگر پہ ہے ساعات کا شمار
ظاہر کرے ہے معنی اثبات و محو کو / بیت الشرف کہ اس پہ سعادت کا ہے مدار
ہے ان دنوں میں روح نباتی کا خاک سے / پیماں درست و قول و قسم جملہ استوار
پھولوں کی سمت دیکھیے گر اب کے سال ہے / سب سے زیادہ فاختی رنگ پر بہار
یہ چاہیے مجھے کہ میں ایسی بہار میں / نوروز کا قصیدہ لکھوں کوئی آبدار
اس کے لیے کہ نام ہے جس فخر خلق کا / فیاض دہر کلب علی خان جم وقار
بحر عطا و کان سخا مظہر کرم / دریا نوال و حاتم ثانی روزگار
دانش سے اس کی حکمت لقماں کو تولنا / ہرگز نہیں ہے مجھ سے سخن سنج کا شعار
آوے مزاج اس کا عدالت پہ گر کبھی / ہووے یہ تسویہ سے جدا لیل اور نہار
پیدا کیا خدا نے جو روز ازل اسے / عالی نسب، بلند حسب، صاحب اقتدار
سمجھے ہے چرخ اس کی غلامی کو اپنا فخر / مہ رخ پر اس کے رکھے ہے وا چشم انتظار
تیغ ولایتی کا تری وصف کیا لکھوں / واقف ہیں اس کی کاٹ سے مردان سرگزار
جوہر جب اس نے سخت بری کے عیاں کیے / پشت کشف کو کاٹ گئی صاف جوں خیار
تسمہ لگا رکھا نہ کبھی اس نے صید میں / کم گوشت گرچہ آپ تھی صورت میں تسمہ وار
بجلی کے ڈھنگ رخش سواری میں تیرے ہیں / ہو جاوے ہے وہ ایک چمک میں فلک سے پار
میں رستم زمانہ نہ کیوں کر تجھے کہوں / اس سا نہ کوئی رخش، نہ تجھ سا کوئی سوار
آتا ہے جست و خیز میں جب وہ پون کا پوت / کچھ اس کے آگے چیز نہیں خندق و جدار
سرپٹ میں مثل برق جہاں ہے زمانہ سیر / پویہ میں مثل باد بہاری ہے راہوار

میں اس کی ترکتازی کا انداز کیا لکھوں　　گر نعل مہ نما ہیں تو ٹاپیں تگرگ بار
سرعت میں اس کی مطلع ثانی کرے ہے ثبت　　دستِ خیال میں قلمِ تہنیت نگار

مطلع

کرتا ہے یوں اک آن میں وہ سیر روزگار　　جس سے زمان حال نہ ماضی ہو زینہار
ہاتھی کا عظم و شان بیاں کیجیے تو ہو　　چرخ بلند قدر پریشاں تر از غبار
سطر خط شکستہ ہے چتون سے اس کی سونڈ　　بین السطور کیجیے جو دنداں کو اعتبار
رفتار میں پھر اس کی ہے اک طرف رفتگی　　رہتا ہے کام اس کو جو با مستی و خمار
بختی فلک کے اس کی اک ادنا تریل ہے　　جاتا ہے جس پہ پویہ خراماں یہ دیو سار
جب جھول بند روم کی اس پر کسی گئی　　جلوے سے اس کے دب گیا چرخ ستارہ دار
کجباک کی چمک سے کف فوجدار میں　　دیکھا سبھوں نے ماہ نو عید آشکار
جو نقش پا ہے اس کا کم از آسیا نہیں　　جس سے کہ استخوان ہیں مردوں کے آرد وار
کوہوں کو بس کہ روز قیامت کا بیم ہے　　وزن و وقار مانگتے ہیں اس سے مستعار
گر تو سوار ہو تو خواصی میں تیرا مہر　　رومال زر فشاں سے لگے جھاڑنے غبار
تیرا فگنی کا تیری جو عالم میں شور ہے　　سیکھے ہے تجھ سے ترک فلک کند اور گزار
آ آ کے طائران ہوا اشتیاق سے　　پیکاں پہ تیرے تیروں کے کرتے ہیں جاں نثار
اونچی کرے کماں کو جو تو جانب فلک　　ثور و اسد بہم ہوں تری شست کے شکار
کر اب دعا پہ ختم قصیدے کو مصحفی　　نوک قلم سے جھاڑ نہ آتش زباں شرار
یارب ہے جب تلک کہ زمانے میں رسم عید　　اور جب تلک ہے عشرت نوروز برقرار
سرو رواں ہے یہ جو گلستاں دہر کا　　یمن قدم سے جس کے ہیں رنگیں چمن ہزار

ہر روز اس کو عشرت نوروز ہو نصیب
ہر شب رہے یہ شاہد مقصد سے ہمکنار

76۔ درمدح کلب علی خاں

زبس کہ شوقِ جنوں ہے مرا گریباں گیر
ہر ایک تار سے آتا ہے نالۂ زنجیر

نہ نکلے اس میں ذرا حسرتِ دلِ عاشق
شبِ وصال تھی اک پل سے بھی زبس کہ قصیر

فلک کو ہے مہ و خورشید پر بڑا غرا
کہ کی ہے دعوتِ یک خلق بر دو نانِ قیر

تونگری نہیں کچھ بے بصر کے آتی کام
شعاعِ مہر سے روشن نہ ہووے چشمِ ضریر

اگر حقیر ہوں میں مجھ کو غم نہیں اس کا
خدا کے فضل سے میرا نہیں سخن تو حقیر

رہے ہے دہر کب اہلِ کمال سے خالی
کرے ہے سانگ نہایت مشعبدِ تقدیر

جو اٹھ گیا کوئی مسند سے بزمِ ہستی کی
تو اس پہ اس کی جگہ دوسرا ہوا جاگیر

زمانہ بس کہ تصرف میں نصب و عزل کے ہے
کوئی بحال تو ہوتا ہے یاں کوئی تغییر

گر اک مرغ کہن نغمہ ہوگیا خاموش
ترانہ زن ہوا گلشن میں اور تازہ صفیر

یہ کارخانہ معطل کبھی نہیں رہتا
ہمیشہ کام میں اپنے ہے دورِ چرخِ اثیر

ہزار حیف کہ دنیا سے چل بسے سب یار
نہ سوز و قائم و سودا رہا نہ درد نہ میر

خدا رکھے تجھے اے مصحفی کہ اب تو ہے
عوض سبھوں کے نواسنجِ گلشن تقریر

غلط کہا میں فقط تھے وہ مرد ریختہ گو
ہیں تیری فارسی کے بھی مقر صغیر و کبیر

وگر انھوں نے بھی کچھ اس میں نظم کی کم وبیش
کلام ان کا نہ پہنچا بہ رتبۂ توقیر

ترا کلام کہاں اور کہاں وہ ریختہ گو
وہ شکل خوشۂ پرویں تو شکل بدرِ منیر

سوائے اس کے اگر نثر تو لکھے اس میں
بہ از وحید و ابوالفضل ہو تری تحریر

پھر اس کے بعد مقامات اشکل صدرا
ہیں تیری رائے پہ چلتے بہ مبحث وتکریر

کچھ ایک علم میں منطق کے ہے بھی تجھ کو دخل
کہ ہے تصور و تصدیق کا تو تجزیہ گیر

فلاسفہ سے بھی رکھتا ہے کچھ تو آگاہی
الٰہیات میں ہے اس لیے تری توقیر

اصول علم ریاضی میں گو نہ ہو وہ کمال
کہ تجھ کو کہیے تفضل حسین خاں کا نظیر

ہے یہ بھی بس کہ طبیعی کے بعد پیری میں
ہوا تو فاہم اشکال مصحفِ و تفسیر

بقدر حال ہے ہر فن میں تجھ کو درک درست
جو قدر داں نہ ملے اس میں کیا تری تقصیر

زمانہ عرصے میں لایا ہے تجھ سا جامع کم
عجب نہیں جو تری خاک تن ہو سب اکسیر

کہ مدح گو ہے تو ایسے کا آج دنیا میں
کہ جس کے دست نگر ہیں سبھی صغیروکبیر

جناب کلب علی خان گل بہار طرب
شگفتہ رو و شگفتہ دل و شگفتہ ضمیر

نہیں ہے شوکت وشاں میں کچھ اس کی نسبت کم
برادر اس کا وزیر اور ہے وہ بھی ابن وزیر

نہ فرض ہووے اطاعت بڑے کی چھوٹے پر
کہ چاہتی تھی یہی امر خواہش تقدیر

سخا و جود کی معدن ہے اس کی ذات کریم
حیا و حلم کا ہے کوہ وہ سپہر مسیر

جو کاہ کوہ کو کر دیوے وہ نکل جاوے
سوئی کے ناکے سے مانند رشتہ بے تاخیر

نگاہ کاہش اگر اس کی مہر پر پڑ جائے
وہ شیر صبح میں ہو رشک دانہ انجیر

بس اس کے ہاتھ میں لیتے ہی آوے برش میں
کوئی لے آوے بنا کر جو موم کی شمشیر

کرے وہ وے کو جو تہدید اول موسم
خزاں میں رنگ رخ گل نہ ہو کبھی تغییر

ہو حکم منع تصرف تو پھر زمانے میں
نہ پاوے تو تن عریاں تناں میں نقش حصیر

جو رسم بادہ کشی دہر سے اٹھا ڈالے — پیے نہ شہر بھی ہیبت سے اس کی طفل صغیر
بناں ہیں اس کی تصعد میں مینہ کی بوندیں — قلم ہے اس کا ترشح میں رشک ابرِ مطیر
اگر وہ رزم میں رکھے قدم تو ہے رستم — اگر وہ بزم میں بیٹھے بہ از جلال اسیر
کمال ذات میں اس کی ہیں سیکڑوں مضمر — سوائے نقشہ و شوقِ مرقع تصویر
وہ عشق نظم ، وہ سرمایہ سخن فہمی — وہ طرز دانی و نقادی صغیر و کبیر
کتاب خانہ اعلیٰ میں ہر طرح کی کتاب — رہے شمار سے عاجز جنھوں کے فکر دبیر
ہے کارخانہ عمارت کا بھی رواں یک سو — نئی طرح سے ہر اک خانہ ہووے ہے تعمیر
کیا ہے بس کہ حویلی کو خانہ باغ اس نے — ہر ایک گوشے سے آتی ہے طائروں کی صفیر
جو گھوڑے ہیں وہ طویلے میں ہنہناتے ہیں — جو ہاتھی ہیں وہ لکڑتے ہیں پاے در زنجیر
ارادۂ قلم مشک سا یہ ہے یاں سے — کہ وصف پیل میں ہو مطلع دوم تحریر

مطلع دوم

وہ ہے یہ پیل سواری کا جوں شب قیر — کہ جس پہ چاندی کا ہودا ہے رشکِ بدر منیر
سڈول اس کے سب اعضا، بلند پیشانی — دراز اژدر بینی و لے دم اس سے قصیر
جو ساتھ دانتوں کے دیکھے کوئی تو وہ خرطوم — اک اژدہا ہے کہ بازو میں جس کے وہ شمشیر
کہے ہے پھر یہ تخیل کہ یہ ہوئی ہیں بلند — زنجیر پیل سے آ جوش میں دو موجۂ شیر
غلط کہا میں کہ ہے پیل و چرخ وہ جوڑا — یہ اپنے رنگ میں ابیض، وہ اپنے رنگ میں قیر
کجک سیاہی سے مستک کی یہ نہیں الجھی — کہ ہے وہ مصرعۂ ناخن بہ دل زن شب قیر
زبس کہ اس پہ کھنچے ہیں نقوش رنگا رنگ — جبیں کا سطحہ رشک مرقع تصویر
وہ آستین ہے دستِ خدا کی روزِ نبرد — برائے بستنِ اعدا لیے ہوئے زنجیر
عجب نہیں ہے جو ہاتھی کے بعد اب ہووے — حدیثِ سرعتِ اسپ نسیم تک تحریر

ہر ایک نعل پہ جس کے لکھا ہے طی الارض — یہ دور کاسۂ سم ہے زمانے کی تدبیر
جھپکتے آنکھ کے ہو آوے سارے عالم میں — مژہ کے مارتے کونین کو کرے شب گیر
بغیر نقش سم و نعل آں زمیں فرسا — ہلال و بدر کی دیکھی نہ ایک جا تصویر
محال کیا ہے جو سرپٹ کے وقت وہ چالاک — فلک سے جاوے نکل پار اس کا خیمۂ چیر
قلم ابھی تو بناں میں مرے ہے برسرکار — لکھوں نہ کیوں کہ بھلا وصف برش شمشیر
لگاوے اس کو اچک کر کے تو جو گردوں پر — تو ہو وو کاسہ گرے یہ ترنج چرخ اسیر
زبس ہے عشق کماں اس کو، ہاتھ پر اس کے — ہے چشم دوختۂ لطف دیدۂ زہ گیر
کماں کے حلقے فلک اس کی نذر کرتے ہیں — ستارے لاتے ہیں پیکاں بنا بنا پئے تیر
اسی کے تیروں نے چھلنی کیا ہے سر تا سر — یہ چرخ جو نظر آتا ہے صورت کفگیر
بہ سوے خاتمہ اب پھیر دے عنان قلم — کہ تجھ سے ہو نہ سکا مصحفی یہ امر خطیر
خدا یگاں کی ثنا طرفہ کار مشکل ہے — سپر فگندہ ہیں اس جا حریری اور جریر
روا ہے تجھ کو بس اب یہ کہ اے پریشاں گوے — دعا میں ہاتھ اٹھا دے بہ بارگاہ قدیر
برائے حشمت و اقبال آں فلک پایہ — کہ جس کے در پہ تونگر بنے پہنچ کے فقیر
الٰہی جب تئیں مٹھی میں غنچے کی ہے گلال — الٰہی جب تئیں خاکِ چمن ہے رشک عبیر

جو خیر خواہ ہیں ہو ان کو عشرتِ نوروز
جو مدعی ہیں گلا ان کا ہو تہ شمشیر

77۔ در مدح کلب علی خاں

ہو نباتات میں جب روحِ نباتی کا عمل
شجرِ خشک سے کیوں برگ و بر آویں نہ نکل

جوشِ صد برگ سے ہو کیوں نہ زمیں کانِ طلا
سبزہ کیوں اس پہ بچھاوے نہ دو خوابہ مخمل

گلبنِ روز نہ سورج سے ہو کیوں بالیدہ
سنبلِ شب نہ بنے کیوں کہ چراگاہِ حمل

دامن وادیِ محشر نہ ہو کیوں دامن کوہ
کیوں قزلباش نہ لالے سے بنیں کوہ و کتل

وقت آیا ہے کہ کشتی نہ چلے لار کے بیچ
وقت آیا ہے کہ گل پوش ہو اب چشمہ ڈل

وقت آیا ہے کہ پتھر سے علم ہو سبزہ
وقت آیا ہے کہ سبزے سے بھی پھوٹے کونپل

وقت آیا ہے کہ شیر علم فروردیں
ثور پر حملہ کرے اور اسے ڈالے مسل

وقت آیا ہے کہ ہو نامیہ عجلت فرما
وقت آیا ہے کہ گل سے ثمر آوے اول

وقت آیا ہے کہ فیروزہ بنے بادۂ لعل
وقت آیا ہے کہ ہو سبز زمیں پر بوتل

تختۂ سنگ نہ کیوں تختۂ گل ہوں کہ ہوئے
یک بیک صرف نمو جوہر اجزاے جبل

حملہ برموش یہ ہوتا ہے وہ اس موسم میں
سنگ پا تھا جو کسی گھر میں بہ شکلِ حنظل

پرِ طوطی کی طرح سبز ہیں برگِ تنبول
سینۂ باز نظر آوے ہے ان پر فوفل

سنگ ریزوں میں صلابت نہیں مطلق باقی — مول لیتی ہے انھیں خلق سمجھ کر پلول
کیا عجب ہے جو تقاطر سے ہوا کے ہو جائے — سیب نقشی کی طرح طائر معنی اخیل
سدرہ کی شاخ تراشیدہ و افتادہ بہ خاک — کہ یبوست سے ہوا جس کی طراوت میں خلل
کارسازی میں جو آئی ہے نموئے اشجار — ٹہنیاں پھوٹتی ہیں ان سے بھی شکل اول
اصل و بے اصل ہرے ہوتے ہیں اس فصل کے بیچ — پھول بے اصل میں آیا، جو لگا اصل کو پھل
گرد سے اس کی نکالے ہے اسی دم سوزن — آسیا کرتی ہے جس دانے کو آٹا مل دل
کام خشکی سے ہے کیا موئے قاقم کو — اس میں سبزی کی سی آتی ہے نظر ہریاول
چاک ہے سینۂ گندم کہ مبادا یہ ہوا — مجھ کو گلشن میں کرے سوزن سبزہ سے بدل
بس کہ گرتے ہیں ہزارے سے ہزاروں رشکوک — چین ہر موج کی ملتی ہے جبیں پر بھوڑل
آب میں حوض کے آتی نہیں زنہار کمی — گرچہ خورشید مدام اس سے بھرے ہے چھاگل
جی میں آتا ہے کہ چہرہ یہ جو تشبیب کا ہے — جسم بھی اس کو وہ دوں جس پہ نظر جائے پھسل
از پے کلب علی خان بہادر لکھوں — وہ قصیدہ کہ کریں وجد جریر و اخطل
وصف میں اس کے کہوں مطلع ثانی ایسا — بھول جاوے جسے سن مرغ چمن اپنی غزل

مطلع

ہے سخاوت میں زبس ذات تری ضرب مثل — ڈر ہی برساوے ہے نت تیرے کرم کا بادل
نسر طائر کو تمنا ہے کہ تیرا ہوں شکار — تا کے گر سوے فلک ہاتھ میں لے کر تو رفل
تیرا ثانی نظر آتا نہیں جس دم کوئی — مجھ پہ کھلتی ہے غلط کاری چشم احول
چرخ دولت کے ترے سب ہیں ستارے مسعود — ایک جا پاتے نہیں اس میں یہ مریخ و زحل
ضربت تیغ کا تیری جو پڑے اس پر رعب — ہووے رستم بھی تو میداں سے وونہی جاوے ٹل
تیری گرمی نے جمادات کو بخشا یہ اثر — سنگ و فولاد گئے موم کی مانند پگھل

کیوں نہ ہو دہر میں رتبہ تری ثروت کا بلند
آسماں لے کے چلے جب کہ جلو میں کوتل

ہے زباں تیری فصاحت میں وہ براں شمشیر
جس کی تقریر پہ پاریدہ ہے نت علم و عمل

شکر کی جا ہے کہ ناعی کا ترے اسم ذلیل
قید کلمہ میں نہیں مثل کلام مہمل

اور ہوا بھی تو رہا باعث حرف علت
گاہ مہموز و گہے اجوف و گاہے معتل

تیرے دشمن کی تری تیغ کے آگے ہے یہ قدر
جیسے بکری کوئی قربانی کی ہووے زرغل

رعب سایہ سے ترے اس کا عجب بھی تو نہ جان
دست نقاش میں گر بید سی کانپے نیسل

جست توسن کی ترے لکھیے تو کاغذ پہ قلم
ڈھنگ بجلی کے دکھانے لگے ہوکر چنچل

اس کی تلخی ہے پے جان عدو تلخی مرگ
دلفریبی میں ہے گو رشک بہار حنظل

زیر راں راکب خوش کار کے چلتے چلتے
کبھی بیٹھے سے جو آجائے ٹک اس کو جھونجل

رہے جوں نکہت گل دوش ہوا پر وہ سوار
مثل سیماب وہ زانوں میں سے جب جائے نکل

اس کی سرعت سے تاخر کو تقدم حاصل
اس کی شوخی سے سکوں جوں دل عاشق بیکل

ساز کا اس کے بیاں کر نہیں سکتا میں مدام
ماہ چاند اس کا ہے، ہے وہ جو گلے کی ہیکل

لکھے گر فیل سواری کی ترے رفعت وشاں
استقامت میں جو ہے کوہ کے مانند اچل

بیچ میں گرمہ و خور کے ہو حائل اک دم
رونق کارگہِ دہر میں آجائے خلل

اس کے دانتوں کا یہ کہتا ہے فروغ بشرہ
شب تاریک میں روشن ہیں دو سیمیں مشعل

سر پر اس کے جو کلک ہے شجر طور کی شکل
شعلہ نور تجلی سے وہ کرتی ہے جدل

اس کی خرطوم کا جس دم کہ سنا پھنکارا
جان ہیبت سے گئی اژدر کو ہی کی نکل

دیو سے کم نہیں ہیبت میں کچھ اس کا بھی شکوہ
جس کے سائے سے دل دیو سیہ جائے دہل

جنگ کے روز ظفر کھولے ہے خاطر تیری
ناخن تیغ سے سو عقدۂ ما لاینحل

اس کے قبضے کی کٹوری ہے طلائے خورشید
برق جو ابر میں چمکے ہے اسی کا ہے یہ پھل

وقت برش کے دکھاوے جو وہ جوہر اپنے
کاٹ میں بیضۂ فولاد کو سمجھے کاکل

یہی برش ہے گر اس کی تو نظر آتا ہے — سر سے ٹلنے کی نہیں شیر فلک کے کلول
مصحفی ہاتھ اٹھا اب تو دعا کی خاطر — واسطے اس کے بہ درگاہ خدا عز و جل
یا الٰہی ہے زمیں جب تئیں با نامیہ وصل — جب تلک نکہتِ گل، رنگ سے ہے دست وبغل
جب تلک خاک سے ہوں دانے ہرے موسم گل — جب تلک سبزے کو سیراب کرے ابر حمل
تیری حشمت کا یہ گلزار رہے تازہ و تر — اس میں صفرائے خزاں سے کبھی آوے نہ خلل
بلکہ ڈیوڑھی پہ رہیں خواجہ سرا بن بن کر — واسطے تازہ دماغی کے اگر اور صندل

دوستوں کو ہو ترے عشرت نوروز نصیب
دشمنوں کو ہو ترے داغ سپند و منقل

۞۞۞

78۔ در مدح نواب معتمد الدولہ بہادر

کیا ہے مجھ پہ یہ جور فلک نے عرصہ تنگ   کہ رات دن ہوں نصیبوں سے اپنے برسرِ جنگ
قدم رکھوں ہوں جو دہلیز پر کبھی اپنی   تو گھر کا در نظر آتا ہے مجھ کو کام نہنگ
نہ نکلی آرزوے دل کبھی ہزار افسوس   اسی طرح سے رہی میرے جی کی جی میں امنگ
صفاے وقت گھٹی اس قدر کہ پہلو میں   دل فسردہ مرا آئنہ ہے در تہ زنگ
ذلیل وخوار ہوں آنکھوں میں خلق کی اتنا   کہ میرے نام سے آتی ہے میرے نام کو ننگ
یہی ہے سوچ مجھے رات دن خداوندا   ہوا ہے دشمن جاں کیوں مرا یہ ہر سرہنگ
رہ فرار تو کوئی نظر نہیں آتی   عیاں ہیں رخ سے مرے معنیِ شکستن رنگ
جناب معتمد الدولہ وحید زماں   مگر ہو داد رس اس دم کہ ہوں نپٹ میں تنگ
ملی ہے اس کو نیابت وزیر کے گھر سے   گیا ہے شہرۂ جود اس کا تابہ چین و فرنگ
مزاج اس کا گر آجائے رفع بدعت پر   تو مے کا نام نہ باقی رہے، نہ نغمہ چنگ
جو سخت نرم کو باہم وہ آشتی دیوے   تو کچھ عجب بھی نہیں اختلاط شیشہ و سنگ
ہوئی ہے منع یہ نالش کہ اپنے پنجے سے   فشار دیوے ہے اپنے گلے کو آپ ہی زنگ

نگاہ کیجیے اگر اس کے خرچِ مطبخ پر		تو اک پشیز سے کم ہو خراجِ صوبہ بنگ
بیان برشِ شمشیر ہو سکے کس سے		کرے جو گاوِ زمیں کو زمیں تلے چورنگ
گر اس کی آب کو دیکھے تو جھپکے دستِ قضا		گر اس کی تاب کو دیکھے خجل ہو ورطۂ گنگ
پون کا پوت چھلاوا ہے وہ جو رخش اس کا		سب اس میں میرے دلِ بیقرار کے سے ہیں ڈھنگ
ہلال واسطے اس کے کرے ہے طرحِ رکاب		فلک بناوے ہے قوسِ قزح کو اس کا تنگ
بگاہ پویہ زمیں پر ہے ریزشِ نیساں		بگاہ سیر ہے دریا پہ وہ نسیم آہنگ
بیاں کروں جو میں سرعت کا اس کی ہو فی الفور		زمانِ حال کی تنگی پر اور عرصہ تنگ
دوبارہ اتنے میں مشرق کو جاوے اور آوے		پہنچنے پاوے نہ تو دے تلک کماں سے خدنگ
ہر ایک چشم ہے ہیبت میں اس کی دیدۂ شیر		ہر ایک جست ہے سرپٹ میں اس کی جست پلنگ
شکوہِ فیل سواری کو میرا خامۂ فکر		نہ لکھ سکا، جو لکھا بھی تو ابر کا سرہنگ
دکھاوے ہے مجھے لیل و نہار کا عالم		ادھر سپیدی دنداں، ادھر سیاہی رنگ
نہ حور بچہ کوئی دیکھا اس قدر گورا		نہ دیو زاد کوئی دیکھا اس طرح کا بھجنگ
جو راست جاوے تو مثلِ خیالِ ہندسہ داں		جو کج چلے تو وہ ایسا کہ جوں نشے کی ترنگ
کجک کی اس کی چمک بادلوں میں خندۂ برق		جبیں پہ رنگِ تلون سے عالمِ نیرنگ
دعائے خاتمہ ہے مصحفی کی یہ ممدوح		کہ بزمِ عیش میں جب تک بجے یہ بربط و چنگ
خطِ شعاع ہوں تارِ رباب کا بکشاں		بہ یمنِ تہنیتِ عید مہر و مہ مردنگ

جو خیر خواہ ہیں ہو نوش ان کو کاسۂ شہد
جو بدکنش ہیں انھیں ہو نصیب جامِ شرنگ

79۔ در مدح نواب روشن الدولہ بہادر

قلمداں زیر کرسی کیوں نہ رکھے فکرِ خاقانی
مرے زانوں سے پھر پیدا ہوا ہے ربط پیشانی
سوے اسباب ظاہر ہے خیال عقل بالملکہ
سفر دنیا سے کب کا کرگئی عقل ہیولانی
پرے ہے لامکاں سے بھی نشیمن فکر کا میری
وہاں پہنچا ہوں میں جس جانہ پہنچے درک انسانی
میں تھا طفلی میں وہ شیر گلی ماہ محرم کا
دہن سے رال بھی کرتی تھی جس کی آتش افشانی
فغاں سے میری بلبل کر رہی ہے نالہ موزوں
سکھائی میں نے ہی برگ گل سوسن کا جنبانی
خط قوسی لکھا خامے نے میرے جس جگہ اس جا
سمجھ محراب اسے ساجد ہوا نقاش شروانی

ارسطو نے لیا درسِ خرد استاد سے میرے
فلاطوں نے کیے تہ زانو از بہرِ سبق خوانی

خدا اس بات کا شاہد ہے گر اس عہد میں ہوتا
فصاحت دیکھ سحباں بھول جاتا اپنی سحبانی

سخن گوئی کے عالم میں من اللہ میں موید ہوں
کرے جو مجھ سے دعوا مدعی، کھینچے پشیمانی

جو صورت ہے مرے خامے کی وہ رشکِ بت چیں ہے
بھلا کیا خوض و شک لکھ اس سے چینی خامۂ مانی

میں کس کے نشترِ مژگاں کا عاشق ہوں جو رہتی ہے
دلِ مرغِ چمن پر نیش زن میری خوش الحانی

جہاں میں اور بھی شاعر ہیں لیکن ختم ہے مجھ پر
سخن فہمی، سخن گوئی، سخن سنجی، سخن رانی

یہ دعوا بے دلیل اے صاحبو کرتا نہیں میں کچھ
ہے اس پر حجتِ قاطع مرے خامے کی برانی [1]

سوا اس کے دلیل اک دوسری یہ ہے کہ کرتا ہوں
میں ایسے صاحبِ جاہ و تجمل کی ثنا خوانی

کہ گر حاتم مکرر خلق ہوتا عہد میں اس کے
سمجھتا اپنا فخرِ خانداں اس در کی دربانی

وہ نوابِ ثریا جاہ یعنی روشن الدولہ
کہ روشن مہرِ رخ سے جس کے ہیں ذراتِ امکانی

تعالی اللہ زہے عالی نسب والا حسب جس کا
کرے دستِ سخا جوں ابر نیساں گوہر افشانی
وفاے عہد پر باندھی کمر ایسی کہ دنیا میں
نہ اس کے عہد میں دیکھا میں راے ست پیمانی
عدالت کا قرینہ چاہتا ہے گر کرے ہر دم
حفاظت آب آتش کی، رمہ کی گرگ چوپانی
ستارے دیدبانی کی ہوس میں شب کو پھرتے ہیں
فلک کو آرزو ہے اس کے گھر کی میر سامانی
نمد پوشوں پہ برسا تھا کہیں ابر کرم اس کا
سبھوں نے موتیوں سے بھر لیے دامان بارانی
حیاے چشم اور مہرو مروت میں وہ یکتا ہے
بجا ہے منشی قدرت لکھے گر اس کو لاثانی
گزارا اس کی مجلس میں ہوا تھا ایک دن اس کا
نصیب دیدۂ آئینہ ہے اس دن سے حیرانی
جہاں ہوتا ہے نافذحکم عالم میں حفاظت کا
ملے ہے آتش سوزاں کو واں خس کی نگہبانی
صفات اس میں ہیں لاکھوں، کب بیاں ان کا ہوا مجھ سے
یہاں ہے ناطقہ کو کام میں نت اپنے حیرانی
گزرتا ہے یہ اب جی میں کہ گر یارا زباں دیوے
تو کیجے اس کے وصف تیغ دستی میں سخن رانی

تری تلوار کی برش کا عالم ہی نرالا ہے
خراسانی ہی پاوے کاٹ اس کا، نے صفاہانی
لگاوے تو گرہ پر خاک کے گر اس کو جھنجھلا کر
گزر جاوے وہ اس سے تار سی از روے آسانی

کسی ایسی کہ جس سے رستموں کا کس نکل جاوے
سبک ایسی کہ جو دشمن کی کھو دیوے گراں جانی

جو تابیں اس کی مثلِ موجِ دریا لطمہ زن ہوویں
تو ہووے کشتیِ عمرِ عدو خشکی میں طوفانی

لعاب اس لعاب کام افعی از پے دشمن
ہر اک جوہر میں پھر گرداب کے حلقوں کی پیچانی

جب اس شمشیر کا برش میں یہ عالم نظر آوے
نہ دھووے جان سے ہاتھ اپنے کیوں کر موجِ عمانی

نہ ہو کس طرح پھر دل پر عدو کے کوفت قبضے سے
کہ صورت میں بنایا اس کو آہنگر نے لاثانی

کٹوری اس کی قرصِ ماہ پر ہے طعنہ زن ہر شب
جو پتلا دیکھے بت کا بھولے رہباں اپنی ترسانی

کہیں دیکھے تھے اک دن ریشہ ہاے دستکی اس کے
نگاہ سنبلِ باغِ جناں کو ہے پریشانی

دم مار اس کا وہ جو پیلا ہے آفت جانہا
گلوے شیشہ پر ثابت ہے ہر دم اس کی برانی

قلم میں ڈھنگ بجلی کے سے آتے ہیں نظر مجھ کو
مگر لکھتا ہے وہ اس دم ترے گھوڑے کے جولانی
سدا تعلیم شوخی لیوے ہے برق اس کی سرپٹ سے
بھنور دریا کے یکسر سیکھتے ہیں کار گردانی
جو راکب پھینکے مشرق سے اسے مغرب کی جانب کو
بوقت باز گشتن کیا کہوں میں اس کی پرّانی
یہ آمد شد ہو واقع اتنے عرصے میں کہ کاتب کا
قلم ہونے نہ پاوے آشنائے نقطہ ثانی
دگر پیل سواری کا بیاں اس وقت کچھ کیجیے
شب یلدا سے کم خرطوم کی نکلے نہ طولانی
یہ ہے دندان و بینی کا بیاں سچ مجھ سے گر پوچھو
لیے آغوش میں اژدر کو ہیں دو صبح نورانی
بروز عید جب رنگے ہے مستک فوجدار اس کی
شبیہہ تختۂ نقاش بنتی ہے وہ پیشانی
تجک ماتھے پر اس کے ماہ نو جوں چرخ نیلی پر
ولے چاندی کا حوضہ شکل بدر نیل ظلمانی
جو کوئی دیکھتا ہے تجھ کو بیٹھا اس میں کہتا ہے
شناور نیل کے دریا میں ہے یہ یوسف ثانی
زمیں ہے خوب اس دم خود بخود یوں دل میں آتا ہے
لکھوں دلچسپ سا میں اس میں کوئی مطلع ثانی

مطلع

تو ہے وہ آفتاب آسمان فضل یزدانی
کہ ہیں پرتو سے جس کے ذرہ ہاے خاک نورانی
چمن بردار تیرے فرقدیں اور مہ جاروکش
فلک اس کا سبد، لشکر نجوم اور ماہ میدانی
قصیدہ ختم کر اے مصحفی تجھ سے (نہ) ہووے گا
ادا اس صاحب اقبال کا حق ثنا خوانی
ولیکن رکھ دعا کا بھی لحاظ اے صاحب دانش
اجابت تالب آمیں کرے اس وقت خوش خوانی
چمن میں چہچہے جب تک رہیں رنگیں صفیروں کے
کھلاوے جب تلک باد صبا گل ہائے بستانی
پڑے تا پشت پا پر اپنے ہر دم آنکھ نرگس کی
بنے تا سبزۂ بالیدہ موج راح ریحانی
الٰہی جب تلک ہے رسم آزادی اسیری کی
رہیں آزاد غم سے دوست ، دشمن ہوویں زندانی

۞۞۞

83۔ در مدح میر فضل علی

یہ چاہتی ہے طبیعت بہ حکم رب قدیر		کہ ریختہ کہ زمین سخن میں ہو تعمیر
دکھاوے ناطقہ خوبی زبان اردو کی		قلم معانی نازک ز مو کرے تحریر
نہ پہنچے جس کے تئیں نقش خامۂ سودا		نہ پاسکے لب و لہجے کو جس کے دعویٔ میر
اگر چہ فارسی گوئی ہے میری مشق نخست		زبان ریختہ کو جان تو دوم تصویر
مصوّر دو قلم ہوں میں حسن معنی میں		ہے طبع زاد مرا نقشۂ صغیر و کبیر
غزل کی طرز میں سعدی پہ حرف ہے مجھ کو		قصیدہ گوئی میں ہوں رشک بخش کلکِ ظہیر
ہے میرے شعر کا مشتاق اصفہاں میں ضیا		ہے میری نظم کا جوئندہ بیلقاں میں مجیر
جو سادہ گوئی پہ آؤں تو ہوں فصیحِ وقت		جو معنی بندی پہ جاؤں تو ہوں جلال اسیر
میں صدر بزم سخن ہوں کہ اہل معنی میں		مرے کلام سے ہے بیشتر مری توقیر
غلط جو کچھ میں کہا کس طرف خیال گیا		نہ میں نظیر کسی کا نہ کوئی میرا نظیر
جو اہل ہوش ہیں ہوتی ہے آئنہ ان پر		مری صفائے سخن سے مری صفائے ضمیر
دلے مناسب حالِ زبوں نہیں میرے		زیادہ اپنے دہن سے جو کچھ کروں تقریر

مطلع

سمجھتے ہیں یہ تری قدر صاحبِ اسلام
کہ تیرے در تلک آیا ہے کعبے کا احرام

جو خاکِ پاک کا ہو یاں کی قدرداں کوئی
قدم قدم پہ سجود و صلوٰۃ کا ہے مقام

مقابل آوے اگر تیری راے روشن کے
تو کھاوے قاضیِ بیضا سے آفتاب الزام

ابھی طمع سے نہیں سیر روحِ حاتم کی
ترے کرم سے وہ مانگے ہے کچھ سخاوت وام

نہ قرصِ ماہ کا توڑے فلک کبھی ٹکڑا
نہ جب تلک ترے مطبخ سے پہنچے اِس کا ادام

نہیں ہے رزق کی تنگی کا ذکر، یاں دیکھا
فراخ صورت دستار خواں فراخ طعام

جو آئی بھی تو ہوئی آز اتنی سیر شکم
کہ ہوگئی اسے جینے سے زیست اپنی حرام

سحابِ فیض ترا سب پہ گوہر افشاں ہے
وظیفہ خوار ترے خوان کے ہیں تا دُد و دام

ہے بزمِ عیش تری بزمِ خسرو جمشید
ہے آستانہ ترا مرجعِ خواص و عوام

یہ در ہے وہ کہ جہاں مہر بنتے ہیں ذرے
یہ گھر ہے وہ کہ جہاں خواجگی کریں ہیں غلام

لگاوے تیغ تو چورنگ پر گر اے ممدوح
تو اس کو کاٹ کے پردے زمیں کا ٹے تمام

یہ برش اس میں، چمک کا ہے تس پہ یہ عالم
کہ برق بھاگتی جس سے پھرے میانِ غمام

نہ کیوں کہ آنکھ کو دشمن کی ہو چکا چوندی
کٹوری مہر کی رکھتی ہو جب کہ تیری حسام

وہ ماہیِ یم خوں ہے تو اس کا قبضہ شیر
وہ موجِ آبِ بقا ہے تو اس کے جوہر دام

قلم سے کیا ہو ادا وصف تیرے گلگوں کا
جو اٹپٹا بھی چلے وہ تو اس کا ہے شہ گام

رکھے ہے ایسی وہ سرعت کہ مثل کرہ وہم
اک آن ہے اسے دورِ تمادیِ ایام

اچھل کے دائرۂ چرخ سے نکل جاوے
جو دوڑتے میں عناں اس کی تو نہ رکھے تھام

بیان پیل سواری سے خامہ ہووے نہ سیر
نہ جب تلک عظمت اس کی بھی کرے ارقام

نہ پیل کہیے اسے کوہ آسماں پیکر
غبارِ عرصۂ محشر ولے بگاہ خرام

شبیہ سوجھی یہ خرطوم اور دنداں سے
دو صبحِ عید ہیں گر وہ، یہ روزِ عیش کی شام

جبیں سے ہووے ہے اس کی عیاں تجلّی طور
نظر پڑے ہے وہ کجباک شکل ماہِ صیام

ستارہ دار پڑی ہے جو اس کی پشت پہ جھول
کرے ہے جھک اسے مجرا شفق کی سرخی شام

سخن کو طول نہ دے مصحفی دعا اب مانگ
جنابِ پاک خدا سے تو با خشوع تمام

کہ جب تلک ہیں ستارے فلک پہ جلوہ نما
زمین و چرخ کو جب تک ہے جنبش و آرام

رہے تو مسندِ اقبال پر بہ عز و شرف
مطیع امر رہیں تیرے صاحبِ احکام

نہ تیرے حکم سے سرتاب ہوں کبھی تا حشر
بسیط اور مرکب یہ جتنے ہیں اجسام

نہ آوے رنج طبیعت پہ کچھ کبھی تیری
طفیلِ چاردہ معصوم و دوازدہ امام

81۔ قصیدہ در مدح ممتاز الدولہ آفرین علی خاں بہادر[1]

میں ایک رات جو تھا غم کے ساتھ ہم بستر　　صبا نے مژدہ دیا آکے مجھ کو وقت سحر
کہ چونک کب تلک اے مست خواب یہ غفلت　　میں تیرے واسطے لائی ہوں اک خوشی کی خبر
کھلی جو آنکھ تو بھچک[2] ہو رہ گیا میں وونہی　　سرہانے دیکھ کھڑی اپنے اک پری پیکر
بہ رنگ غنچہ لب شرگیں تبسم زا　　جمال و حسن میں غیرت فزائے شمس و قمر
کشادہ چشم بہ از حور جنت الماوا　　کنایۂ لبِ پاں خوردہ برق لالہ ستر
نگاہ سایہ مژگاں میں آہوے دحشی　　کرشمہ نرگس فتاں میں ہم عنان شرر
لباس عطر میں مہکا ہوا تمام اس کا　　سحاب و برق کی خجلت فزا بہ سر معجر
ازار بند وہ لچھے کا برق خرمن ہوش　　کہ[3] جس کی قرص پہ خورشید کھائے تھا چکر
چڑھا ہوا وہ پری گلبدن کا پاجامہ　　کہ جس کا رنگ شفق دیکھ رہ گئی ششدر
نہفتہ وزد دل خلق خال کج دہن　　صفائے لولوے دنداں بہ از در و گوہر
گر اس کا غمزۂ سفاک راہ میں ڈٹ جائے　　تو مانگ لے کفِ رستم سے ووں ہی تیغ و سپر

ہر ایک عضو نزاکت میں ہدگر فزوں ہزار رنگ کا پہنے ہوئے زر و زیور
گلے میں اس کے وہ نرگس کا ہار قہرِ خدا کہ جس کو دیدۂ ایام رہ گئے تک کر
پڑی ہوئی نئی سیلی بھی اک حریفانہ ادا و وضع میں بانکی بغل میں دل پتھر
کھلی وہ دوش پہ زلفیں، بلائے جانِ صبا لگی وہ ہاتھ میں مہندی شفق کی غارت گر
ہر ایک فندقِ دست اس کی خونچکاں پیکاں بیاض ناخن انھوں میں شفق میں جیسے سحر
نہیں ہے تاب زباں کو کہ آگے گویا ہو کہ جائے خوف و خطر ہے بیانِ تابِ کمر
میں ذکر محرم و پستاں کا اس کے کیا کرتا کہ جس کے سامنے پڑتا تھا سر بہ دست نظر
مری طرف نگہ کج کو اپنی دی رخصت بہ طور اہلِ حیا خندہ زیرِ لب لاکر
کہا اس نے کہ ممدوحِ انس و جاں کی ثنا جو کی ہے تو نے رقم اس کو جلد چل لے کر[4]
میں تیرے ساتھ ہوں اے نابلد زمانے کے نہ پاوے گا کوئی زنہار مجھ سا پھر رہبر
میں در جواب یہ بولا کہ من بقربانت قصیدہ مدح کا حاضر ہے، چیست زیں بہتر
ہوا میں لے کے وہ منظوم اس کے ساتھ رواں بہ جانب درِ دولت سرائے اہلِ ہنر
وحید دہر وہ[5] نواب روشن الدولہ کہ جس کا دست سخاوت ہے ابر پر گوہر
جو آفتاب کرم اس کا ہووے چہرہ فروز نکالیں لعل بدخشاں سوا بھی اور حجر
دگر[6] مزاج عدالت کی سمت آجاوے تلیں بس ایک ترازو میں فربہ و لاغر
غنی و باذل و دانا دل و سپہر کرم سخی و اشجع و والا نسب، بلند اختر
بیاں کروں میں اگر اس کی تیغ کی برش تو آویں کوہ و کتل پھر نظر خیار و شجر
جب اس کی آب سے طوفان[7] موج پیدا ہو بنیں حباب یم خوں نہ کیوں کہ کاسہ سر
مبصر فلک پیر در چنیں مدت ندیدہ تیغ چنیں خوش لعاب و خوش جوہر
شکوہ پیل سواری کو دیکھ کہتی ہے خلق زمیں پہ کس نے بنایا یہ آسمانِ دگر
وہ بے تکان ہے ایسا کہ پیٹ کا پانی کبھی ہلے نہ سوار اس پہ ہو جو کوئی بشر

جو اس کے دانتوں کو دیکھے ہے وہ یہ کہتا ہے
یہ ایک شب سے ہوئی ہیں طلوع کیا دو سحر

جب اس کا حملہ مردانہ اس کو یاد آوے
تو ڈالے پیل فلک کیوں نہ خاک کو سر پر

ہلال نعل در آتش شفق میں کیوں کہ نہ ہو
کجک کی اس کے وہ دیکھے جو خونچکاں تیور

ستارے اس کے گریں مثل خشت پارہ تمام
جو قصر چرخ سے مستی میں آکے لے ٹکر

سمند تیز تگ اس کے کے وصف میں خامہ
اگر تو غور سے دیکھے اڑے ہے جوں صرصر [8]

سریع سیر سے اتنا کہ اس کا راکب اگر
کسی کے سامنے پھینکے ملا نظر سے نظر

پھر آوے سیر جہاں کر وہ اتنے عرصے میں
کہ پتلیوں سے مٹی ہو نہ شکل ہم دیگر

سزائے مدح میں پایا تجھی کو اے ممدوح
دعائے مصحفیؔ زار ہے یہ شام و سحر

رہے ہمیشہ تو مسند نشینِ جاہ و جلال
جھکاویں سر کو ترے در پہ صاحبِ افسر

یہ مدح گو ہے ترا اس پہ ہو نگاہ کرم
بحقِ خواجۂ لولاک و صاحبِ قنبر

❁❁❁

82۔درمدح نواب ہادی علی خاں

اے خامہ چاہیے کہ تو ہو ابتدائے کار
صرف ثنائے ہادی علی خانِ جم وقار

وارستگی مزاج میں اس تمکنت کے ساتھ
اینجا دلیل دست نگار است ، دل بیار

سب کام ہیں اور اس کو نہیں کچھ کسی سے کام
اللہ رے تجرد باطن کا اختصار

وارستہ تھے سلف کے زمانے میں ایسے ہی
ڈھونڈھے کوئی تو خالی نہیں اب بھی روزگار

مستغنی المزاجی پہ آگاہ جزو و کل
غفلت شعار تا نہ کوئی سمجھے زینہار

ناخن میں فرد فرد کا اس کے حساب دہر
اثبات و محو کار پہ صد گونہ اختیار

عالی مزاج و خوش سخن و عمدہ خانداں
مسطرشناس سطر کج و روے پشت کار

اس کے نہیں فصیلت تدبیر سے بدر
تحصیل میں فراستِ عمال ہر دیار

شکل سخا مجسم و اشجع چو داستاں
ہنگامِ رزم دل دہِ مردانِ کارزار

گر کھینچے گرد شعلہ خط حفظ وہم میں
وہ دائرہ نہ ہووے کم از آہنی حصار

ہے جی میں یہ کہ کیجیے اب یاں سے مرتسم
کچھ اس کا وصف برش شمشیر آبدار

چوبِ فلک پر اس کو لگاوے اگر بزور
ہو آب گیر اس کی بہ حوت فلک دوچار

کیا کیا میں اس کی گرمی و نرمی بیاں کروں خیزش میں جستہ برق ہے ریزش میں آبشار
نلیوں کا اشتروں کی ہے چورنگ چیز کیا کاٹے ہے وہ تو میل کو آہن کے جوں خیار
بعد اس کے ذکر پیل سواری بھی ہے ضرور وہ پیل جس کو عقل کہے آسماں وقار
حسن سواد اس کا سیاہی میں کوہ طور مستک پہ رنگ سے شجر طور کی بہار
دنداں نہ جان افعی خرطوم کے لیے نکلیں ہیں غار کوہ سے یہ دودھ کی دو دھار
محور ہے گر کلاوہ تو خورشید ہے تری کجباک ماہ نو ہے تو جھول زر نگار
اس دم بیانِ رخش سواری بھی چاہیے جولان طبع تا ہو ذرا اس سے آشکار
گشت اس کا مثل گشت فلک ہے جہاں نورد چلنے میں جوں نسیم سبک خیز راہوار
ہرگز نہ اس کو ابلق ایام پا سکے پٹے میں آکے گروہ بھرے لنبیاں ہزار
اجرام کس طریق سے پھر منہ دکھا سکیں چوبندی اس کی سے نہ عناصر ہوں جب دوچار
سرعت رکھے ہے ایسی کہ اس دیوزاد کو پھینکے صف عدو پہ اگر حملہ کر سوار
مژگاں سے آشنا نہ ہوں مژگان ناظراں اتنے میں آوے جاوے وہ جوں وہم لاکھ بار
جاتا ہے یوں نشانہ گردوں سے وہ نکل پیپل کے خشک پتے سے جوں تیر کا گزار
ختم سخن دعا پہ کر اے مصحفی کہ اب مضموں ہے دل میں اتنی ہی خاطر تو بیقرار
یارب ہے جب تلک مہ خورشید کا فروغ یارب ہے جب تلک شفق صبح کی بہار
روشن رہے چراغ ترے عز و جاہ کا روغن فزوں زمانہ کرے اس کا بار بار

مانند صاف صبح رہے دل ترا صفا
دامان جاں پہ تیرے نہ بیٹھے کبھی غبار

✿✿✿

80۔ در مدح نواب روشن الدولہ

نسیم مژدہ یہ لائی سحر سوے حمام
کہ صبح سے ہوں مہیاے کار سب خدام

کریں نہانے کے کیسے درست حمامی
بناویں غازۂ خوشبوی خادمانِ مشام

جو گرم کن ہیں سمو دیں گھڑے وہ پانی کے
جو آب پاش ہیں وہ اپنی جگہ کریں قیام

لگن بنیں مہ و خورشید پاے شوئی کے
ہوں آب ریزی کے ظرف اخترانِ سیمیں فام

بوقتِ صبح شفق آکے ہو کر بستہ
نچوڑنے کے لیے آب لنگیِ حمام

سفید کھیس کو اپنے سحر رکھے تیار
کہ اوڑھ لیوے نہا کر اسے وہ سیم اندام

یہ روزِ جشن ہے غسلِ شفا کا اس مہ کے
کہ مہر سر کو جھکا کر جسے کرے ہے سلام

سپہر مرتبہ نواب روشن الدولہ
گلِ حدیقۂ دولت ضیاے ماہِ تمام

وہی سخاے مجسم کہ جس کا دستِ کرم
بھرے ہے کاسۂ سائل کو موتیوں سے مدام

جب اس کی تیغ عدالت ہو حجتِ قاطع
نہ بھول جاوے بھلا کیوں کہ پاے فتنہ خرام

جو ناتواں کو وہ دے قوت عدو سوزی
رمہ کے سامنے ہرگز کرے نہ گرگ قیام

حیا و حلم کہاں ایسی اور مروت چشم
کہ جس کی طرزِ نگہ ہووے وافع اسقام

یہ جی میں آوے ہے اب مدح میں تری ممدوح
شگفتہ سا کوئی مطلع دوئم کروں ارقام

مباد طبع پہ احباب کی گراں گزرے ـــــ نزاکت سخن نرم ہو نہ بوے عبیر

پس اسے اب ہے یہ لازم کروں میں عطف عناں ـــ بہ سوے مدح کسے کو بود رئیس و امیر
یگانہ، صاحب اقبال میر فضل علی ـــ کہ منفعل ہے ترشح سے جس کے ابر مطیر
اٹھے وہ بستر راحت سے صبح دم بینا ـــ جو دیکھے خواب میں خاک در اس کی چشم ضریر
کسے ملے ہے یہ سرمہ کہ کور مادر زاد ـــ کیے ہیں ایک سلائی نے جس کی لاکھوں بصیر
گر ایک چٹکی بھی اس کی کسی کے ہاتھ لگے ـــ زمانہ نام رکھے اس کا صاحب اکسیر
جہاں کھلے ہے سرنافہ خلق کا اس کے ـــ وہاں کرے ہے صبا بوے مشک کی تشہیر
گہ خرام قدم اس کا جس زمیں پہ پڑا ـــ وہ خاک ہوگئی غیرت فزاے بوے عبیر
محافظت کا جو امر اس کی پہنچے دریا کو ـــ کبھی حباب کا شیشہ نہ ہو شکست پذیر
شجاعت اس کی ہے ہم پنجہ سام و رستم سے ـــ سخاوت اس کی ہے ہم دست ریزش دے و تیر
یہ اپنے عہد میں دی داد معدلت اس نے ـــ کہ اب تلک رخ کسریٰ پہ ہے خوی تشویر
بزرجمہر سے بھی ہے فراست اس کی فزوں ـــ نصیر دیں ہے جو نوشیرواں تو وہ ہے وزیر
عطا سے اس کی ہے بخشش حسین کی مانا ـــ کہ ہے وہ سید پاکیزہ بے کسوں کا نصیر
اگر شباب کو دیوے وہ حکم رجعت کا ـــ جواں کے بشرے سے ہووے نہ منفعل رخ پیر
گر انحراف کرے اس کی راے صائب سے ـــ نہ پھر موافق تقدیر ہو کبھی تدبیر
دلا اب آکے حضوری میں مدح غائب سے ـــ تو پڑھ وہ مطلع ثانی کہ ہو وہ بدر منیر

مطلع ثانی

تری شبیہ کو لکھ کر مصور تقدیر ـــ یہ بول اٹھا کہ مری آخریں ہے یہ تصویر
کمند ہے ترے لطف و کرم کی مدِ نگاہ ـــ اسیر ہیں ترے سو جھ سے بے غل و زنجیر
لگی تھی ہاتھ سلیماں کے تیری انگشتر ـــ تبھی تو دیو و پری اس نے کر لیے تسخیر

جو فاق بند کرے اس کے لبِ سوفار　　فلک پہ تیر کا تیرے اسد بھی ہو نخچیر
کہاں یہ مرتبہ رکھتا تھا حاتمِ طائی　　تری سخا سے سخاوت ہے اس کی عشرعشیر
جنھیں گلیم میسر نہ تھا، تری دولت　　گلم بچھاتے ہیں اب گھر میں وہ بجائے حصیر
صفاے شست کے آگے تری، حسینوں کا　　خدنگ خفتہ مژگاں ہے آہ بے تاثیر
یہ کہکشاں کو ہوس ہے بنے علم بردار　　یہ آرزو ہے عطارد کو تیرا ہووے وزیر
شکوہ مطبخ والا کا تیرے گر دیکھیں　　کرے فلک کے بنیں بصل اور کواکب سیر
جو دیکھے خواب میں تیغے کا تیرے کاٹ کبھو　　تو روح بہمن و گودرز ہو عدم کو سفیر
ہے کشتہ اک تو جہاں تیری تیغ افشاں کا　　خم تواضع مردم ہے دوسری شمشیر
کسی کی مدح نہ لکھتے تری ثنا کے سوا　　جو تیرے عہد میں ہوتے حریری اور جریر
جو آفتاب سم اسپ سے ترے ہو دوچار　　نہ دیوے قاضی بیضا پھر اس کو کیوں تعزیر
بیان پیل سواری کو تیرے جائے ہے جی　　کہ جس کو لگ نہیں سکتی کبھی بیاہی قیر
ترے عدو کے تئیں تا اسیر کر لاوے　　وہ دوڑا جائے ہے خرطوم میں لیے زنجیر
اگر سفیدیِ انداں کو دیکھے عقل کہے　　یہ کوہ طور سے نکلی ہیں کیا دو رود شیر
براے قوت رسانی اژدر خرطوم　　کہ اس کے شیر سے فی الجملہ ہو وہ ذائقہ گیر
چھپائے منہ کو ہے، ہرگز نظر نہیں آتا　　کجک سے اس کی ہوا ہے یہ ماہ عید حقیر
نظر جو حوضۂ زریں پہ کی اسے پایا　　جلا میں مہر درخشاں، صفا میں بدر منیر
جو فوجدار کبھی دیکھے اس کی مستک کو　　تو ہند میں نظر آجائے گلشنِ کشمیر
بہ عظم و شان وہ اتنا بلند قامت ہے　　کہ نہ فلک کا بھی زینہ ہے نسبت اس کی قصیر
لکھوں ہوں اب میں ترے بادپا کی جولانی　　کہ جس کی شان میں کہنا روا ہے عرش مسیر
وہ طرح روح کی یوں نہ فلک کو پار کیا　　کہ رنگ چہرۂ روح القدس ہوا تغییر
نہ جاوے جان عدو کیوں کہ اس کے پیچھے سے　　کہ باگ چھوڑے یہ سرپٹ ہے اس کی آمد تیر

تصور اس کی ہی جو گات کا رہے ہے اسے
تو رنگ چہرۂ خورشید ہو گیا ہے زریر

بیان کیجیے کیا اور اس کی سرعت کا
جو ذہن میں بھی تصور کے ہو نہ نقش پذیر

صفا سے پٹھے پر اس کے مگس پھسلتی ہے
دم اور یال نے سنبل کو کر رکھا ہے حقیر

جو بسیاں ہیں سب اس کی تو ہیں وہ عمر دراز
جو دور کاوہ کے ہفت آسماں کے ہیں تدویر

کبھی جو گشت کو نکلے تو اس پہ ہو کے سوار
تو گھر کے اس کے تماشے کو آئے جم غفیر

شبیہ کش بھی چلیں عینک و قلم لے کر
کہ پھیر نے کہ ترے کھینچیں اس گھڑی تصویر

یہاں سے اب ہے یہ جی میں کہ وصف برش تیغ
بہ نوک خامۂ جادو رقم کروں تسطیر

رہے نہ پیچ زمانے کی بزم سرکش کا
جو ہو تو شمع کے شعلے کو دے بجھا گلّا

وہ سخت و نرم کو کاٹے ہے ایک صورت سے
بہ وقت ضرب زرہ سامنے ہو یا کہ ۔ ب

نظر گر اس کے کرے بے حساب جوہر پر
تو دے نجات نہ دشمن کو گا ہے درد ۔یر

نہنگ قبضہ نے نگلیں ہزار کشتی خصم
تو چپلے نے کیے اس کے سو گلا یر

خیال آوے جو چورنگ کی طرف تیرا
تو گرگ چرخ کو ہرگز نہ ہووے اس۔ زیر

اگل پڑے ہو کمر سے تری بہ قلۂ کوہ
تو گزرے سنگ سے گاو زمیں کی ناف ۔چیر

قصیدہ ختم ہوا مصحفی اسی خاطر
بہ سوئے خاتمہ مائل ہے اب قلم ۔سریر

دعائے دولت و اقبال اس کی حق سے تو مانگ
کہ ہے وہ غور رس مطلب غم و فقیر

الٰہی جب تئیں ہے رسم عید قربانی
منا میں تاکہ ہوں مذبوح گو ۔ و بعیر

الٰہی جب تئیں باغ سخن میں ہووے بہار
اور اس پہ بلبل گوئندہ کی بلند صفیر

رہے شگفتہ تری طبع جوں گل خنداں
کبھی نہ خار الم ہووے تیرا دامن گیر

✿✿✿

84۔ در مدح میر فضل علی

جب حوت سے حمل میں ہوا مہر کا گزار
دن مشتری کے زہرہ کی ساعت کی اختیار

بعد از مرور ہفت گھڑی سی و ہفت پل
تقویم بولی ساعتِ تحویل کی شمار

اہل طرب نے ساز طرب کوک کر لیے
گلبانگ مطرباں کی گئی آسماں کے پار

پھر تالیاں بجانے لگے برگ ہر درخت
باد صبا کو دیکھ کے رقصاں و بے قرار

شکر خدا کہ رہتی تھی اس کے قدوم پر
مدت سے اہل علم کی وا چشم انتظار

آپس میں آگئی ہے زبس بیشی و کمی
ساعات روز شب کا ہے نوع دگر مدار

رنگ ارغوانی دیکھ کے اس کا یہ بولی خلق
معشوق خوب رو ہے کہ گھوڑے پہ ہے سوار

سکانِ زیرِ خاک کے دل کو ہوئی خوشی
پیکِ صبا نے دی خبر آمد بہار

لالوں نے رنگ رنگ کے مے کے بھرے جو جام
پی کر کے ان کو ہوگیا سرمست کو کنار

نورستہ رستنی نے نکالا زمیں سے سر
پھر کچھ اکڑ کے چلنے لگے آبِ جویبار

جوں شاخہائے سبز کے آئے نظر نشاں
باغ جہاں سے فوج خزاں کر گئی فرار

گل پھول میں ہوئے ہیں جماوات منتقی
ہر طاقہ لوح سنگ کا اطلس ہے تونبہ دار

پہنے ہوئے ہیں بر میں لباس بہشتیاں ۔ اوراق سبز سے تنِ عریاں ہے شاخسار
نرگس کے گرد پھولوں سے لالے کے ہے عیاں ۔ اس کے لگی ہے ہاتھ قلمکار جامہ وار
ہر اک چمن میں دیدۂ نرگس ہے دیدبان ۔ ہر اک روش پہ باغ میں قلغا ہے تاجدار
سوچا میں دل میں دیکھ کے نسریں کی کیاریاں ۔ مثلِ فلک ہے سطحِ زمیں کیوں ستارہ دار
رہتی ہیں صرف سجدۂ خالق میں رات دن ۔ گلشن میں شاخہائے درختانِ میوہ دار
یا اب یہ رنگ ہے کہ وہ گل کو گئی ہے بھول ۔ بلبل کے دل میں چبھتی نہ تھی یا کہ نوکِ خار
اس کو بھی چشمِ لطف سے دیکھے ہے باغباں ۔ پاتا چلا ہے سبزۂ بیگانہ اعتبار
آتی ہے اس سے گل کے چٹکنے کی اک صدا ۔ نکلے ہے سنگ توڑ کے گر سنگ سے شرار
اس فصل میں جو جوشِ رطوبت کا تھا وفور ۔ ہم چشم ابر نم زدہ آیا نظر غبار
نوروز کا نہیں ہے اگر دن تو باغ میں ۔ شبنم کے قطرے بیضہ لڑاتے ہیں کیوں قطار
سینے میں برگِ گل کے جو رشکوک تھے وہی ۔ آتے نظر ہیں دانہ خشخاش رنگ دار
کنگال کر دیا تھا خزاں نے جنھیں وہ گل ۔ کیا کیا بحکم نامیہ لائے ہیں برگ و بار
جوں آسمان سبز پہ ماہ دو ہفتہ ہو ۔ ایسی صفا سے چمکے ہے سبزے میں آبشار
جوشِ جنوں کا گرم ہے بازار ان دنوں ۔ دیوانگاں کی فصد پہ ہوتا ہے زر نثار
پہنچا ہے حکمِ قید جنھیں ان کو باغ میں ۔ زنجیر موج سبزہ پنہاتی ہے نوبہار
جکڑا ہوا ہے لوہے کی زنجیروں میں کوئی ۔ طوقِ گراں ہوا ہے کسی کے گلے کا ہار
سودائیوں کے خوں سے بھرے ہیں یہ چپہ چپے ۔ سرخی نے جن کی تازہ کھلایا ہے لالہ زار
لیتا ہے انتقام فلک اس گناہ کا ۔ دیکھی تھی گل رخاں کی جو رنگینیِ عذار
قوت سے نامیہ کی کچھ اس کا عجب نہیں ۔ گر سیخ پر ہو طائرِ بریاں یہ شعلہ زار
ایوانِ باغ میں تو نہیں گفتگو ولے ۔ صحرا ہے جیسے طوطی کے پر تا بہ کوہسار
کوئی زمین سادہ نہ دیکھی کہ وہ نہ ہو ۔ سر سبزیِ بہار سے ہمرنگ مرغزار

اے خامہ طول دے نہ تشبب کو اس قدر　　ایام گل ہیں کر چمنِ مدح میں گزار
اس کی کہ جس کا اسم مبارک بہ وقت رنج　　ہو شخص کم بغل کے لیے دافع مضار
عالی نسب بلند حسب صاحب اقتدار　　کہتا ہے میر فضل علی جس کو روزگار
پیدا کیا ہے جس کو خداے کریم نے　　جم جاہ و جم تجمل و جم قدر و جم وقار
میزان مہر و مہ میں جو حلم اس کا تولیے　　پاسنگ ہووے اس کا نہ کوہ گراں وقار
ہووے جو اس کا حفظ ضعیفوں کا پاسباں　　آتش جلا سکے نہ کبھی خس کو زینہار
کر جائے پاس خاطر اقدس وونہی اجل　　بیمار اس کا نام جو لے وقت احتضار
گر اس کے احتساب کی پہنچی نہیں خبر　　جا کر چھپا ہے دیدۂ نرگس میں کیوں خمار
بخشش سے اس کی کف کے ہے دریا و کاں کو بیم　　گر خوں بہ دل ہے کان تو دریا پر اضطرار
ہمت، سخا مروت و الطاف و مردمی　　شاطر ہیں تین ان میں تو دو ہیں رکاب دار
بیٹھے ذرا وہ صدر عدالت پہ جس برس　　نوروز اس برس نہ کرے دہر میں گزار
ہرگز کبھی نہ رات گھٹے اور دن بڑھے　　کانٹے کی تول پاوے فلک لیل اور نہار
پنجے میں اس کے زور ہے اتنا کہ گر کبھی　　دیوے وہ کوہ بیضہ فولاد کو فشار
لائے نہ تاب صدمہ کشی جب تو نرم ہو　　جاوے دو انگلیوں سے نکل خود خمیر وار
منع سلاح جب سے ہوا تیرے عہد میں　　دیکھا نہ دشت خار میں گلچیں نے پھر کٹار
دیوے تو سخت و نرم کو جس دم کی آشتی　　دانتوں تلے بھی آ کے نہ ہووے زباں فگار
ہے زیر بار حکم ترے بختی فلک　　یعنی کیا ہے رام اسے تو نے بے مہار
دشمن یہ گم ہوا ہے ترا تیرے عہد میں　　پاتے نہیں ہیں اس کو فرشتے تہ مزار
فیاضی آسمان سخاوت کی تیرے دیکھ　　سائل کا دست بن کے چلا پنجہ چنار
ٹکر سے پیل جنگی کی تیرے بہ روز رزم　　خائف رہے ہے نت فلک آہنی حصار
کار کمند کرتی ہے خرطوم اگر تو دانت　　کرتے ہیں صاف دشنہ زنی اپنی آشکار

کجباک سے ہے اس کی مہ نو کو کیا مثال   وہ شکل نعل اسپ ہے یہ ابروئے نگار

مطلع کہا اک اور دو دانتوں کے وصف میں   مصرعے ہیں تو لعل کے بہم جس سے شرمسار

مطلع

یا اک شب سیہ سے ہیں دو صبح آشکار   یا ہیں وہ دونوں بیضہ نوروز کی قطار

دیکھ اس کو گنگا جمنی نہ ہو کس طرح نگاہ   ہودا جو سیمکوں ہے تو ہے جھول زر نگار

تو اس پہ ہو سوار تو تیرا فروغ دیکھ   فوج معاندیں پہ پڑے برق شعلہ بار

اس وقت وصف برش تیغ اس کی چاہیے   مارے ہوؤں کی جس کے جہاں میں ہے اک پکار

سختی تیغ کوہ کو وہ کرگدن فگن   سمجھے ہے نرم تر ز کدو بل کم از خیار

وہ خوش غلاف اگلے زمیں پر تو پیپلا   گاو زمیں کی ناف سے کاڑھے زبان خار

ہے دبنگی سے اس کی خجل کاکل پری   قبضے کی کوفت سے زر خورشید (شرمسار)

ڈورا نہیں ہے اس کا کم از رشتۂ کلال   لیتا ہے کاسۂ سر گردن کشاں اتار

اب چاہتا ہے جی کہ ہو باد صبا کی طرح   سرعت میں رخش کی قلم فکر کا گزار

کھندلا ہوا ہے جس کا ہر اک کوہ اور کتل   روندا ہوا ہے جس کا ہر اک شہر اور دیار

کاووں کے دائروں سے ہے سرگشتہ آسماں   اور قاش زیں سے مانگے ہے خم ماہ نو ادھار

ہے اس کے لبنیوں سے خجل طور عمر خضر   ہے اس کے پوئیوں سے عرق کبک کوہسار

گر نخل رہ سے توڑ کے مانند سمت چپ   مشرق سے پھینکے جانب مغرب اسے سوار

اس عرصے میں پھرے وہ کہ اس پتے کی صدا   ہونے نہ پاوے کان سے راکب کے بھی دوچار

جسم لطیف اس کا دو عنصر سے ہے بنا   یعنی بہم ہوئے ہیں مرکب ہوا و نار

کس طرح تاب پاشنہ کوبی وہ لا سکے   موزے کا نام سنتے جو لے جائے دل میں خار

کیا اس کے ساز نقرہ کا عالم بیاں کروں   پایا کسی عروس نے کس روز یہ سنگار

ہے اس کے گنڈے پٹی کے مصرف میں کہکشاں قلغی کی ہیں چمک پہ ثریا کے در نثار
حاجت ہے تازیانے کی کیا اس کرنگ کو خود جنبش ہوا سے ہے دم تازیانہ کار
تیروں کا خاک تودہ ہے تیرے یہ آسماں روزن ہیں یہ سمجھیو نہ اس کو ستارہ دار
دشمن چھپے جو جا کے تنے میں درخت کے تیری صفائے شست کرے اس کو بھی دوسار
بوندی ہوا جو تیر کوئی خاک تودہ میں مرمر گیا پتنگ کے سر اپنا دہان مار
کچھ عرض اس جناب میں رکھتا ہے مصحفی لیکن ادب سے کہہ نہیں سکتا یہ خاکسار
گر احتمال آز نہ ہو اس فقیر پر تو اپنے مدعا کو یہ لاوے بروے کار
ہے عرض یہ کہ ایسی توجہ بلیغ ہو تا جس سے ہو یہ شاہد مطلب سے ہم کنار
معمول کے سوا بھی تو کچھ اس کو ہو عطا یعنی مشاہرے کا ہے عاصی امید وار
جاوے نہ اور در پہ برائے حصول ناں مانند نقش پا اسی در پر رکھے قرار
دریا کا آب کم نہیں ہوتا کسی طرح ہر چند تشنہ جاوے چڑھا خم کے خم ہزار
پہنچا ہے وقت خاتمہ لازم ہے اب مجھے صرف دعا زباں ہو بہ درگاہ کردگار
یارب ہے جب تلک کہ یہ نوروز کا سماں یارب ہے جب تلک کہ یہ ہنگامۂ بہار
یارب ہیں جب تلک کہ یہ بلبل کے چہچہے یارب یہ جب تلک کہ ہے فریاد آبشار
یارب ہے جب تلک کہ وزاں باد صبح دم یارب ہے جب تلک کہ رواں آب جوئبار

ہر روز تیرا رشک ہو نوروز کا مدام
ہر شب ہو تیری غیرت شب قدر، نامدار!

✿✿✿

85۔ در مدح میر فضل علی

رکھی ہیں جب سے صنم تم نے بے حجاب قلم ثنا میں ان کی سیاہی کی ہے خراب قلم
تھکا نہ لکھنے سے ہاتھ اور نہ شب گئی سوے صبح ہماری جان کو کیوں ہوگیا عذاب قلم
ہے ابروؤں پہ ترے ناز کلک صانع کو کرے وہ مد سے نہ کیوں زینت کتاب قلم
لگے ہیں بھاگ بہت اس کو دست جاناں میں ہمارے نامے کا لکھتا ہے کب جواب قلم
بگاہ قط کہیں سر زیر تیغ رکھ بھی دے نوشتے اپنے کا پورا کرے حساب قلم
ثنا لکھوں ہوں میں کس زلف کی جو سطروں پر بجاے دود گراتا ہے مشک ناب قلم
نہ لکھنی ہوتی اسے گر صفاے سینہ یار تو وصل لوح سے ہوتا نہ کامیاب قلم
فروغ چہرہ ترا گر رقم کیا چاہے تو چھینے دست عطارد سے آفتاب قلم
چوایا جائے ہے منہ میں دوات کے پانی یہ تشنگی سے تری اس پہ ہے عذاب قلم
یقیں ہے نامہ اعمال ہو دو رویہ سیاہ لکھے مرے جو عمل ہاے ناصواب قلم
یہ نامہ جائے گا ہاتھوں میں یار رنگیں کے چھڑک لے صفحے پہ تھوڑا سا تو شہاب قلم
ہمیشہ معنی نازک کا پاسباں ہوں میں اور بنی ہے چوب پے خیمہ حباب قلم

یہ تیرہ شب میں کہ شبخوں نہ لے گیا جب تک　　ہوا نہ فوج معانی پہ فتح یاب قلم
زباں پہ نیش یہ کھاتا ہے، سر پہ زخم تراش　　اٹھاوے ہے دم گزلک سے دو عذاب قلم
ملا دوات کی ظلمت میں اس کو آب حیات　　ہوا نہ ساتھ سکندر کے جا خراب قلم
ثنائے سرخی پاں جو لکھی تھی باشنجرف　　ہنوز منہ سے ہلو کے ہے خون ناب قلم
جو صاد چشم کو کرنا ہو فرد عاشق پر　　بناوے سرمے سے مژگاں سیاہ تاب قلم
زمیں ہے حوصلہ پرواز اس میں خوب تو ہے　　لکھے جو مطلع ثانی بہ آب و تاب قلم

مطلع ثانی

نہ لاوے گرمی چشم بتاں کی تاب قلم　　لکھے تو لکھتے ہی ہو نرگسی کباب قلم
جو افعی دو زباں کا تو دے جواب قلم　　تو میں بھی تجھ سے نہ ہوں پھر سر حساب قلم
شب برات میں جنگ سخن نہیں ہے تو کیوں　　ہے وجہ گرمی بازار شیخ و شاب قلم
کتاب شوق میں میری عجب نہیں ہے اگر　　نہ چھوڑے جا پہ سرخی فصل و باب قلم
نکالتا ہے جو پردے میں دود دل منظور　　بنی ہے بھبکے کا پنجہ پے شراب قلم
فقط سپند دوائر ہیں نعل در آتش　　نہ لاسکا مرے سوز جگر کی تاب قلم
تمام صفحہ سیاہی سے ہوگیا نیلا　　دہن میں رکھے تھا کیا مار کا لعاب قلم
شب فراق لکھاتا ہے اس کو نامہ شوق　　میں انگلیوں میں رکھا کتنا داب داب قلم
بہ علم و فضل بھی اس سے مری نہ پیش گئی　　نہ لکھ سکا خط تقدیر کا جواب قلم
لکھوں ہوں کس کو میں غم نامہ میرے ہاتھ کے بیچ　　مداد سے ہے جو بادیدۂ پر آب قلم
شب برات کا ہے شور و شر جو وصل کی شب　　پٹاخے چھوڑتے ہیں تارے اور شہاب قلم
لکھوں جو حال سیہ بختی کا اسے اپنی　　تو پہلے چاہیے کرلوں پر غراب قلم
گرہ جو چین جبیں کی تری لگی کھلنے　　میں فرق لوح پہ توڑا بصد عتاب قلم

دیا ہے میں اسے رتبہ لکھ کے شعر بلند　　وگر نہ تھا کفِ اطفال میں خراب قلم
ثنا میں اس کی کہ ہے بحرِ فیض سے جس کے　　بہ روے صفحہ رواں مثلِ موجِ آب قلم
جہانِ جود و عطا یعنی میر فضل علی　　رہے ہے جس کے انامل سے کامیاب قلم
وہ سرکشوں کی تراشے جو گردنیں کسی سال　　تو باغباں نہ کرے باغ میں گلاب قلم
جو وصفِ بخشش در لکھیے اس کی بن جاوے　　یہ لالِ حقہ پرویں کا خوشہ تاب قلم
سحابِ لطف کے وصف اس کے ثبت کرنے کو　　زمیں سے نکلے لیے ہاتھ میں سداب قلم
کلیدِ قفلِ درِ فیض اس کو کیوں نہ لکھوں　　کہ اس کے ہاتھ میں ہے تیغ کا جواب قلم
کبھی ہے دوست نواز اور کبھی ہے دشمن سوز　　رکھے ہے شعلے سے اس کا سرِ حساب قلم
جو کاہِ خشک کی ہو اس کو پرورش منظور　　تو سنگلاخ میں پیدا کرے سحاب قلم
جو نیزہ دوش پہ رکھ نکلے وہ نیستاں سے　　کمر کو باندھ کے ہوں ہمرہِ رکاب قلم
جگر کو دیکھ کے شقِ فکرِ مدحِ غائب میں　　کرے ہے مطلعِ ثالث سے اب خطاب قلم

مطلعِ ثالث

تو لیوے ہاتھ میں اپنے جو جم حساب قلم　　نقط سے پاوے درم ہاے بے حساب قلم
جو رشح دست کرے تیرا آب صابن میں　　عیاں کرے نے منفخ سے صد حباب قلم
پھر اس کو پہنچے جو حکمِ ثبات و پاداری　　پرووے نالِ قلم میں درِ خوش آب قلم
ترے شبیہ کشوں میں نہ جا ملے گی اسے　　بناوے کرنوں کو کر جمع آفتاب قلم
نشاطِ بزم لکھے تو صریر سے اپنے　　سناوے سامعہ کو نغمۂ رباب قلم
جو تیرے ہاتھ میں آنا اسے نہ ہو منظور　　نہ ہووے مرسلہ پیوند سیم ناب قلم
جو منعِ خمر پہ تیرا ہو حکم دے نہ سکے　　محرروں کے تئیں یک قلم شراب قلم
سماکِ رامح اسے دیکھ کر نہ کیوں ڈر جائے　　کہ چھڑکے ہے ترے نیزے کے فتح باب قلم

جو قدرداں تو نہ ہو آج اہل معنی کا　　تو خوش خطی سے نہ ہوا اپنی کامیاب قلم
فلک زمانے میں تیرے عدوئے پیراں ہے　　نہ ریش نال قلم کو کرے خضاب قلم
نہ انگلیوں سے مری کس طرح وہ نکلا جائے　　سمند کا ترے جس دم لکھے شتاب قلم
دوات اس کی بغل میں جب کہ وہ سیہ زانو　　کلائیاں ہوں نہ کیوں پھر بالاضطراب قلم
بیان سرعت رفتار ہے یہ تھوڑا سا　　کرے ہے یوں سوے مردم رخ خطاب قلم
مصور اس کی جو تصویر سنگ پر کھینچے　　بہ احتیاط بنا کر پر عقاب قلم
وہ ایسا ساتھ اسے لے کے اپنے اڑ جاوے　　کہ جستجو میں پھرے حشر تک خراب قلم
دبیر چرخ سے ہوں اس کی لنبیاں تحریر　　تراشے برق کا لے کر جب اضطراب قلم
ثنا میں فیل سواری کی تیرے جب لکھوں　　کہ کجلی بن سے منگا لوں سیاہ تاب قلم
حبش میں مجھ کو وہ دنداں سے باز یافت ہوئے　　کیے تھے میں نے جو واسط میں انتخاب قلم
وگر سپیدی سے ان کی کوئی سوال کرے　　تو دیوے اس کے تئیں اس طرح جواب قلم
شب سیاہ میں روشن دو شمع کافوری　　دکھاوے لکھ کے شبیہ اس کی بے حجاب قلم
بیان اژدر خرطوم اس سے ہو نہ سکا　　بہت سا کھایا کیا گرچہ پیچ و تاب قلم
یہ اس کی جھول طلا کار کی جو پیٹھ پہ ہے　　ہے حوض و حاشیہ میں جس کے لاجواب قلم
نہ کھینچ سکی وہ شبیہ اس ہی آرزو میں رہا　　ہمیشہ مانی و بہزاد کا خراب قلم
جو ذکر برش شمشیر کیجیے تو ابھی　　ہزاروں ہوں سر اعداے مدناب قلم
شتر کی نلیوں کو چورنگ کی طرح کاٹا　　فقط نہ اس سے ہوئیں شاخ صد دواب قلم
لگاوے خود عدو پر اگر تو بیجا میں　　تو ساق پا سے گزر کر کرے رکاب قلم
اور اس کو مارے سر چرخ پر تو اے ممدوح　　تو ایک ضرب میں ہو میل زیر آب قلم
یہ جاے عرض مطالب ہے چاہیے اس جا　　اٹھاوے خود رخ مقصود سے نقاب قلم
ترا قلم رو عالم میں حکم جاری ہے　　بنا چکا ہے تجھے مالک الرقاب قلم

مشاہرہ مرا کچھ لکھ دے اپنے لائق تو　　ہے تیرے قبضے میں اے ابن بوتراب قلم
ہے چشم دوختہ ہر فرد دستخط کی ترے　　سدا غریبوں کا لے ہے ترا ثواب قلم
بسوے خاتمہ ہے مصحفی کا اس دم قصد　　دعا تری بھی کہیں ہووے مستجاب قلم
الٰہی سورۂ والنون والقلم جب تک　　لکھے بہ صفحۂ قرآں بہ آب و تاب قلم
جو دوست ہیں ترے جوں صفحہ ہوں کشادہ جبیں　　جو مدعی ہیں رکھے ان کو ذم کا باب قلم

قصیدہ تہنیت عید میں کیا میں رقم
الٰہی مجھ کو کرے جلد کامیاب قلم

۞۞۞

86۔ در مدح نواب معتمد الدولہ

آیا ہے جب سے دیکھ رخ دلبر آفتاب کھاتا ہے اس کے بام پہ نت چکر آفتاب
یاقوت جعد سے ترے عالم ہے بے خبر جیسے کہ پشت کوہ میں ہو مضمر آفتاب
ہیرے میں اس کے ہے یدِ بیضا کی روشنی ہو کیوں کہ اربسی کا تری ہمسر آفتاب
تصویر روے خوش سے جدا کر نہ چشم تر پہلو میں چاہتا ہے یہ نیلوفر آفتاب
سلطان چار بالش اجرام کیوں نہ ہو رکھتا ہے سر پہ نور کا اک افسر آفتاب
عالم میں عام ہو جو مری تیرگی بخت مردم کو منہ دکھاوے نہ تا محشر آفتاب
جاے عجب ہے رخ کا ترے زلف سے قراں اپنی بغل میں رکھتی ہے یہ شپر آفتاب
شاید رہے ہے دن کو رخ یار کا خیال شب خواب میں جو دیکھوں ہوں میں اکثر آفتاب
زلفوں سے ماہ حسن کو تیرے گہن لگا راس و ذنب سے جائے کہاں بچ کر آفتاب
بالا روی پہ اتنا نہ پھول اپنی مدعی تیرا زحل ہے اور مرا اختر آفتاب
صبح شب وصال نہ تا کر سکے طلوع بن جائے یا الٰہی کہیں پتھر آفتاب
قدر غلام بھی نہیں اس کو ترے حضور ہے گنجفے کا یک ورق ابتر آفتاب

یارب شب وصال تو جلدی سحر نہ ہو
رکھے چھپائے منہ کو تہ چادر آفتاب

چارم فلک پہ حضرت عیسیٰ گئے مگر
چاہے تھا ہم نشینی پیغمبر آفتاب

عاشق سفیہ ہووے تو معشوق کیا کرے
حربا سے منہ چھپائے بھلا کیوں کر آفتاب

میں شبنم چمن ہوں مرا باغ دہر میں
گلبرگ ہے کبھی تو کبھی بستر آفتاب

کیا کیا نہ صبح دم نظر آتی ہیں صورتیں
نام خدا ہے زور کوئی بت گر آفتاب

جوگی کا سانگ کر نہیں لاتا ہے یہ تو کیوں
اک ٹھیک میں پھرے ہے لیے آذر آفتاب

چھالا سرک گیا مری چھاتی کے داغ کا
کب تک رہے دو چار مہ انور آفتاب

ایسا بھی یکہ تاز نہ دیکھا میں آج تک
پھرتا ہے سطح چرخ پہ لے لشکر آفتاب

لاتا ہے تیرے تشنہ دیدار کے لیے
کرتا ہے حشر میں قدح کوثر آفتاب

نٹ بدیا کرے ہے رسن پر شعاع کی
ہر صبح بن کے صورت بازی گر آفتاب

شکل سر بریدہ نہ خون شفق میں ہو
سمجھا تھا کب سے آپ کو بے یاور آفتاب

ناقص کو فیض پہنچے ہے اہل کمال سے
ہے آئنے کا ماہ کے روشن گر آفتاب

کس بےقرار کا ہے یہ قاصد جو شل گوے
جاتا ہے دوڑا رکھے قدم سر پر آفتاب

مستغنیانہ پشت نہ کرتا انھوں کی سمت
ہوتا زمینیوں کا اگر یاور آفتاب

مدت ہوئی کہ اس کی فلاکت نہیں گئی
اور ہے بھی آسماں کی کہیں میزر آفتاب

اتنا جو ڈوبا جائے ہے مغرب کے غار میں
کشتی چرخ کا ہے مگر لنگر آفتاب

آتا ہے ہو کے کاسہ بکف بھیک مانگنے
مشرق سے ہر سحر بہ در داور آفتاب

یعنی جناب معتمدالدولہ، آں کہ ہست
از ذرہ پیش طلعت او کمتر آفتاب

سرمائے سرد مہری ایام کے لیے
دست سخاوت اس کا ہے جاں پرور آفتاب

دنیا میں اس کی بخشش کامل سے روز و شب
مہ طشت سیم پاوے ہے طشت زر آفتاب

پائی ہے خاک رہ سے جو اس کی پڑی ہوئی
رہتا ہے خندہ رو بدرست زر آفتاب

گر فیض یاب رائے سے اس کی نہ ہو نہ ہو — صباغ باغ ماہ ثمر پرور آفتاب
بزم نشاط کا جو وہ ساماں کرے وونہی — رقاص ہووے زہرہ تو خنیاگر آفتاب
اشجع بھی اس قدر ہے کہ چمکے جو اس کی رمح — مشرق سے سر نکالے نہ پھر باہر آفتاب
شیر افگنی کا تیغ کی اس کے سنے جو شور — برج اسد میں اپنا کرے جوہر آفتاب
دوں ہی نجوم ستہ نمک داں بنیں بہم — گر اس شکار گاہ کا ہو مجمر آفتاب
میزان عدل اس کی فلک جب بپا کرے — یک کفہ ماہتاب بنے دیگر آفتاب
کانٹے کی تول رکھے جو لیل و نہار کو — میزاں میں آن کر نہ کرے پھر گھر آفتاب
کیا دور گر عدالت عالی کے بیم سے — رہ جائے آکے تا بہ خط محور آفتاب
سو پھر بھی گر پڑے قدم اس کا تو اس گھڑی — دہشت سے کانپنے ہی لگے تھر تھر آفتاب
ہے جب سے اس کے خرمن عفت کا خوشہ چیں — لیتا نہیں کسی کی نظر منہ پر آفتاب
کچھ احتیاج اس کی نہیں کیا ضرور ہے — اوڑھے عروس وار بہ سر معجر آفتاب
مستنبط اس کے مہر طبیعت سے ہو اگر — بخشے زمین شور کو کان زر آفتاب
کیا ذکر کیجیے اس کے جمال و جلال کا — گرداوری میں جس کا ہو ہر چاکر آفتاب
فیل فلک شکوہ پہ ہو جب کہ وہ سوار — لاوے نثار کرنے کو طشت زر آفتاب
مدح حضور میں وہ پڑھوں مطلع بلند — معنی کا جس کے ہووے نکو منظر آفتاب

مطلع

ہے آئینے میں عکس ترا برتر آفتاب — برج حمل میں جیسے ہو زیب آور آفتاب
مقدور ہے کہ آنکھ وہ تجھ سے ملا سکے — پہچانتا نہیں ہے ترے تیور آفتاب
امضا درست اس کا نہ ہو تیری مہر بن — خون شفق کا لاکھ لکھے محضر آفتاب
تا انتقام لے ترے دشمن سے ہر سحر — بندھوائے ہے فلک کو کمر خنجر آفتاب

رخصت نہ لیوے تا تری راے منیر سے
سر پر رکھے نہ روز کے تاج زر آفتاب

کیا کہیے تیرے مطبخ والا کی روشنی
سر پوش دیگ سے ہو جہاں ہمسر آفتاب

جس رات سووے ہے تو ارادے میں جنگ کے
نکلے ہے صبح منہ پہ سپر رکھ کر آفتاب

برش کا تیری تیغ کی گزرا مگر خیال
جو ماہ عید سے بھی ہوا لاغر آفتاب

گر تیغ کوہ پر وہ کمر سے اگل پڑے
زیر زمیں ہو زخم کش خنجر آفتاب

تیری طرف ہو چرخ اگر فوج خصم پر
پھینکے سماک رمح تو پھر چکر آفتاب

بے حکم تیرے پرورش دانہ گر کرے
برق غضب سے جل کے ہو خاکستر آفتاب

گر کنگر جلال کا تیرے ہو اس کو عزم
پہلے تو اوج دیکھ رہے ششدر آفتاب

پھر زردی و سپیدی ملا اپنی صبح کی
بیضے سے آسماں کے نکالے پر آفتاب

گھوڑے کے تیرے ساز میں اے آسماں جناب
کیوں چاند کی جگہ نہ گھڑے زرگر آفتاب

قلغی ہے اس کے سر کی ثریا سے ہم عناں
اور نقش ہم سے رکھے ہے وہ اشعر آفتاب

نعل سم اس کے چاروں ہیں مانند ماہ عید
ٹاپوں سے عاشقانہ لیے دربر آفتاب

چھا جائے ہے وہ مرکز عالم پہ پل کے بیچ
جوں وقت صبح ہووے ضیا گستر آفتاب

اس برق سیر کی جو میں سرعت بیاں کروں
شوخی کو اس کی دیکھ کے ہو مضطر آفتاب

کرنیں طناب خیمہ تری اس گھڑی بنیں
ہو باد ریسہ بن کے جو دو پیکر آفتاب

جس معرکے میں تیری سواری کا ہو طلوع
ذرہ بجاے خود رکھے سر پر آفتاب

کاہش کا حکم اس پہ رواں تو کرے اگر
خاکستر فلک میں بنے اخگر آفتاب

پھر پہنچے جوں ہی امر فزایش سہا تلک
آوے نظر میں صورت ہر اختر آفتاب

اللہ رے تیرے باب عدالت کا عظم و شاں
گل میخ وش جڑا ہے جہاں در پر آفتاب

قابل تری ثنا کے نہ ہووے بیاض صبح
تار شعاع سے جو کرے مسطر آفتاب

گر نور راے سے ترے روشن رواں نہ ہو
ہرگز کرے نہ تربیت گوہر آفتاب

قطع بساہنت جو زمانے سے تو کرے لاوے نہ بطن زن سے کبھی دختر آفتاب
ور بے بروں پہ تیری کرم کی نگاہ ہو تو سرو و بید کو بھی کرے مثمر آفتاب
ہودا طلائی فیل کا تیرے بہ چشم عقل گویا شب سیاہ کے ہے سر پر آفتاب
دنداں کی اس کی وصف نہ کچھ مجھ سے ہو سکے اس کے سوا کہ ہوگیا دو پیکر آفتاب
گر جھول میں شفق کا سقرلاط خرچ ہو کرنوں کو اپنی اس کا کرے جھالر آفتاب
کجباک جب کہ آئے نظر جوں خمیدہ شاخ مستک کے ہوگلوں سے چمن یکسر آفتاب
عطف عنان خامہ بہ سوے دعا کروں یارب نکالے تا فلک اخضر آفتاب
گردش میں رکھے تا کہ اسے پیر آسماں اور سمت جدی و قوس کی ہو رہبر آفتاب
بزم نشاط میں تری لایا کرے مدام بھر بھر شراب عیش کا نت ساغر آفتاب
ہے یہ قصیدہ بارہ سے سینتیس سن کا نظم نالے قلم سے نکلا ہے جو بن کر آفتاب

تسخیر یک جہاں نہ کرے کیوں کہ مصحفی
ہر دائرہ ہے اس کا ضیا گستر آفتاب

❁❁❁

تمت تمام شد ا

تمت تمام شد نسخۂ قصائدات من تصنیف حضرت مصحفی صاحب دام افضالہ حسب الفرمایش نواب صاحب والا قدر آغا اصغر علی خان بہادر دام اقبالہ بخط بدنمط عاصی امید علی عفی اللہ عنہ بتاریخ بست و ششم شہر جمادی الاول 1239 ہجری یوم چہارم شنبہ بوقت یکپاس روز برآمدہ با تمام رسید بموجب 1843 عیسوی بموجب 1231 فصلی موافق 1880 بکر ماجی۔

بلوخ الخط فی القرطاس دہراً و کاتبہ رمیم فی الراب

قاریا برمن مکن چندیں عتاب   گر خطائے رفتہ باشد در کتاب
آں خطاے رفتہ را تصحیح کن   از کرم ، واللہ اعلم بالصواب

لکھاری سو برس جو نمٹا در کوے
لکھن ہارا باہرا گل گل مائی ہوے

1۔ (نسخہ ایوان غالب کا ترقیمہ بجنسہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ ''قصائدات'' اور ''حسب الفرمایش'' اسی طرح لکھا گیا ہے۔ دو فارسی شعر اور ایک ہندی شعر سرخ روشنائی سے لکھے گئے تھے۔ ہو سکتا ہے یہ اضافہ بعد کا ہو۔

حواشی
(اختلاف نسخ)

قصائد مصحفی کا خطی نسخہ مملوکہ ایوان غالب نئی دہلی چوں کہ مصحفی کی وفات سے ایک سال قبل یعنی 1239ھ میں لکھا گیا اور اب تک دریافت شدہ نسخوں میں یہی سب سے مکمل ہے اس لیے اسی کو متن کی اساس بنایا گیا ہے۔ اس نسخے کے لئے علامت ''اصل'' استعمال کی گئی ہے۔ دوسرا اہم نسخہ رضا لائبریری رام پور کا ہے۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری میں دیوانِ قصائد کا جو نسخہ موجود ہے وہ اسی نسخۂ رام پور کی نقل ہے۔ یہ نقل کم و بیش پچیس سال قبل حاصل کی گئی۔

''اصل'' کا نسخۂ رام پور سے مقابلہ کرنے کے بعد جو اختلاف نظر آیا وہ قصیدہ وار ذیل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ نسخے کی صراحت غیر ضروری خیال کی گئی کیوں کہ یہی واحد نسخہ ہے جس کا اختلاف یہاں درج کیا گیا ہے۔ چند مقامات پر نسخۂ رام پور کی قرأت کو اختیار کرنا پڑا ہے تو اصل کی عبارت بھی صراحت کے ساتھ درج کر دی گئی ہے۔ آبِ حیات کا اختلاف بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ نسخۂ رام پور کے اکثر قصیدوں میں عنوان درج نہیں یا صرف ''قصیدہ'' لکھا گیا ہے۔ جہاں تفصیلی عنوان موجود ہے اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔ بعض جگہ ''در'' کا اضافہ کیا گیا ہے:

☆☆☆

(1) 1۔نسخۂ رضا میں عنوان: قصیدہ در مناجات حضرت باری 2۔اصل: لکھی ہے۔ 3۔رنج الیم 4۔آ جائے ہے 5۔ابر کرم 6۔اصل: نار جہنم 7۔اصل: طلسیم۔

(2) 1۔نسخۂ رضا میں عنوان: قصیدہ در مدح محبوب کبریا حضرت محمد مصطفی 2۔کرتا ہے جہاں 3۔زیر دم تیغ 4۔دم سرد 5۔دیں اس کے کہ قائل ہیں 6۔جس میں سبھی 7۔خم گشتہ۔

(3) 1۔نسخۂ رضا میں عنوان: قصیدہ در مدح حضرت محمد مصطفی 2۔میرا 3۔بن لنگر 4۔کیے پیوند مر 5۔رضا سے اضافہ 6۔کے تئیں رنگ کرنے سے 7۔رضا سے اضافہ 8۔عبا۔

(4) 1۔نسخۂ رضا میں عنوان: قصیدہ در مدح محمد مصطفی۔۔۔ 2۔لکھ 3۔بھی 4۔سرا رقم 5۔منصور 6۔تیغ و سپر 7۔آ گئے۔

(5) 1۔نسخۂ رضا میں یہ قصیدہ موجود نہیں، اصل میں بلا عنوان۔

(6) 1۔نسخۂ رضا میں عنوان: قصیدہ در مدح حضرت علی مرتضیٰ 2۔سنگ چرخ نے دی اس کے تئیں شکست 3۔جاگوں کا تو میاں 4۔جاوے جہاں میں جو تیرے دیکھنے تئیں۔ بن جاوے خود بسان کھرل کو ہسار چشم 5۔آسماں 6۔اصل کا 7۔اس کی۔

(7) 1۔قصیدہ در مدح حضرت علی مرتضیٰؑ 2۔کدھر کو 3۔سر سر کے تئیں کہ دے تو شہا 4۔بست۔

(8) 1۔قصیدہ در مدح حضرت علی مرتضیٰؑ 2۔تو لب آپ پر 3۔سورج تاش 4۔حکم گردوں ہے۔

(9) 1۔صرصر 2۔ماہتاب۔

(10) 1۔قصیدہ در مدح حضرت مرتضیٰ علیؑ 2۔گرا 3۔نت 4۔ووں ہی ترک فلک بھول جا کمانداری 5۔جو ہیں تیرے۔

(11) 1۔قصیدہ در مدح حضرت علی مرتضیٰؑ 2۔درد کو شاعروں میں سبھوں میں۔۔۔ یہ تو ہوتا نہیں ہے وا دردا۔ اس کے بعد یہ دو شعر:

کیوں کہ دلی کے بیچ گزرے ہیں
ڈھائی شاعر سرآمد شعرا
اس کی تفصیل یہ کہ کہتے ہیں
میر و مرزا و درد وا دردا!

3۔خوب 4۔اپنی ہے۔

(12) 1۔قصیدہ درمدح حضرت علیؑ 2۔جہاں میں 3۔قرآن 4۔مری نظم کی یارو5۔درقد 6۔پیمبر۔

(13) 1۔قصیدہ درمدح حضرت مرتضیٰ علیؑ 2۔سبزے 3۔یاں 4۔مرہب (شاید مرجب) 5۔دونوں مصرعے دولخت (دونوں نسخوں میں اسی طرح)۔

(15) 1۔جی کے 2۔ماروں سے 3۔جس کا پروانہ ہے 4۔زباں دانی 5۔امام دوئی 6۔طشت دعوت۔

(16) 1۔دستخط ہوا اس کی فرد پہ 2۔کٹوا کے اقربا 3۔ہے اب بہت محال 4۔جناب سے 5۔جدال۔

(17) 1۔اصل: کو 2۔اصل: اس کی بھلا 3۔بنتے ہو 4۔مار مار چشم 5۔اصل ورضا: زارو نزار۔

(20) 1۔یہ تشنہ جگر 2۔چھاتی پہ پتھر 3۔اکسیر کہہ 4۔زیب افسر ہے 5۔میں 6۔مرگ 7۔کدھر۔

(21) درمدح بادشاہ زادہ مرزا جواں بخت 2۔سدا 3۔ساتھ 4۔اصل: صدا 5۔رضا میں۔
اس کے بعد تین شعروں کی بجائے مندرجہ ذیل شعر:

قہوہ رہا اک طرف درعوض آب جاہ
خون جگر سے مجھے چرخ پلاتا ہے چاہ (یعنی چائے)

6۔دونوں طرف سے 7۔اصل:وقف 8۔اصل:ذات خدا۔

(22) 1۔قصیدہ در مدح شاہزادہ عالمیاں مرزا سلیمان شکوہ بہادر 2۔بحر ماں کے نیچے رضا میں لکھا ہے ''پارچہ باریک''3۔رضا سے مصرعوں کی ترتیب درست کی گئی 4۔اصل: فلک سے پار 5۔زمین 6۔رضا سے اضافہ 7۔اصل:سینگوں 8۔اصل ورضا:دولہ۔

(23) 1۔قصیدہ در مدح نواب آصف الدولہ 2۔اصل: ڈھونڈا 3۔ترک فلک 4۔کہوں 5۔اصل: ترا 6۔تیر(نیز بمعنی پانی موزوں تر) 7۔رنگ 8۔مرتبہ 9۔پیر فلک 10۔اصل: آسماں کی کماں 11۔اصل: سیکھتا ہے 12۔تیل 13۔بیک (اس کے نیچے لکھا ہے ''حملہ کردہ'')

(24) 1۔سرہاں کے نیچے لکھا ہے گرگ 2۔مودت 3۔تیقض۔ نیچے لکھا ہے ''بیداری''4۔ہو 5۔تکوں 6۔پھینکوں 7۔لگے ہے 8۔روز ہجراں۔

(25) 1۔اصل ورضا: چاہ (ہر جگہ چائے کو چاہ ہی لکھا ہے) 2۔صلح خانے۔

(26) 1۔ہرے 2۔بلبلیں بولتی 3۔ہیں 4۔مشامات 5۔جہل 6۔حل 7۔میں 8۔زرنجشی 9۔چیتل۔ اصل: حنظل (اس کے نیچے لکھا ہے ''گربہ را گویند'' 10۔رکھایا 11۔ملے ہے صندل۔

(27) 1۔او 2۔رضا سے اضافہ 3۔''یعنی'' رضا میں ندارد 4۔''لکھا گیا ہے'' رضا سے اضافہ 5۔لکھنا 6۔شوخی 7۔اہل معانی۔

(28) 1۔بس کہ تھے واں 2۔ڈھونڈا 3۔رضا میں دو شعر اس طرح ہیں:

کیا خوبیاں میں اس کی کہوں یک بیک کہ ہے
مسکیں نواز و مشفق و بسیار مہرباں
اپنے خیال میں تو کوئی دوسرا نہیں
وے خوبیاں کہ ذات میں اس کی ہوئیں عیاں

4۔اصل: رسم عہد۔

(29) 1۔سارے 2۔اصل: کہ 3۔یہ شعر رضا میں نہیں 4۔مصحفی اب تو میں۔

(30) 1۔اصل: کھلیں 2۔خود 3۔آنکہ (آنک پڑھا جائے گا) 4۔ہووے مرے منہ میں زباں 5۔میں 6۔دشمنوں کے حق میں بن جاتی ہے پھر وہ اژدہا۔

(31) 1۔قصیدہ در مدح نواب طاہر الدولہ بہادر۔رضا میں شروع کے اشعار موجود نہیں۔مطلع ثانی سے پہلے مندرجہ بالا عبارت درج ہے 2۔بہ زیر چشم 3۔اصل و رضا: چاروں ہیں عناصر کا جواب 4۔خاک سراب 5۔نکلے 6۔یہ انتخاب 7۔اصل: ہے 8۔انہوں کی 9۔جائے قطرے کی گریں 10۔وہ 11۔وہ خود ہے 12۔ثنا ہے۔

(32) 1۔مجھ کو یوں 2۔آنکھوں کے دور میں ہے ترے فتنہ متہم 3۔بعد تشبیب کے 4۔اس کے سارے 5۔لاوے 6۔نہ کیوں کہ ہوں۔

(33) 1۔مارے ہے ہر روزن مجمر کے ساتھ 2۔لہرائے ہے 3۔شرمات 4۔دیکھیے کب نکلیں الجھیڑے سے 5۔در کوثر کے ساتھ 6۔اکثر کے ساتھ 7۔تیغ ہے اس کی 8۔اصل: ہاں 9۔تب 10۔جی میں یوں آتا ہے کر کے 11۔ہے تجھے نسبت بجا 12۔ریاضی داں کے اوپر ہے دلیل 13۔عقل کہتی ہے مجھے تو 14۔زلف لیلیٰ 15۔رضا میں یہ شعر نہیں 16۔دنداں سپید

(34) 1۔زلف سنبل 2۔مدحت گری کے ہووے شایاں 3۔رنگیں ہیں جب کبھی روز خوش عید۔

(35) 1۔اصل و رضا: ذک 2۔کوئی جو یاں ہے 3۔رضا میں ''بعضے کے نیچے لکھا ہے'' کنایہ بہ جرأت''4۔نیچے یہاں بھی یہی لکھا ہے''کنایہ بہ جرأت''5۔کہاں 6۔بیگانہ محض 7۔حاشیہ رضا: ''کنایہ بہ اہل دول'' 8۔حاشیہ رضا''کنایہ بہ جرأت''9۔وہاں 10۔ہو کر عاجز 11۔جبکہ تمام۔

(36) 1۔ہی رکھیں 2۔بڑھیں 3۔یہ ہے 4۔خودبخود چاک ہوا جاہے شگاف دیوار 5۔رضا میں روح الفرس اور لیل ونہار کے نیچے لکھا ہے ''ہر دو نام بادشاہ'' دراصل یہ محمد شاہ کے دو گھوڑوں کے نام تھے۔ ایک اور قصیدے میں نسخہ رضا میں روح الفرس کے نیچے اسپ ''محمد شاہ'' اور پھر لیل ونہار کے نیچے یہی عبارت لکھی ہے 6۔پہنے ہے جس گھڑی وہ بریں قبائے کمخواب 7۔نظر آوے۔

(37) 1۔اسے دے وہ بقدر خروار 2۔کبک 3۔مشرق ومغرب 4۔یک بیک رزم کے میداں میں جو ہوا اس کا گزار 5۔پیل سیاہ اجل 6۔بس صف ہیجا سے فرار 7۔دو مصرعے، اصل میں: ''دو مصراع'' بمعنی مطلع۔

(38) 1۔جہاں میں جو زباں ہے 2۔سووہ 3۔زباں ہے مری قاصر 4۔وہ 5۔رضا سے اضافہ 6۔کوئی رہا شہر میں باقی 7۔روٹی 8۔اک آتے ہوئے خوان کو یوں دیکھ کہے ہے 9۔روٹی کہاں ہے 10۔گلشن دلی۔

(39) 1۔رکھے ہے 2۔میں ہے 3۔اصل ورضا: پیدانہیں (قیاس سے تصحیح کی گئی) 4۔وہ یہ 5۔یہ شعر رضا سے اضافہ 6۔کبھی رنگے ہے۔اصل: کبھی رنگے ہے جو 7۔رضا میں ''مکہ'' کے نیچے لکھا ہے ''خواہش'' 8۔لکھوں ہوں 9۔تلک ہے 10،11۔رضا میں روح الفرس اور لیل ونہار کے نیچے لکھا ہے ''نام اسپ محمد شاہ'' 12۔نہ ہووے کبھی ادھر کو گزار 13۔یہاں 14۔باغ خسروی گلزار 15۔انہوں کے دل کو۔

(40) 1۔مصرعے 2۔اصل: بجھاتے 3۔نہ ہو 4۔ہی 5۔رونق تحریر 6۔اکثیر 7۔مل جائے زمیں وہ نہ ملے 8۔عید کے دن 9۔خزانہ۔

(41) 1۔قتل کے 2۔یہ 3۔اصل ورضا: طپاں 4۔فخر کو دکاں 5۔تیر 6۔تجھے۔

(42) 1۔بہلہ 2۔تقلید 3۔سرخصم عدو 4۔ٹکڑے 5۔جودو 6۔جوں ہے شب یلدا کو تشابہ۔

(43) 1۔عقدۂ دل 2۔مصرعوں کی ترتیب رضا سے درست کی گئی 3۔تقابل 4۔ہوں ترے وقت دعا ان کے بھی لب۔

(44) 1۔درپہ 2۔برابری 3۔تونگری 4۔ڈھال 5۔بھری 6۔حاشیہ رضا: ''کوٹھی کا نام''

(45) 1 نظارہ بازی 2۔اصل: یقین 3۔ٹوکری 4۔اصل و رضا: حول 5۔مضموں ہوا ہے یہ مستور 6۔دنداں سے۔

(46) 1۔دریا میں حباب وہم کا خم 2۔اصل و رضا: طلاطم 3۔یہ شعر رضا سے اضافہ۔

(47) موجودہ عنوان رضا سے۔ اصل میں عنوان ایں قطعہ نسبت انشاء اللہ 2۔ یہ شعر آب حیات سے اضافہ 3۔آب حیات میں اس شعر کی جگہ یہ شعر ہے ؎

کافور سے مطلب ہے مرا اس کی سفیدی
ٹھنڈی تو میں باندھی نہیں کافور کی گردن

4۔مشدد بھی 5۔آب حیات: تو کیا ہے 6۔مضمون تو میرا ہی ہے 7۔ باندھا نہ کر 8۔بعد میں تیغ زباں سے 9۔آب حیات: میں کاٹ دی وعدے کی ترے زور کی گردن 10۔آب حیات: ناسور کی بیٹی 11۔وہیں 12۔کہ تخن۔

(48) 1۔اصل: قطعہ 2۔اصل: منظور 3۔اصل: تجھے کہ 4۔پنجہ سر نصیب

(49) 1۔کھنچتے ہی 2۔رضا میں مطلع اس طرح ہے:

ہوا ہے رخش سے تیرے جو ہم عناں نوروز
جہاں میں تب سے ہر اک روز ہے عیاں نوروز

اس کے بعد کے دو شعر رضا میں موجود نہیں 3۔سوت سی۔

(50) 1 ہمسران تخن 2۔سبب 3۔ترے کی نسیم۔

(51) 1۔از دور۔

(52) 1۔اصل میں بلاعنوان، رضا میں عنوان صرف ''قصیدہ''۔ دراصل یہ شکایتوں سے لبریز ایک قطعہ ہے جو بطور قصیدہ سلیمان شکوہ کی خدمت میں پیش کیا گیا 2۔نہیں ہوئی 3۔آب حیات: ملال آیا 4۔ایجاد، اصل: انواع (ایجاد و ابداع زیادہ قرین قیاس کیوں کہ مصحفی کے خلاف ایک جلوس اور اس میں گڈے گڑیا کا لڑانا ادبی معرکہ آرائی کی تاریخ میں ایک نئی چیز تھی 5۔اصل ورضا: نقش پذیر، آب حیات: نقش حریر (ایسا کاغذ جس پر غصے سے بھری عبارت تحریر ہو) 6۔آب حیات: جو کچھ کہ کی تقریر 7۔آب حیات: یہ روز فقیر 8۔چار پہر، آب حیات: الٹ کے حرف 9۔اگر 10۔ہر جگہ ادنیٰ، اصل نسخے میں اولیٰ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ ادنیٰ سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ حقیر انسانوں کا بادشاہ (قاب قوسین وادنیٰ) 11۔آب حیات: اور ان پہ بھی جو کیا میں نے تازیانہ منع 12۔آب حیات: تدبیر 13۔وعدہ 14اصل: یہ 15 آب حیات: خدا نے کیا ہو موزوں طبع 16۔آب حیات: مجھے کہاں مقدور 17۔ہو جیسے 18۔آب حیات: نگاہ کرتے تھے۔

(53) 1۔بہ اوج فلک 2۔ہو خرس کوہ 3۔مہر مہ کی جنباں تو 4۔بوزنہ دار 5۔سکھائے 6۔پنجہ عدل 7۔اس جگہ پہ فرار 8۔درکی کا قرار 9۔کبھی 10۔پھرے نہ صفحہ کاغذ پہ پھیرے سے پرکار 11۔رہے جو میان کے اندر تو اژدہائے بغار۔

(54) 1۔کہ یہ 2۔آسماں کی گردش۔

(55) 1۔گہ کے 2۔مژھے 3۔رضا میں اس طرح:

میری یہی دعا ہے گلستانِ دہر میں
سرسبز تو رہے، ترے دشمن ذلیل وخوار

(65) 1۔لال 2۔سرنیرنگ 3۔اصل: اس کے 4۔رکھ بسر چنگ 5۔حوضے
6۔یارب ہے جب تلک۔

(57) 1۔مسئلہ عشق 2۔اصل (حاشیے میں) نام جانور خوش آواز 3۔رضا (حاشیے میں) بجھن
4۔دیکھ کر 5۔لکھیے اک آبدار مطلع وہ 6۔رو۔

(58) 1۔دیدۂ کورکو۔یہ شعر رضا سے اضافہ 2۔رضا میں اس طرح:

وصل اور ہجر (کذا) میں رہتا ہے مرے عشق کا دور
ہے دوانے کے تئیں شادی و غم دونوں ایک

3۔اس کو 4۔کام میں تیرے جگر سوختہ کے وقت طلب 5۔رضا میں نہیں 6۔اگر 7۔
اس شہ اختر کے تئیں 8۔جبل و خدم 9۔رضا میں اس شعر کی جگہ یہ شعر:

بھونکنے سے نہ رکھے خصم کے خنجر کو وہ باز
تا گہ رزم نہ ہوں دست و شکم دونوں ایک

10۔کرنے دو ترتیب صفوف

(62) 1۔دن رات 2۔اصل و رضا: حمام (بضم ح) 3۔لطف 4۔اصل و رضا: جزام
5۔غیروں کے 6۔جاتے ہیں 7۔کاروائی

(63) 1۔کلام لاف میں آ آ کے اس نے بھی یہ سخن 2۔الزام 3۔اصل و رضا: پہنچے 4۔اصل
: آرام 5۔ایک ہے مریخ، ایک ہے بہرام 6۔بارگیری 7۔تو واقعات۔

(64) 1۔نت اس زمیں سے اگے بعد موتیا نرگس 2۔ بتا تو میرے تئیں تجھ کو کیا ہوا نرگس 3۔
رضا میں یہ شعر اس طرح:

گدائی در سے نہیں کی گر اس کے تو نے چمن
رکھے ہے کاسے میں کیوں نقرہ و طلا نرگس

4۔ وہ جو کچھ 5۔ کمر؟ 6۔ بے ذاتی۔

(66) 1۔ بے وجہ یہ زمیں سے نہیں جوش اور بخار 2۔ تعلیم کارزار 3۔ برسے کبھی پہار۔

(67) 1۔ اس کا نعل 2۔ رضا میں یہ شعر اس طرح:

حسن کی بس کہ ہے خواہش تجھے ہردم کے بیچ

تو تما کو بھی جو پیتا ہے تو پیتا ہے کلال

3۔ ترجمہ سب از بر ہو۔

(70) 1۔ اصل میں عنوان: جواب قصیدہ انشاء اللہ تعالیٰ ☆ رضا میں یہاں تک ندارد 2۔ مان 3۔ گر۔ رضا میں یہ شعر ندارد 4۔ حکم 5۔ میرے دامن سے جو پا جاتی ہیں ☆ رضا سے یہ شعر اضافہ۔

(71) 1۔ رضا میں قصیدے کا عنوان: قصیدہ در مدح اسپان و اسطبل نواب جلال الدولہ مہدی علی خان بہادر دام اقبالہ 2۔ سواد 3۔ اس کی 4۔ درم 5۔ پتا 6 بانگ سہیل 7۔ شستگی 8۔ چشم بصیرت کا تو تیا 9۔ اور جنہنا کے لیوے ہے گردن کوئی اٹھا 10۔ برش۔

(72) 1۔ قصیدے کا عنوان رضا سے لیا گیا۔ اصل کا عنوان قوسین میں درج ہے 2۔ ہوں سپند سر آتش کہوں جاؤں نہ چنگ 3۔ ہیرے ☆ رضا سے اضافہ 4۔ تھی اتنی معدوم 5۔ شاعر کو گزرتا تھا کبھی اس پہ خیال 6۔ صلے 7۔ ہو 8۔ دیکھ کر ملک کی قیمت 9۔ لکھوں 10۔ شب یلدا 11۔ رنگ میں شوخ 12۔ نہ جس کی کبھی 13۔ مسک 14 آ کے اگر 15۔ دوڑنا۔

(73) 1۔ جوڑے 2 خوش طلائی 3۔ ہووے 4۔ بھلس۔

(79) 1۔ اصل: ریحانی۔

(81) 1۔ اصل: بلا عنوان 2۔ بھو چک 3۔ کہ جس کے پھولوں سے طاؤس رہ گیا ششدر 4۔

رضا میں اس طرح:

کہا یہ اس نے میاں آفریں علی خاں کی
ثنا کہی ہے جو تو نے تو جلد چل لے کر

5۔ وہ ممتاز دولہ علی جاہ 6۔ رضا میں یہ شعر موجود نہیں 7۔ طوفان مرگ 8۔ چلے ہے۔

فرہنگ

زیرِ نظر دیوان میں جو نامانوس الفاظ ومحاورات استعمال ہوئے ہیں، وہ اور ان کے معنی اس فرہنگ میں الف بائی ترتیب کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ مصحفی کے زمانے کے بہت سے الفاظ، اصطلاحات اور محاورات آج کے دور میں اجنبی ہیں۔ مثلاً کبوتر بازی اور شہ سواری سے متعلق بہت سے محاورے اور اصطلاحیں ہیں جن کے مطالب واضح نہیں ہوتے۔ انھوں نے کچھ شاعروں کے نام گنوائے ہیں۔ بقول جناب قاضی عبدالودود ان میں سے کئی ایسے ہیں کہ ان ناموں کے شاعر نہ اردو میں ہوئے نہ فارسی میں۔ کچھ ایسی شخصیتوں کے نام بھی ہیں جن سے عام طور پر لوگ واقف ہیں، انھیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ کتب لغات اور اساتذہ کے کلیات ودواوین سے رجوع کرنے کے باوجود بہت سے لفظوں کے معنی متعین نہ ہو سکے۔ ایسے الفاظ بھی ہیں کہ معنی کا تعین تو ہو گیا لیکن دل مطمئن نہیں ہوا۔ وہاں معنی لکھ کر سامنے سوالیہ نشان بنا دیا گیا ہے۔

(آ)

آب تاریک: آب حیات
آذری: سیاہی مائل
آرد: آٹا
آز: حرص۔
آس: پیسنا
آسیاب: (آسیہ+آب) پن چکی۔
آش شعیر: جو کا پانی، جو کا دلیا۔
آل: سرخ رنگ۔
آنب: آم۔
آہو برہ: ہرن کا بچہ۔

(الف)

ابداع: ایجاد۔
ابر مطیر: برسنے والا بادل۔
ابہام: انگوٹھا۔
ابیض: سفید۔
اتاقہ: طرہ، کلغی۔
اجوف: کھوکھلا۔
احتضار: مجازاً دم مرگ۔
احصار: گنتی، شمار۔
اخیل: خال دار، بنکی والا۔

ادیم: چمڑا۔

ارتلا: پناہ، آڑ، حمایت (آڑ + تلے)۔

ارجل: سفید پاؤں والا گھوڑا جسے منحوس سمجھا جاتا ہے۔

ارس: آذربائیجان کے نزدیک ایک شہر۔

ارژنگ: مانی مصور کا مرقع۔

ارقم: کالا سانپ۔

ارک: شاہی فرمان۔

اڑتک: گھوڑا، گھوڑے کی آنکھوں پر باندھنے کی اندھیری، نیز پالان۔

اڑنگ: ڈھیر، نیز کارخانہ۔

اسود: بہت سیاہ۔

اشعار: اشارہ کرنا، مشہور کرنا۔

اشہل: بھیڑ جیسی آنکھوں والا۔

اصفری: سوت کی لچھی۔

اصم: بہرا۔

اطرتوا: راستہ دو، امیروں کے آگے نقیب یہ آواز لگاتے چلتے تھے۔

اعظام رمیم: منتشر ہڈیاں۔

اعمال ذمیم: برے اعمال۔

اعمیٰ: نابینا۔

اعنی: یعنی۔

افسار: لگام

اقتصار: قصر کرنا، مختصر کر دینا۔

اقحوان: ایک پھول، بابونہ۔

اقلام: قلم کی جمع۔

اقمشہ: قماش کی جمع۔

اکن: ایک خوش آواز پرند۔

اکحل: ایک رگ کا نام

البرز: ایک پہاڑ کا نام۔

الکن: ہکلا، توتلا۔

النگ: سبزہ زار، نیز پشتہ۔

الینڈنا: الٹنا۔

الوان: رنگ کی جمع

الیماں: الاماں (؟)

امضا: حکم۔

اناث: عورتیں (انثیٰ کی جمع)

اندھیری: گھوڑے وغیرہ کی آنکھوں پر باندھی جانے والی پٹی۔

انحضار: حاضر ہونا۔

انجار: روئیدگی، کلا پھوٹنا۔

انکیس: (؟)

انگشت زدن: چٹکی بجانا۔

انوٹ: پاؤں کا ایک زیور۔

اوچی: ہتھیار بند سپاہی۔

اول: ضمانت، ضمانتی، رہن رکھا ہوا۔

اہرن: نہائی، جس پر لوہار لوہا کوٹتے ہیں۔

اہتزاز: جنبش۔

اہل دباغہ: چمڑے کا کام کرنے والے، ٹوپی بنانے والے۔

ایراد: وارد ہونا۔

ایمہ: معافی میں دی گئی زمین۔

اینڈل: اکڑنے والا۔

(ب)

باٹ: راہ۔

بابونہ: ایک جنگلی پودا۔ اس کا پھول دواؤں میں کام آتا ہے۔

بادریسہ: لٹو جو چوب خیمہ پر رکھا جاتا ہے۔

بادلہ: ریشمی کپڑے پر سنہرا کام۔

بارانی: برساتی۔

باروت: بارود۔

باتا: ایک قسم کی تلوار اور پٹا۔

بانا باندھنا: کسی فن میں یکتائی کا دعوا کرنا۔

بانبی: سانپ کا بل۔

بانوا: بے پروا، بے نیاز۔

باولی: شکار پکڑنے کی ڈور۔

بٹا: لکڑی کا چھوٹا سا گولا جو فصد کھولتے وقت ہاتھ میں دبوایا جاتا ہے تاکہ خون آسانی سے بہے۔

بجر: پتھر۔

بچلنا: مچلنا، بہکنا۔
بچھوا: پاؤں کا ایک زیور، نیز ایک قسم کا خنجر۔
بحر ماں: قیمتی باریک کپڑا۔
بختی: اونٹنی۔
بدعت: غلط کام، کوئی نئی بات جو نامناسب ہو۔۔
بدیا: ودیا، علم۔
برج کماں: قوس قزح۔
برقِ خاطف: برباد کردینے والی بجلی۔
برن: بدن
بروٹ: پیٹ کی رسولی۔
برودت: سردی۔
بسرام: وشرام: آرام
بصل: پیاز۔
بعیر: اونٹ، کارواں جس کا سامان جانوروں پر لدا ہوا ہو۔
بقم: مجیٹھ، ایک لکڑی جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے۔
بکسنا: گلنا، مرجھانا۔
بلع: نیچے گرنا۔
بنان: بن (انگلی کی پور) کی جمع۔
بنڈال: ایک کڑوا پھل۔
بنفشہ: بنفشی: نیل گوں
بنگ: بنگال۔

بوتیمار: بگلا۔

بوزی: بوڑی: نیزے کی نوک۔

بوق: ڈھول۔

بوقبیس: مکہ معظمہ کے نزدیک ایک پہاڑ۔

بوم: طلائی زمین پر نقشی کام۔

بہبہا: شوخ، شریر، سرکش۔

بہلہ: دستانہ۔

بھجنگ: بہت کالا۔

بھرنگ: کالی بڑی مکھی بھجنگا۔

بھوڈول: ابرک ملی افشاں۔

بے پیر: ظالم، گمراہ۔

بے تہی: حماقت۔

بیٹھن: لپیٹنے کا کپڑا۔

بیراگن: سنیاسن۔

بے کھسر: بے عیب (بحوالہ سرمایۂ زبان اردو از جلال لکھنوی)۔

بنگی: بھنگی، بھنگ پینے والا۔

بے نیلِ مرام: مراد۔

(پ)

پارہ دوز: رفوگر۔

پاکھر: (پاگھر: جگالی کرنے کو کہتے ہیں؟)

پاگیر: گھوڑے کے اگلے پیروں کو باندھنے کی رسی؟ عام لوگ اسے 'پاکڑ' اور 'پاکھر' بھی کہتے

ہیں۔

پالٹ: پنڈلی پروار۔

پالہنگ۔ دوڑ۔

پایکار: تحصیل کا پیادہ۔

پر چک دینا: آمادہ کرنا، ہمت بڑھانا۔

پرکٹ: ظاہر

پرگوشت زبان: منحوس زبان (؟)۔

پرنالی: موٹاپا۔

پرند: ایک ریشمی کپڑا، چادر۔

پرویزن: چھلنی۔

پشنک: دولتی۔

پشیز: دمڑی۔

پلاس: ٹاٹ۔

پورک: قلم کا نیزہ۔

پورمال: مورچھل۔

پوزمال: وہ رسی جس سے نعل بندی کے وقت گھوڑے کا منہ باندھتے ہیں۔

پولک: گھٹا۔

پون: ہوا۔

پوئیاں چلنا: گھوڑے کا آہستہ چلنا۔

پہنا: وسیع۔

پیٹھنا: گہرائی تک اتر جانا۔

پیپلا: تلوار کی نوک، دھار۔

پے تنگ: پیچھا کرنے والا (؟)۔

پیراہن قبا ہونا: پیراہن چاک ہونا۔

پیر جلیل: لکھنؤ کا ایک محلہ۔

پے کرنا: پیچھا کرنا، حملہ کرنا۔

پیلک: ایک پرند۔

پینگ: نشہ، خمار

(ت)

تابہ: توا۔

تار مار: منتشر، پریشان

تانبڑی: تانبے کا برتن۔

تدویر: گردش۔

ترارہ: زقند۔

ترجیع: مقفّیٰ عبارت، آراستہ۔

ترس: سپر۔

ترصیع: سجاوٹ۔

ترنج: لیموں۔

ترک: مراد سپاہی۔

تروٹ: ایک راگ۔

تریل: ہتھنی جس پر چارا لادا جائے۔

تزائد: بڑھانا، زیادہ کرنا۔

تساوی: برابری۔

تسویہ: برابر کرنا۔

تشبب: تشبیب۔

تصاعد: اوپر چڑھنا، بلند ہونا۔

تضعیف: کمزور کرنا کم کرنا۔

تشویر: شور، نیز شرم۔

تظلم: فریاد۔

تغمہ: تمغہ تکمہ، اصلاً تمغہ بھی مستعمل ہے۔

تکثیر۔ کثرت۔

تگاور: تیز رفتار گھوڑا۔

تل: ٹیلا۔

تلمس: (؟)۔

تمادی: درازی۔

تنبور: طنبور، موسیقی کا ایک ساز۔

تنبول: عرق پان۔

تشیر: پھیلانا، نشر کرنا۔

تنقیہ: پاک صاف کرنا۔

تنگ: بارِ خر۔

توتو: کوئل کی آواز۔

تودا: نشانہ۔

تور: تورج، فریدون کا بیٹا، مراد پہلوان، پالکی کا پردہ، جھالر، رسی۔

توفیر: کثرت، نیز نفع۔
توشہ دار: کشکول رکھنے والا، مجازاً فقیر۔
تہور: بہادر، جواں مرد۔
تھوہر: ایک کانٹوں دار جھاڑی۔
تہی گاہ: مقعد۔
تیر: ایرانی سال کا چوتھا مہینہ، ساون کے آس پاس۔
تیز تگ: تیز رو۔
تیقض: بیداری۔
تیہا: غصہ، جوش۔

(ٹ)

ٹکی لگانا: دل لگانا، کامیاب ہونا۔
ٹھور رکھنا: مار رکھنا۔
ٹھیک: ٹھیلا، بوجھا۔

(ث)

ثعبان: اژدہا۔
ثنایا۔ سامنے کے چار دانت۔
ثور: ایک آسمانی برج کا نام۔

(ج)

جامۂ گل دوز: کارچوبی لباس۔

جدار: کھائی، دیوار۔

جدول: قطار، مراد نہر۔

جدی قوس: ایک آسمانی برج کا نام۔

جذر: علم ریاضی میں کوئی عدد اس رقم کا جذر کہلاتا ہے جو اس کو اسی کے ساتھ ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے۔

جذر اصم: وہ عدد جس کا جذر نہ نکل سکے۔

جزائر: بندوق، نیز تکوار۔

جزو لایتجزیٰ: کسی شے کا سب سے چھوٹا جزو، جس کو مزید تقسیم کرنا غیر ممکن ہو۔

جس: پیش، طاقت۔

جس پال: جنپال: (؟)

جعل: گبریلا کیڑا۔

جلاجل: جھانجھ، مجیرا۔

جلائر: بغداد کا ایک شاہی خاندان

جماہیر: عوام، جمہور کی جمع۔

جنب: کنارہ، پہلو۔

جنگلا جھنجوٹی: راگوں کے نام۔

جنیو: ڈوری جو ہندو کندھے سے کمر تک ڈالتے ہیں۔

جوانسا: ایک خاردار جھاڑی۔

جوڑے کا کبوتر: وہ کبوتر جس سے بچے نکالنے کا کام لیا جاتا ہے۔

جوسار: (؟)

جوف قلم: قلم کی نلی کا سوراخ۔

جھلم: زرہ بکتر۔

جھنجھرے: سوراخ۔

جیوٹ: بہادر

(چ)

چرغ: لگڑ بگا۔

چروان باڑھ: چری ہوئی دھار، دوشاخہ، دوسر۔

چغل: کنکر جو چلم میں تمباکو کے نیچے رکھتے ہیں۔

چنڈول: کرسی کی شکل کی ایک سواری۔

چوپان: چرواہا، مجازاً نگہبان۔

چورنگ: نشانہ۔

چوری: مورچھل۔

چہ بیژن: کنواں جس میں افراسیاب نے بیژن پہلوان کو قید کیا۔

چھل جانا: بچ جانا۔

چہلا: دلدل، کیچڑ۔

چیتنا: جاگنا۔

(ح)

حاجب: پاسبان، چوبدار۔

حبل المتین: مضبوط رسی مراد قرآن کریم۔

حبق: ہونق: احمق۔

حدید: لوہا۔

حربِ صفوف: صف بندی کر کے جنگ۔

حربا: گرگٹ۔

حریر: غضب ناک، غصے میں بھرا ہوا۔

حصیر: بوریا، نیز دم۔

حطب: ایندھن۔

حکہ: خواہش۔

حلل: حلہ (بہشتی لباس) کی جمع۔

حمیر: گدھا۔

حمیم: گرم۔

حنطل: بلی

حنظل: اندرائن، پھر چیندوا (تلخ)۔

حوضہ: ہودہ۔

حیز: حیزہ: دائرہ، دائرۂ اختیار۔

(خ)

خذلاں: بے یار و مددگار چھوڑ دینا، چہ خذلاں: جس کنویں میں کسی کو قید کیا جائے۔

خرچنگ: کیکڑہ، سرطان مراد برج سرطان۔

خردل: رائی۔

خرطوم: سونڈ۔

خرق عادت: مرد امعجزہ۔

خسک: گوکھرو۔

خشن: کھردرا۔

خصم: دشمن۔

خطا بطلان: وہ لکیر جو کسی عبارت کو منسوخ کرنے کے لئے کھینچی جائے۔

خطور: داخل ہونا، نیز اغلاط (؟)

خفاش: چمگادڑ۔

خلخ: ترکستان میں ایک حسن خیز شہر۔

خلخال: پازیب۔

خمک: تالی۔

خنبک: نقارے کی چوب۔

خنزیر: سور۔

خنصر۔ چھوٹی انگلی، چھینگلیا۔

خنیاگری: راگ رنگ، گانا بجانا۔

خوان چشک: پس خوردہ، بچا ہوا کھانا جو ملازموں کو دیا جاتا ہے۔

خوگیر: توبڑا۔

خوید: کچا اناج، ہرا چارہ۔

خےِ تشویر: شرم کا پسینہ۔

خیار: کھیرا۔

(د)

دادار: انصاف کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی صفت۔

داش: داس: غلام، اینٹوں کا بھٹا، پژاوہ۔

دبور: ٹیڑھا، پچھوا ہوا۔

دبیقی: مصری کپڑا، دیبا۔

دخمہ: تہ خانہ یا صندوق جس میں مردے کو رکھتے ہیں۔

دد: چوپائے، جنگلی جانور۔

درست: اشرفی، درم و دینا۔

درع: زرہ۔

دژ: قلعہ۔

دژ اخضر: نیلا قلعہ، مراد آسمان۔

دگلی: تلوار کے قبضے کا تسمہ۔

دقیقہ: باریک شے، نازک پردہ، پردۂ ساز۔

دل بادل: شاہجہاں کے ایک خیمے کا نام، نیز آصف الدولہ کا ایک گھوڑا۔

دماں: طاقت ور۔

دنانیر: دینار کی جمع۔

دنایت: بدی، کمینہ پن۔

دنگل: بھیڑ، مجمع۔

دو: دوڑ۔

دواب: دابہ (چوپایہ) کی جمع۔

دوال: رسی، تسمی، نیز تلوار۔

دو بھیاں: طاقت ور۔

دوختہ: سلا ہوا۔

دوس: دوش: الزام۔

دوکھنا: دوش دینا، الزام دینا۔

دوناں: دوں (برے) کی جمع۔

دہ دہی: ڈہڈہی: شوخ، تیز رنگ۔

دیبا: باریک، ریشمی کپڑا۔

دیپک: ایک راگ، کہتے ہیں اس سے آگ بھی لگ جاتی تھی۔

دیمق: پارہ

دیہیم: تاج۔

(ڈ)

ڈانڈا مینڈائی: مینڈ (حد بندی) پر تنازعہ۔

ڈگن: پنچھی، لگی۔

ڈہڈہا: شوخ، تیز رنگ۔

(ذ)

ذابح، سعد الذابح: دو ستارے۔

ذم: بدی، برائی۔

ذنب: بارہ آسمانی برجوں میں سے ایک۔ دائیں جانب "راس"، بائیں جانب "ذنب"۔

(ر)

راحلہ: قافلہ۔

راس: ایک آسمانی برج۔

راکس: راکشس

رانی روتانی یارانے روتانے: (؟)۔

رائحہ: خوشبو۔

رائض: سوار۔

ربیعی۔ بہار کا موسم۔

رجعت: واپسی۔

رجم: پتھر مارنا، سنگسار کرنا۔

رستنی: گھاس، سبزہ۔

رسکوک: رشکوک: چھوٹے موتی۔

رطب: چھوہارہ، کھجور، نازک پیر۔

رفت ورو: جھاڑ پونچھ۔

رقاب: رقبہ کی جمع۔

رمح: نیزہ، نیزے کی نوک۔

رمہ: ریوڑ

رندھیر: شجاع، بہادر۔

رنگ رس: رنگ ریز۔

روح الفرس: محمد شاہ کے گھوڑے کا نام۔

روز: روزینہ۔

ردے دست کھانا: فریب کھانا۔

ریح: ہوا، بو۔

ریم: مواد۔

(ز)

زاد: سفر کا سامان۔

زال: سفید بالوں والی، مراد بوڑھی۔

زبان لال: گونگی زبان۔

زحل: ایک منحوس ستارے کا نام۔

زحیر: پیچش

زردہ دہی: خالص سونا۔

زردک: زردی مائل سوتی کپڑا، گاجر۔

زریر: زرد رنگ (؟)۔

زغال: جلتا ہوا کوئلہ۔

زلال: صاف میٹھا پانی۔

زلل: لغزش (جمع)۔

زمہار: زمہریر: مراد سردی۔

زنابیر: بچھو، بھڑ (جمع زنبور کی۔)

زنگ: گھنٹی۔

زہر مار کرنا: کسی طرح کھالینا۔

زیچ: علم نجوم کی ایک کتاب۔

(س)

ساتھ: کبوتروں کا پرا۔

سارنگ: ایک باجا۔

ساطور: خنجر، چھرا۔

ساع: غالباً صاع (ایک پیمانہ؟)

ساغری: دم کے نیچے کا گڑھا۔

سالگ رام: اک بت، کالا پتھر جو دریائے گنڈک سے نکلتا ہے اور پوجا جاتا ہے۔

سبابہ: انگلی۔

سبل: ناخونہ۔

سپندی: نظر اتارنے کا عمل۔

ست زر: (؟)

سداب: گھاس، سرکنڈا۔

سرازیر: الٹا، ڈھال دار۔

سربری: سرکاٹنا۔

سرحان: گرگ۔

سرخار: سرکھجانے کا آلہ جیسے پیٹھ کھجانے کا پشت خار۔

سردرختی: درختوں کا اگنا، نمو۔

سردل: چوکھٹ کا اوپری حصہ۔

سرچنگ: ڈھول، ضرب کوئی جانور بھی (؟)

سرس: مشابہ، بہتر۔

سرطان: آسمان کا ایک برج۔

سرعشر: دس آیتیں جو رسم بسم اللہ پر بچے کو پڑھائی جاتی ہیں۔

سرقداں: چور۔

سرکل: چٹیل زمین۔

سرکہ پیشانی: ترش روئی۔
سرنگ: گھوڑا (سرمئی رنگ کا)۔
سرہ: پاک صاف، نیز ناف۔
سعیر: دوزخ۔
سقرلات، سقرلاط: بانات
سقنقور: ریت کی مچھلی۔
سکندری: گھوڑے کا ٹھوکر کھانا۔
سکھ پال: ایک قسم کی پالکی۔
سگ ہرزہ برس: آوارہ کتا۔
سم لینا: گھوڑے کا ٹھوکر کھانا۔
سماک رمح: دو ستاروں کے نام۔
سمت الراس: سر کی جانب
سمرن: مالا، ہار۔
سمور: ایک روئیں دار جانور۔
سمکھ: سامنے، مقابل۔
سمیر: ایک کوٹھی نیز ایک پہاڑ کا نام۔
سنبلہ: ایک برج آسمانی۔
سنجش: توازن۔
سندان: اہرن، نہائی۔
سندکارنا: اشارہ کرنا۔
سنکٹ: مصیبت۔

سنین وشہور: سال و ماہ (سنہ اور شہر کی جمع)۔

سود: گھسنا۔

سوزن: سوئی مراد کلا، انکر۔

سوسی: ایک خوش آواز پرند۔

سوہان: ریتی۔

سہا: ایک ننھا ستارہ۔

سہام: تیر۔

سہ چوبہ: تیر: ترشول۔

سہ دختہ، سہ خواہران: تین ستاروں کا ایک جھرمٹ جو بنات النعش میں شامل ہے۔

سیخ پر: ایک پرند۔

سیسر: کمان کی گرفت۔

سیم دغل: کھوٹی چاندی مراد کھوٹے سکے۔

سیم گل: پنڈول، چونا۔

سیندھ: نقب۔

سینکڑا: ایک ہتھیار نیز گھوڑ کے پاؤں باندھنے کی رسی۔

سیہ چردہ: سانولے رنگ کا۔

(ش)

شارک: ایک خوش آواز پرند، مینا۔

شان عسل: شہد کی مکھی کا چھتا۔

شب باز: کٹھ پتلی نچانے والا۔

شب کول: (؟)

شب یلدا: سیاہ رات۔

شبان: چرواہا۔

شاہ: بے حیا عورت۔

شتقار: مر جانا۔

شرنگ: اندراین، حنظل، زہر۔

شش: پھیپھڑا۔

شعریٰ: ایک ستارے کا نام۔

شعیر: جو۔

شفتل: بازاری عورت۔

شلائیں: شوخ۔

شلنگ: زقند

شگول: شوخ و زیبا۔

شہامت: دلیری۔

شیم: شیمہ (عادت) کی جمع۔

(ص)

صابغ: رنگ ریز۔

صرہ: تھیلی۔

صعوہ: ممولا۔

صہیل: گھوڑے کی آواز۔

صیدی: حریف کبوتر۔

(ض)

ضریر: نابینا۔
ضفدع: مینڈک۔

(ط)

طارم: اونچا مکان۔
طلسک: چھوٹا طشت، فوارہ (؟)۔
طاغی: نافرمان، باغی۔
طائرخواں: مرادکھی۔
طباشیر: ایک ٹھنڈی دوا۔
طرار: چور، گرہ کٹ، ٹھگ۔
طرہ ہونا: بنیاد پڑنا، بننا۔
طغرل: بحری، ایک شکاری پرند۔

(ظ)

ظلال: ظل (سایہ) کی جمع۔

(ع)

عارض ہونا: بیماری لگنا، لاحق ہونا۔
عانہ: پیڑو۔
عبہری: نرگس کے پھول کی ایک قسم نرگس عبہر کہلاتی ہے۔
عتبہ: چوکھٹ۔

عجوز: بوڑھی عورت۔

عدس: مسور۔

عرعر: چیڑ کا درخت۔

عسس: کوتوال، نگہبان۔

عصافیر: عصفور (چڑیا) کی جمع۔

عطشانی: پیاسا۔

عطف عناں کرنا: باگ موڑنا۔

عظم: بزرگ۔

عقاب: نسر طائر، ستاروں کا ایک جھرمٹ۔

عقاقیر: عقار (بیج کی جمع)، جڑی بوٹیاں۔

عقیم: بانجھ۔

عمام: عمامہ کی جمع، پگڑیاں۔

عیون: چشمے (عین کی جمع)۔

(غ)

غبرا: زمین۔

غرش: غراہٹ۔

غزا: دین کے دشمنوں سے جنگ۔

غضبان: غضب ناک۔

غل:: پیاس۔

غل: کدورت نیز کھوٹ۔

غلطک: کروٹ، قلابازی۔
غم زدا: (زدودن سے) غم کرنے والا۔
غمام: بال، ابر۔
غن: (نشے میں) چور
غنم: بکری۔

(ف)

فتوحی: مرزئی۔
فرابرز: ایک پہلوان، دارا کا سپہ سالار۔
فراسیر: فراس (شیر) کی جمع۔
فرجہ: شگاف۔
فرس: بمعنی فارسی۔
فرقداں: قطب شمالی کے دوستارے۔
فرود آنا: نیچے آنا۔
فروردیں: ایران میں بہار کا مہینہ۔
فشخ فس: لمبے قدم اٹھانا، دوڑنا۔
فغفور: چین کے ایک بادشاہ کا نام۔
فکیف: کیوں کر۔
فلزات: سونا چاندی، مراد دولت۔
فلکہ: زرہ کی پشت (؟) لٹو۔
فلکہ: ریڑھ کی ہڈی کی گراری۔
فوفل: سپاری۔

فیل باراں: زوردار بارش۔

(ق)

قر: ایک روغن، مراد سیاہ۔
قراں: قرب، نزدیکی۔
قز: ریشم۔
قزل: سرخ۔
قشقل: ایک پرند۔
قشون: لشکر، فوجی دستہ۔
قصب: نرخرا۔
قصب: ریشم اور کتاں سے بنا ہوا ایک کپڑا۔
قطمیر: اصحاب کہف کا کتا۔
قلاب: مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔
قلغا: شاید کوئی پھول، کیسر (؟)
قلغی: کلغی۔
قلق: بے قرار (؟)
قلندری: ایک قسم کا چھوٹا خیمہ۔
قچی: گھوڑے کا کوئی عیب (؟)
قناد: قند ساز، حلوائی۔
قواریر: جمع قارورہ کی، ہلکی شیشی، نیز پیکاں کی ایک قسم۔
قوت: غذا۔
قویم: محکم۔

قیر: سیاہ روغن، شاید باسی بھی۔
قیرہ گوں: کالا گوند۔
قیفال: ایک رگ کا نام۔

(ک)

کابوس: سوتے میں ڈرنے کی بیماری۔ کہتے ہیں کہ کابوس ایک جن ہے۔ وہ سونے والے کے سینے پر آ بیٹھتا ہے تو اسے برے خواب آتے ہیں۔
کاجل پارنا: کاجل تیار کرنا۔
کاسۂ دریوزہ: بھیک کا پیالہ۔
کالا: سامان۔
کبریت احمر: سرخ گندھک۔
کتل: سجا ہوا گھوڑا۔
کتم: پردہ، رازداری۔
کٹ: کمر۔
کٹول، کسول: ایک پودا۔
کجک، کجگ: انکس۔
کحال: سرمہ لگانے والا، طبیب۔
کر: بہرا۔
کرد، کارو: چاقو۔
کرگدن: گینڈا۔
کرنگ: سرخ رنگ کا گھوڑا۔
کسوف ہلالی: گہنایا ہوا چاند۔
کسول: ایک پودا۔

کف الخطیب: رنگی ہوئی ہتھیلی، مراد دست حنائی۔
کفل: ضمانتی۔
کفل: کولھا، سرین۔
کفہ: ترازو کا پلہ۔
کلا: آرٹ۔
کلانی: بڑا ہونا۔
کلکج: کوئی پرند (؟)
کلنگ: سارس سے مشابہ ایک بڑا پرند، کونج۔
کلوخ: مٹی کا ڈھیلا۔
کنغک: کنجوس، احمق۔
کند: زخم کھانا، تیر چلانا۔
کنس: علالت، بیماری۔
کنس: سری کرشن جی کا ایک دشمن۔
کنول کٹی: کنول کا بیج۔
کوری کرنا: گھمنڈ کرنا، نیز چشم پوشی کرنا۔
کوک کرنا: بخیہ کرنا۔
کنے: پاس، نزدیک۔
کول، کوتل: سجا ہوا گھوڑا۔
کومل: نقب۔
کھجانا: ستانا، غصہ دلانا۔
کھماج: ایک راگنی۔
کھنجن: نیک، کنٹھ۔
کٹن: حاسد، مفسد۔
کیمخت: رنگین چمڑا۔

(گ)

گاو: بمعنی ہرن (؟)
گج باگ: ہاتھی کی باگ ڈور نیز آنکس۔
گردا: ٹکیہ، روٹی، چہرہ۔
گریز: مفر۔
گزلک: چھری۔
گلکج یا کلکج: پرند۔
گلم: نفیس کپڑا (؟)
گل خان: (؟)
گمبھیر: سنجیدہ۔
گمیدگ: پتھر (؟)
گنڈے پٹی: تعویذ وغیرہ (گھوڑے کے گلے میں)۔
گنہگاری: گناہ کا جرمانہ۔
گنہگاری لینا: جرمانہ یا تاوان وصول کرنا۔
گور، گورخر: جنگلی گدھا۔
گوزن: بارہ سنگھا۔
گوگرد: گندھک۔
گونہ: رنگ۔
گہنا: پکڑنا۔

(ل)

لابرتیاں: (؟)
لار، آبلار: کشمیر کی ایک ندی۔
لال خان لکڑ: شکنجہ جس میں مجرموں کو جکڑتے تھے، لال خاں کا لکڑا۔

کنٹا: کمزور، دبلا ہونا۔
لحیاں: لمبی داڑھی والا، اس طرح کی رمل کی ایک شکل۔
لڑھنا: لڑھکنا۔
لعبت: گڑیا، پتلی۔
لمعاں، لمعہ: روشنی۔
لنبیاں: گھوڑے کی تیز رفتار۔
لولہ پیچ: کپڑا جو مکتوب کی طرح لپیٹا جائے۔
لیام: لئیم (کنجوس) کی جمع۔
لیث: تلوار۔
لیل و نہار: محمد شاہ کے ایک گھوڑے کا نام۔
لینت: نرمی۔

(م)

مابقی: جو بچ رہے۔
ماجرا: واقعہ، حادثہ، تیز ہنگامی۔
ماحی: نابود کرنے والا۔
مادح: مداح۔
ماس: الماس۔
ماقل و دل: تھوڑی بات جس کا مفہوم بہت ہو۔
مامن: جائے امن۔
ماء: پانی۔
مثقن: آسمان کا تیسرا برج۔
مثمر: ثمر دار۔

مثقب: برما۔

مثقبی: سوراخ کرنا۔

مثلث: ایک خوشبو جو مشک صندل کافور کو ملا کر بناتے ہیں۔

مجدر: داغ دار، چیچک کے داغ رکھنے والا۔

مجرہ: کہکشاں۔

مجزا: پارہ پارہ۔

محرا: سخت گرم۔

محرف: ترچھا۔

محی: زندہ کرنے والا۔

مخدر: پردہ پوش۔

مداد: روشنائی۔

مدرک: فہم، ادراک۔

مذہب: سونا۔

مرتہن: رہن رکھا ہوا۔

مرجل: تانبے کی دیگ۔

مرحول: اونٹ جس پر پالان رکھا ہوا ہو۔

مرغان اولی الاجنحہ: پردار مخلوق، مراد فرشتے۔

مرغول: گھونگر۔

مرفق: کہنی۔ مرقب: نگہدار۔

مزامیر: چنگ۔

مزمار: بانسری۔

مسبعات العشر: دس دعائیں جو سات دن تک ایک خاص ترتیب سے پڑھی جاتی ہیں۔

مستک: ماتھا۔

مسکنا: کپڑے وغیرہ کا پھٹ جانا، خاص کر سلائی کے پاس سے۔

مشبک: جالی دار، سوراخ دار۔

مشرف: نگراں، ناظر، میر منشی۔

مشعبد: شعبدہ باز، بھان متی کا تماشا۔

مضار: مضرت (نقصان) کی جمع۔

مضاف: دوچند، زیادہ۔

مطرا: تر و تازہ۔

معاتب: عتاب کرنے والا۔

معارض: مقابل، ٹکرانے والا۔

معتاد: عادت، عادی ہونا۔

معجر: اوڑھنی، چادر۔

معصفر: کسمھ، گل کا جیرہ۔

معفور: (؟)

معن: ایک سخی کا نام، مراد سخی۔

مغوی: بہکانے والا، فریبی۔

مقدمۃ الجیش: فوج کے آگے بھیجا جانے والا دستہ۔

مقرعہ: موگری، کوٹنے کا آلہ، تازیانہ۔

مقرنس: بلند عمارت۔

مقری: قرآن خواں۔

مقوس: کمان کی شکل کا۔

مقیم: پارکھ۔

مکحل: سرمہ دانی۔

مکحل: جس نے سرمہ لگایا ہو۔

مکرمت: نوازش۔

مکیاں: ایک پیانہ۔

مکٹ: تاج

مکیف: نشہ آور، کیف پیدا کرنے والی شے۔

ملتیم: زخم کا بھرنا۔

ملنگ: درویش، بال بڑھائے ہوئے۔

ملون: رنگین۔

ملین: گندہ، یہاں بمعنی شرمندہ، غمگیں۔

منا: مکہ مکرمہ کے نزدیک ایک میدان۔

مناشیر: منشور (اعلان، فرمان) کی جمع۔

منان: نعمت عطا کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی صفت۔

منجر: کھینچا گیا۔

منجل: درانتی۔

منحور: نحر یعنی ذبح کیے ہوئے۔

مندل: ڈھول

منشار: آرا۔

منقع: نلکی، پھنکنی۔

منقاد: فرماں بردار۔

منقل: انگیٹھی۔

منگل گانا: خوشی کے گیت گانا۔

منہزم: ہزیمت خوردہ۔

منہ چنگیا، منہچنگ، مہچنگ: ایک قسم کی سارنگی۔

منہل: پانی کا چشمہ، دریا۔

موالید: مراد مخلوق (مولود کی جمع)۔
موالید ثلاثہ: تین قسم کی مخلوق، حیوانات، نباتات، جمادات۔
موشح: آراستہ۔
موئینہ: پوستین۔
مہجہ: خون دل، روح (صبح کی جمع)۔
مہچہ: چاندی یا سونے وغیرہ سے بنا ہوا وہ چھوٹا سا چاند جو فوج کے نشان یا علم پر لگاتے ہیں۔
مہموز: عیب دار، معیوب۔
مہیلا: گھوڑے کا ابلا ہوا دانہ جس میں گڑ بھی ڈالا جاتا ہے۔
سیاہ الابرد: بہت ٹھنڈا پانی۔
میزر: دستار، چادر۔
میزان: ترازو، برج آسمانی کی ایک شکل۔
میل: سلائی، بتی۔

(ن)

نارون: گل انار، ایک آتشبازی۔
ناظم شروان: مراد خاقانی۔
ناعی: موت کی خبر دینے والا۔
نالش: فریاد۔
ناہر: شیر۔
نباش: کفن چور۔
نٹ بدیا: نٹ بازی کا علم۔
نجھول: آہستہ خرام۔
نخستیں: اول۔
ندب: شرط (قمار بازی کی اصطلاح)۔

نراد: نرد کھیلنے والا۔
نرسل: سرکنڈا۔
نرگوش: کان کی لو۔
نطع: فرش۔
نظافت: پاکیزگی۔
نغز: انوکھا، نادر۔
نفخ: پھونکنا۔
نفخت فیہ: پھونک دیا میں نے
نقرہ: گردن کا گڑھا، ہتھیار کا ایک حصہ، چابک۔
نقط گیر: نکتہ چیں۔
نمیر: میٹھا، خوش گوار پانی۔
نوال: بخشش، عطا۔
نوشاد: ایک حسن خیز شہر۔
نیر: آنسو، پانی۔
نیلہ: نیل گائے۔

(و)

واژوں، واژگوں: الٹا، نامبارک۔
واسط: عراق کا ایک شہر۔
وام: قرض۔
وحل: کیچڑ، دلدل۔
ورع: زرہ۔
ورک: کولھا، سرین۔
وزاں: چلنے والی (ہوا)۔

ویم: نشان زدہ، خوبصورت۔

(ہ)

ہادم: منہدم کرنے والا۔
ہبل: ایک بت کا نام۔
ہرنا: کاٹھی کا اگلا ابھرا ہوا حصہ۔
ہریوا: ایک خوش آواز پرند۔
ہلو کنا: اگلنا، قے کرنا۔
ہموار کرنا: مٹانا، پامال کرنا، برابر کرنا۔
ہنڈول: صبح کا راگ۔
ہنونت: ہنومان۔
ہولنا: آگے بڑھانا (گھوڑے کو) حملہ کرنا۔
ہیجا: جنگ۔

(ی)

یابس: خشک۔
یرغہ: گھوڑے کی تیز رفتار، یلغار۔
یشم: ایک قیمتی سبز پتھر (یشب)۔
یمین: سیدھا ہاتھ، مبارک۔
یوز: چیتا، گھوڑا جس پر چیتے کے سے داغ ہوں۔
یوزہ: درخت کا تنا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

خسرو شناسی

مرتبین : ظ۔انصاری
ابوالفیض سحر

صفحات: 368

قیمت : -/81روپے

کلیاتِ فانی

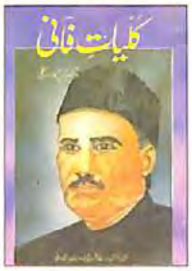

مرتبہ : ظہیراحمد صدیقی

صفحات:318

قیمت : -/101روپے

کلیاتِ عیش

مرتبہ : حبیبہ بانو

صفحات:556

قیمت : -/80روپے

کلیات آنند نرائن ملا

ترتیب وتدوین:خلیق انجم

صفحات: 770

قیمت : -/170روپے

انتخابِ کلامِ حسرت

مرتب : فضلِ امام

صفحات:91

قیمت : -/30روپے

جامع التذکرہ (جلدسوم)

مؤلف : محمد انصاراللہ

صفحات:965

قیمت : -/346روپے

ISBN-978-81-7587-882-2

₹189/-

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC- 33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025